ملفوظاتِ مہریہ

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ
میرے اُن بندوں کو خوش خبری سُنادو جو بات سُن کر بہتر کی پیروی کرتے ہیں

مقالاتِ مرضیّہ

اَلْمَعْرُوْف بِہٖ

ملفوظاتِ مہریہ قدس اللہ سرہ العزیز

یعنی حضرت عالم ربّانی عارف لاثانی سیّدنا و مولانا
قبلہ عالم خواجہ سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ حسنی گیلانی کے ملفوظات مبارکہ

بایمأ

حضرت سیّد پیر غلام محی الدّین شاہ صاحب قدس سرہٗ

باہتمام

جناب سیّد پیر غلام معین الدّین شاہ صاحب و سیّد پیر شاہ عبدالحق شاہ صاحب مدظلہما العالی

بار ——— چہار ا

تعداد ——— چار ہزار

مقامِ اشاعت ——— گولڑہ شریف۔ ضلع اسلام آباد

مطبع ——— پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ لاہور

فون: ۶۸۱۴۳۳۹، ۶۸۶۴۱۶۴، ۶۸۶۵۰۱۰

کاتب ——— مُنشی خُوشی محمّد ناصر قادری خُوش رقم

صفر المظفر ۱۴۱۸ھ مُطابق جون ۱۹۹۷ء

ہدیہ ——— ۶۵ روپے

فہرست مضامین "ملفوظاتِ مہریہ"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

تعارف

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان والصلوٰۃ والسلام علی افضل من اوتی الحکمۃ والتبیان وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ ومن اتبعھم باحسان ط

امّا بعد عالمِ ربّانی عارفِ حقّانی قبلۂ عالم سیّدنا و مولانا حضرت خواجہ سیّد پیر **مہر علی شاہ** صاحب حسنی گیلانی قدس سرّہٗ کی ذات والاصفات اور آپ کے کمالات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا وجودِ مسعود تمام عالمِ اسلام کے لیے عموماً اور برِّصغیر پاک و ہند کے لیے خصوصاً ایک نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھا۔ شریعت، طریقت اور تصوّفِ اسلامی کے لیے جو بیش بہا خدمات آپ نے سرانجام دیں، مشائخ عظام اور علمائے کرام میں اُن کی نظیر بہت کم نظر آتی ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حق تو یہ تھا کہ آپ کے وُہ تمام ملفُوظات جو حضراتِ اہلِ علم وسلُوک کو درس دیتے وقت یا عام مجالس میں زبانِ حق ترجمان سے صادر ہوتے تھے سب کے سب ضبطِ تحریر میں لاکر افادۂ خلق کے لیے منظرِ عام پر لائے جاتے۔ مگر افسوس کہ اِس طرف زیادہ توجّہ نہ دی جاسکی۔ اُس کی ایک وجہ یہ بھی کہ اثنائے درس اور علمی گفتگو کے دوران آپ بحرِ ذخّار کی طرح جس طرف توجّہ فرماتے دلائل و براہین اور اسرار و معارف کا ایک سیلاب موجزن ہو جاتا تھا۔ اور کسی میں یہ ہمّت نہ تھی کہ اِس دریا کو کوزہ میں بند کرتا۔ بعض دفعہ کچھ مخلصین نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

اِس دُشواری کے باوجُود آپ کے شاگردِ مستفیض مولانا گُل فقیر احمد صاحبؒ پشاوری اور مولانا عبدُالحقؒ صاحب سیالوی نے ہمت سے کام لیتے ہُوئے آپ کے کچھ **ملفوظات** اپنی یادداشت سے عوام النّاس کے استفادہ کے لیے جمع کیے۔ مگر اِن حضرات نے آپ کی گفتگو کو جو عموماً علاقائی زبان میں ہوتی تھی، فارسی کا جامہ پہنایا۔ جس وجہ سے سوائے فارسی خواندہ حضرات کے دیگر احباب اُن سے مُستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ نیز طباعت کے بعد فارسی ایڈیشن میں کتابت اور طباعت کی کافی اغلاط باقی رہ گئی تھیں۔ اِس لیے یہ نیازمند عرصہ سے متمنّی تھا۔ کہ اِس مجمُوعہ کا اصل قلمی مسودہ کے ساتھ مقابلہ کرکے پُوری تصحیح کے بعد اس کا سلیس اُردو ترجمہ منظرِ عام پر لایا جائے۔ مجھ سے پہلے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مخلص اور مستفیض اُستاذ العُلما حضرت الشیخ الجامع جناب مولانا غلام محمد صاحبؒ گھوٹوی ثم بہاولپُوری اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ بنگوی مترجم "تحقیق الحق" نے بھی اِس طرف توجّہ فرمائی۔ مگر یہ سلسلہ نامکمل ہی رہا۔ بالآخر اس نیازمند نے اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ترجمہ و تصحیح اور ترتیب میں قدرے ترمیم کے علاوہ مناسب مواقع پر اُن ملفُوظات کا مزید اضافہ بھی کر دیا جو حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے فرزندِ ارجمند قبلہ بابُوجی مدظلّہ العالی سے سُننے کا اتفاق ہوُا۔ اور بعض ملفُوظات کے آخر میں مُناسب فوائد و نتائج بھی اپنی طرف سے شامل کر دیئے۔ جیسا کہ ملفُوظات کے جمع کرنے والے حضرات نے بھی مُناسب

مقامات پر کیا تھا۔ چنانچہ اِس مجموعہ میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے کلام کے علاوہ جہاں محرّرِ سطور یا راقم الحروف کے الفاظ کے ساتھ کچھ اضافہ ہے۔ وُہ ملفوظات کے جمع کرنے والوں کی طرف سے ہے۔ اور مترجم کے لفظ کے ساتھ جہاں کچھ تحریر ہے وُہ اِس نیازمند کی طرف سے ہے۔ میرے خیال میں یہ مجموعہ مطابق مقولہ مشہورہ "عصائے پیر بجائے پیر" حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ سے عقیدت رکھنے والوں کے لیے تبرّک ہونے کے علاوہ آنجنابؒ کے مسلک و مشرب کا بھی کافی حد تک آئینہ دار ہے۔ اور جو مسائل شریعت و طریقت آنجنابؒ کی تصنیفات اور فتاویٰ میں تفصیلاً موجود ہیں یہ مجموعہ اُن سب کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں اِس نیازمند کی مرتّب کردہ فہرست کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے لفظ سے کسی صاحب کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اِس مجموعہ کی عبارت بعینہٖ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا کلام ہے۔ کیونکہ آپ اپنی مجالس میں عموماً مقامی زبان میں تکلّم فرمایا کرتے تھے پھر جامعینِ ملفوظات نے اِسے فارسی جامہ پہنایا۔ بعد ازاں اِس کا اُردو ترجمہ کیا گیا۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ الفاظ بعینہٖ آنجنابؒ کے الفاظ ہیں البتّہ آنجنابؒ کے مفہوم کو حتی الامکان اِس طرح سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ حضرات اُس سے اِستفادہ کر سکیں بہرحال اگر کسی مقام پر آنجنابؒ کے مفہوم کو ادا کرنے میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہو تو اُسے آپ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے جامعینِ ملفوظات اور اِس نیازمند مترجم کی طرف نسبت کریں۔ اور آپ کے مسلک و مشرب کے بیان میں آپ کی اپنی تصنیفات اور تحریرات و فتاویٰ کو اصل سمجھتے ہوئے اِس مجموعہ کو ان کی فرع تصوّر کریں۔ اور اگر بالفرض کسی مسئلہ میں اِس مجموعہ اور تصنیفات کے درمیان کچھ تعارض معلوم ہو تو وہاں تصنیفات کو ہی قابلِ اعتماد سمجھنا چاہیئے۔

اِس مجموعہ میں سب سے اوّل وُہ ملفوظ رکھا گیا ہے جو تصوّف کی معرکۃ الآرا کتاب "فصوص الحکم" کے پہلے سبق پر مشتمل ہے۔ اور آخر میں "لسان الغیب" حضرت حافظ شیرازیؒ کے دیوان کی پہلی غزل کی تشریح اور مثنوی شریف حضرت مولانا رُوم علیہ الرحمۃ کے سبق کے خلاصہ پر مشتمل ملفوظات ہیں جن سے قارئینِ کرام بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے چودھویں صدی جیسے دورِ مادیّت میں رُوحانیّت اور تصوّف کی کیسی قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ نیز اِن اسباق سے آنجناب قدس سرّہٗ کے علمی مشاغل، درس و تدریس، تفسیر و تشریح، افہام و تفہیم اور اسرار و معارف میں بصیرتِ تامّہ وغیرہ بہت سے نمایاں اوصاف پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

آخر میں مستفیدین حضرات سے عموماً اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے خانوادۂ عالیہ سے خصوصاً اِلتجا کرتا ہوں کہ اِس ہیچمدان کو دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ علی سیّدنا محمّد و علیٰ آلہ الطاہرین واتباعہ الکاملین۔

کتاب ہذا کی طبعِ اوّل اُس کے فارسی ایڈیشن کے من و عن لفظی ترجمہ پر مشتمل تھی۔ موجودہ طبعِ دُوم میں اُس کی عبارت کو زیادہ سلیس، رواں اور آسان فہم اور اُس کی طباعت کو مزید دیدہ زیب بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس کام میں حضرت کے نیازمندان محمّد حیات خان و محمّد فاضل خان نے بڑے اخلاص، محنت اور اِنہماک کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا، اللہ تعالےٰ اُنہیں جزائے خیر بخشیں اور ہم سب کو حضرت قبلۂ عالمؒ کے اِرشادات اور ملفوظاتِ گرامی سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

۲۹۔ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ
مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۷۴ء

نیازمند درگاہِ مہریہ فیض احمد [illegible] غنی عفی عنہ
دارالافتاء والتدریس جامعہ غوثیہ آستانۂ عالیہ گولڑا شریف، ضلع راولپنڈی

ملفوظات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصہ اوّل

(جمع کردہ حضرت مولانا گُل فقیر احمد صاحب پشاوری)

ملفوظ۔ ا

ایک روز حضرت قبلۂ عالم حسبِ عادت مُبارک دربار میں رونق افروز ہُوئے تو طُلباء اُور سامعین "فصُوص الحکم" کے سبق کے لئے حاضر تھے۔ سبق شروع ہونے سے پہلے جناب مولوی محمد غازی صاحب نے عرض کیا کہ آج کتاب کو از سرِ نو ابتداء سے شروع کیا جائے۔ کیونکہ مسئلہ "وحدت الوجُود" ہم عرصہ سے سُنتے تو آئے ہیں لیکن اب تک صحیح طور پر یہ معلوم نہیں ہُوا کہ "عالم" وغیرہ کی حقیقت اس پاک طائفہ کے نزدیک کیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ کتاب "فتوحاتِ مکیہ" میں بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ ہماری گزارش یہ ہے کہ آج اسی مسئلہ کو تفصیلاً بیان فرمایا جائے۔ سبق کل پڑھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے۔ ابتداء لفظ "فص" سے کرتے ہیں۔ فَصُّ حِکْمَةٍ اِلٰهِيَّةٍ فِیْ کَلِمَةٍ اٰدَمِيَّةٍ۔ "فص" خبر ہے مبتداء محذُوف کی یعنی فاول ما القاه المالک۔ "فص" لغت میں نگین کو کہتے ہیں۔ اَور یہاں اِس سے خلاصہ ولُبِّ لُباب مُراد ہے۔ مُرادی اُور لغوی معانی میں وجہِ مناسبت یہ ہے کہ نگین انگوٹھی کا خلاصہ اُور نچوڑ ہوتا ہے۔

"حِکْمَةٍ" بمعنی علم واقعی حقائق الاشیاء ہے۔ اُور علم حقائق میں تغیر و تبدّل اصلاً راہ نہیں پاتا۔ مثلاً انسان کی حقیقت حیوانِ ناطق ہے۔ پس یہی حقیقت اس کی ماضی وحال اُور اِستقبال میں ہوگی اُور بس۔

"اِلٰهِيَّةٍ" منسُوب ہے اِلٰہ کی طرف۔ اُور یہ مراتبِ ثلاثہ ذات میں سے دُوسرا مرتبہ ہے۔ مراتبِ ثلاثہ یہ ہیں۔ ذاتِ بحت[۱] کہ اُس کو ہویتِ صرفہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ذات من[۲] حیث الاسماء والصّفات اجمالاً کہ وُہ معبر ہے احدیت الجمع سے ذات من حیث[۳] الاسماء والصّفات تفصیلاً کہ اس کی تعبیر واحدیت سے کی جاتی ہے۔

"فِیْ کَلِمَةٍ" یہ مفردِ کلمات ہے۔ اِصطلاحِ قوم میں کلمات موجُودات کو کہتے ہیں۔ اَور چُونکہ کلمات مبادی اُور حرُوف سے ترکیب پاتے ہیں۔ لہٰذا اعیانِ ثابتہ اُور صورِ علمیہ کو حرُوفِ اصلیہ بولتے ہیں۔ ارادۂ الٰہی بمنزلۂ قلم ہے۔ کہ اِس سے اوّلاً موجُودات کی صُورتیں بشکل حرُوفِ اصلیہ (اعیانِ ثابتہ) صدُور پاکر ثانیاً وُہی حرُوف اصلیہ وجُودِ خارجی کی خلعت سے ترکیبی تعلّق میں کلمات ہُوئے۔ اعیانِ ثابتہ فیضِ اقدس کا اثر ہیں۔ اُور وُہ صفاتِ جبریہ سے ہے۔ کیونکہ فیضِ اقدس، وجُودِ اشیاء اُور اُن کی اِستعدادات کے لیے تجلّی ذاتی سے عبارت ہے۔ اُور اِستعدادات، ماہیات کی طرح غیر مجعُول یعنی غیر مخلُوق ہیں۔ کیونکہ الجعل لایتخلل بین الذات والذاتیات یعنی ذات اُور ذاتیات کے درمیان جعل اُور خلق کا واسطہ تخلل نہیں ہوتا۔ اُور فیضِ مقدس صفاتِ اختیاریہ میں سے ہے۔ کیونکہ وُہ تجلّی اسمائی سے عبارت ہے جو مخلُوقات کی اِستعداد کے حسبِ تقاضا خارج میں ظہُور کا مُوجب ہے۔ اُور مجعُول ہے۔ کیونکہ یہ اِستعداد قبول رُوحِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اُور وُہ فیضِ مقدس سے ہے۔ اِنتہیٰ

"اٰدَمِيَّةٍ" آدم کی طرف منسُوب ہے۔ اِس لفظ میں کُل کی اضافت جُزکی طرف ہے یا عام کی اضافت خاص کی طرف کیونکہ آدم کا وجُود جُز ہے بہ نسبت کُل موجُودات کے یا خاص ہے بہ نسبت باقی مخلُوقات کے۔ حاصل معنی یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کتاب مثالی میں

سے خلاصۂ علومِ واقعیہ الٰہیہ جو آدمؑ کے وجود میں ثابت ہیں اُن کا القا اپنے بندے شیخ اکبرؒ پر کیا۔ اور اُن علوم کی آدمؑ کے وجود میں امانت رکھنے کی وجہِ تخصیص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبیؑ کے وجود میں اس کی اِستعداد و قابلیت کی بنا پر علوم امانت رکھے ہیں۔ چونکہ آدمؑ کی اِستعداد بوجہ مظہرِ اتم و مرآۃِ جمیع اسماء و صفات و خلیفۃ اللہ ہونے کے ان علومِ الٰہیہ کے قابل تھی۔ لہٰذا یہ علوم آدمؑ کے وجود میں ودِیعت کیے گئے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ جُملہ حقائق و نظائر عالمِ علوی و سفلی آدم کے وجود میں موجود ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے عالمِ اعلیٰ کو لیجئے کہ اُس میں تغیّر و تبدّل اصلاً راہ نہیں پاتا۔ وہاں قلم ہے جسے حکما عقلِ اوّل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو حضرت الشیخؒ کی اِصطلاح میں حقیقتِ محمدیہ سے عبارت ہے۔ اُس کی نظیر اِنسان کے وجود میں رُوحِ قُدس ہے۔ عرشِ عظیم، اُس کی نظیر جسمِ اِنسان۔ کرسی، اُس کی نظیر نفسِ انسان۔ بیتُ المعمور، اُس کی نظیر قلبِ اِنسان۔ یہ تینوں اگرچہ بالذّات متّحد ہیں لیکن بحسب اِعتبار مغائر ہیں۔ ملائکہ جن کو حکماء عقول عشرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی نظیر اِنسان کے وجود میں قوٰیٔ اِنسانیہ ہیں۔

پھر اسی عالمِ اعلیٰ میں افلاک ہیں مثلاً زحل اور اس کا فلک ہے۔ اِس کی نظیر نفسِ اِنسانی میں قوّتِ علمیہ۔ مشتری اور اس کا فلک اِس کی نظیر مؤخّر الدماغ میں قوّتِ ذاکرہ۔ مرّیخ اور اس کا فلک۔ اِس کی نظیر [illegible] اغ کا اگلا حصّہ ہے قوّتِ عاقلہ۔ یہاں آپ نے فرمایا کہ بعض اشخاص کو رُوحی معراج ہوتی ہے۔ اس کے لیے ایک مثالی بُراق آتا ہے رُوح اس پر سوار ہو کر عالمِ ملکوت کی سَیر کرتی ہے میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن پر یہ حال وارد تھا مگر وُہ اِن کتابوں سے لاعلمی کی وجہ سے اِس حقیقت کے واقف نہ تھے۔ شمس اور اس کا فلک۔ اس کی نظیر وسط الدّماغ میں قوّتِ مفکّرہ۔ زہرہ اور اس کا فلک۔ اِس کی نظیر رُوحِ حیوانی میں قوّتِ وہمیہ۔ عطارد اور اس کا فلک اِس کی نظیر مقدّم الدّماغ میں قوّتِ خیالیہ۔ قمر اور اس کا فلک اِس کی نظیر اِنسان کے جوارح میں قوّتِ حِسّیہ۔

اَب عالمِ اِستحالہ لیجئے کہ اُس میں تغیّر و تبدّل ہوتا رہتا ہے۔ کرّۂ آتش، اِس کی رُوح گرمی اور خشکی ہوتی ہے۔ اس کی نظیر بدنِ اِنسانی میں صفرا اور اس کی رُوح قوّتِ ہاضمہ ہے۔ کرّۂ ہوا، جس کی رُوح گرمی اور تری ہے۔ اِس کی نظیر دم اور اِس کی رُوح قوّتِ جاذبہ۔ کرّۂ آب، جس کی رُوح سردی اور تری ہے۔ اِس کی نظیر بلغم اور اُس کی رُوح قوّتِ دافعہ۔ کرّۂ خاک، جس کی رُوح سردی اور خشکی ہے۔ اِس کی نظیر سَودا اور اُس کی رُوح قوّتِ ماسکہ ہے۔

عالمِ تعمیر۔ رُوحانیاں اِس کی نظیر قوٰیٔ اِنسانیہ۔ عالمِ حیوان اِس کی نظیر وُہ چیز جو اِنسان میں اِحساس کرتی ہے۔ عالمِ نبات اُس کی نظیر وُہ چیز جو اِنسان میں نشو و نما پاتی ہے۔ جماد۔ اِس کی نظیر وُہ چیز جو اِنسان میں حس نہیں رکھتی۔ زمین کے ساتوں طبقے۔ سَودا (سیاہ) غبرا (خاکی) حمرا (سُرخ) صفرا۔ (زرد) بیضا۔ (سفید) زرقا۔ (کچکرا) خضرا۔ (سبز) ان کی نظیر جسمِ اِنسانی میں جِلد (چمڑا) شحم (چربی) لحم (گوشت) عُروق (رگیں) اعصاب (پٹھے) عضلات۔ عظام (ہڈیاں)۔

عالمِ نسب جو مقولاتِ تسعہ سے عبارت ہے۔ عرض اِس کی نظیر سفید، سیاہ۔ کیف اِس کی نظیر صحت سقم کے حالات۔ کم مثلاً پنڈلی ہاتھ سے لمبی ہے۔ اَین مثلاً گردن سر کا مکان ہے اور پنڈلی ران کا مکان۔ زمان مثلاً سر کی حرکت بروقت ہاتھ کی حرکت کے۔ اضافت اِس کی نظیر مثلاً یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا۔ وضع مثلاً زید کے اُوپر اور اس کے نیچے۔ فِعل مثلاً کھانا۔ انفعال، مثلاً سیر ہونا۔ کاتب الحروف کہتا ہے گویا اِس سارے مضمون کا خلاصہ اجمالاً ذیل کے اشعار میں آجاتا ہے ؎

عجائب نسخۂ ذاتِ الٰہی — عیاں در وَے ہمہ اسرارِ شاہی

جہاں اِنسان و اِنساں شُد جہانے — ازیں پاکیزہ تر نبود بیانے

یعنی اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے ایک عجیب نسخہ یعنی انسان یدِ قُدرتِ کاملہ سے بنایا ہے کہ اس کی ذات میں تمام شاہی اسرار موجُود و عیاں ہیں۔گویا جہان انسان ہے اور انسان جہان ہے۔اس سے مختصر اَوصاف تر بیان نہیں ہوسکتا۔

سبق ختم ہونے کے بعد آپ نے سُلطان العارفین بایزید بُسطامیؒ کا قصّہ بیان فرمایا۔کہ وُہ ایک دن اپنے چند خواص کے ساتھ کسی کُوچہ میں جارہے تھے۔ ناگاہ ایک کُتا سامنے سے آیا۔حضرت سُلطان العارفینؒ پُورے اَدب اور نہایت تعظیم سے ایک طرف کھڑے ہوگئے۔اور اُس وقت روانہ ہُوئے جب وُہ کُتا چلاگیا۔سب ہمراہی حیران اور متعجب تھے۔موقع پاکر عرض کیا کہ حضرت کرامت کا تاج وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ تو انسان کے سر پر رکھا گیا ہے،پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے کُتے کی اس قدر تعظیم و تکریم فرمائی۔حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ کُتا زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔اَے بایزیدؒ تُو نے میثاق کے روز کون سی نیکی کی تھی کہ تجھے اس لباس اور تعیّن میں پیدا کیا۔اور میں نے کون سی بدی کی تھی کہ مجھے اِس تقید اور شکل میں بنایا۔میں نے اِس لحاظ سے اس کی تعظیم کی ہے۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ گویا وُہ کُتا زبان حال سے یہ شعر کہہ رہا تھا ؎

ما و تُو از یک گلُستانیم از ما رُخ متاب گرچہ الطافش تُرا گُل کرد و مارا خار ساخت

(ہم اور تم ایک ہی باغ کے باسی ہیں ہم سے مُنہ نہ موڑ۔اگرچہ اُس کی مہربانی نے تمہیں گُل بنادیا اور ہمیں کانٹا)

حضرت مولینا رُومؒ کے اشعارِ ذیل بھی اسی کے مؤیّد ہیں ؎

ہست بے رنگی اصُولِ رنگ ہا صُلح ہا باشد اصُولِ جنگ ہا

چُونکہ بے رنگی اسیرِ رنگ شُد مُوسوی با مُوسیٰ در جنگ شُد

(بے رنگی سب رنگوں کی اصل ہے۔ہمیشہ جنگ کا اصل صلح ہوتی ہے۔جب بے رنگی رنگ کی اسیر ہُوئی تو اُمتِ مُوسیٰ علیہ السّلام سے جنگ کرنے لگی)

بعدہٗ حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ جب سُلطان العارفینؒ مقامِ وصل میں پہنچے۔امر ہُوا کہ مخلُوقات کے ارشاد کی طرف توجہ کرو۔حضرتؒ کو اس سخن سے فراق کی بُو آئی یعنی توجہ الی الخلق کو توجہ الی اللہ کے مغائر سمجھ کر نعرہ لگایا اور بے ہوش ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا۔ردّوا علیّ عبدی فانہ لایطیق علی فراقی۔یعنی میرے بندے کو واپس لاؤ کیونکہ وُہ میرے فراق کو برداشت نہیں کرسکتا۔بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ خدا کے ایسے ایسے شیر بھی ہیں کہ معرفت کے دریا نوش کر جاتے ہیں مگر ڈکار تک نہیں لیتے۔

مترجم کہتا ہے کہ اِس ملفُوظ اور اگلے دو ملفُوظات کے متعلقہ مباحث اگر آں جنابؒ کی اپنی تحریریں دیکھنے ہوں تو "مکتوبات شریف" میں اوادمِ اربعہ اور عوالم اربعہ کے بیان میں ملاحظہ کریں۔

ملفُوظ۔۲

ایک دن حضُورِ انورؒ نے "فصُوص الحکم" کے سبق کے دَوران زبانِ حق ترجمان سے یُوں ارشاد فرمایا کہ وجُود کے دو سلسلے ہیں بطُونؔ اور ظہُورؔ۔اوّل عبارت ہے اعیانِ ثابتہ سے اور ثانی عبارت ہے اعیانِ خارجیہ سے۔اعیانِ ثابتہ میں دونوں قسم کا جعل نہیں ہے کیونکہ جعلِ بسیط عدم سے نکل کر وجُود کی طرف آنے سے عبارت ہے۔اور اعیانِ ثابتہ اپنے اصلی عدم پر ہیں۔چنانچہ مشہُور مقُولہ ہے الاعیان ماشمت رائحۃ الوجود یعنی اعیان نے وجُود کی بُو بھی نہیں سُونگھی۔جعل مولف ماہیّت اور وجُود کے

انصاف سے عبارت ہے۔ اعیانِ ثابتہ اثرِ فیضِ اقدس اور صفاتِ جبریہ میں سے ہیں۔ اعیانِ خارجیہ کی خلقت میں چار اطوار ہیں۔ آدمؑ خاک سے۔ حوّا آدمؑ سے اور اس کو صورت انبعاثی کہتے ہیں عیسیٰؑ ماں سے بغیر باپ کے۔ باقی افرادِ انسانی ماں اور باپ سے۔ اور جیسا کہ عالمِ اجسام میں دو امر (زوجین) کے اجتماع سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح عالمِ مجرّدات میں دو امر کے اجتماع سے تیسرا وجود ظہور میں آتا ہے۔ چنانچہ لوح و قلم کے اجتماع و ازدواج سے ایک فرزند اور ایک دختر ظہور میں آتے ہیں۔ فرزند سے مُراد طبیعت کلیہ ہے اور دختر سے مُراد ہبا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس طبیعت کلیہ و ہبا کے اجتماع سے جسم کلی یعنی عرش عظیم پیدا ہوا۔ حرکت کی صورت مثل ایلاج کے ہے۔ جو عالمِ اجسام میں ہوا کرتی ہے صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مؤثر کو باپ سے تعبیر کرتے ہیں اور متاثر کو ماں سے یوم سے مُراد جسم کلی کا ایک دورہ ہے جو ساتوں آسمانوں کی پیدائش سے پہلے موجود تھا۔ جیسا کہ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اس پر دال ہے۔ لیل و نہار سے مُراد بھی جسمِ کلی کا ایک دورہ ہے۔ مگر آدھا کرنے کے بعد کیونکہ اس کی تحدید ساتوں آسمانوں کی خلقت کے وقت سورج سے ظاہر ہوئی۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ یوم کا وجود لیل و نہار کے وجود سے پہلے تھا۔ چونکہ علمار ظاہر اس حقیقت سے بے خبر ہیں اس واسطے یوم کے لفظ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ساتوں آسمانوں کی خلقت چھ یوم بمقدار ایّامِ دُنیا کی گئی۔ حالانکہ وہاں اُس وقت تک لیل و نہار کا وجود ہی نہ تھا۔ وُہ نہیں جانتے کہ یوم سے مراد لیل و نہار نہیں بلکہ یوم فلک اعلیٰ کے ایک دورہ سے عبارت ہے۔ اور نیز یہ کہ ہر آسمان کے لیے ایک زمین ہے۔ آسمانِ اوّل کے لیے زمینِ اوّل، آسمانِ دوم کے لیے زمینِ دوم۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ چنانچہ مشہور ہے لکل سماءٍ ارض۔ اسی طرح باقی اشیاء کی خلقت ہے۔ خلاصہ یہ کہ عالمِ سفلی بتمامہ عالمِ علوی کا عکس و نمود ہے۔ اور عالمِ علوی حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کا ظلّ۔ بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ نے آیہ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کا معنی اس طرح بیان فرمایا ہے کہ والدین سے مُراد عالمِ علوی و سفلی ہے۔ اور شکر سے مُراد یہ ہے کہ ہر دو کا حق ادا کیا جائے۔ یعنے ان کے سب احکام اور آثار اپنے سے سلوب کر کے حق کی طرف منسوب کیے جائیں۔ انتہیٰ۔

اِس اثنا میں مولوی صاحب میروی نے تبریزیؒ کے شعر ذیل کا معنی پوچھا۔ شعر ؎

از ہفت مادر زادہ ام وز نُہ پدر اُفتادہ ام ۔۔۔ یک رنگ خواہم ہر دو را من عاشق دیرینہ ام

حضور انورؒ نے فرمایا "ہفت مادر سے مُراد اربعہ عناصر اور موالیدِ ثلاثہ ہیں۔ مجموعہ سات ہوئے۔ نُہ پدر سے مُراد نو آسمان ہیں۔ غرضیکہ کل عالمِ علوی و سفلی انسانی وجود میں موجود ہے۔ نیز فرمایا کہ اشخاص تین قسم کے ہیں۔ اہلِ سمع کہ جس کسی سے کوئی بات سُنی تسلیم کر لی۔ اہلِ شہادت کہ اپنی آنکھوں سے معائنہ کرتے ہیں۔ اہلِ قلب کہ جو کچھ دیکھتے ہیں بعدہٗ اپنے وجود میں محقق پاتے ہیں۔ اور صوفی دو قسم کے ہیں۔ متخلق باخلاق اللہ اور متحقق باخلاق اللہ۔ حضرت الشیخؒ دوسری قسم کے تھے۔ کیونکہ وُہ احیاء و اماتت و تبدّل اشکال وغیرہ پر قادر تھے۔ لیکن بلحاظ غلبۂ مقامِ عبودیّت ان امور کی طرف التفات نہیں فرمایا۔"

بعدہٗ آپ نے علم الحروف کے خواص کا مختصراً بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کے خواص اگر میں تم پر تفصیلاً ظاہر کروں تو تم باقی سب علوم کو چھوڑ کر بکلّی اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ اس پر مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری نے عرض کیا کہ اگر اس بیان کی ذرا تشریح فرمائی جائے تو مہربانی ہوگی۔

آپ نے فرمایا کہ یہ اس قسم کا عجیب علم ہے کہ مولوی غلام جیلانی صاحب پشاوری جیسے متبحر عالم اس کی طلب میں مکہ مکرّمہ تک گئے۔ وہاں جب اُن کی نظر حضرت الشیخؒ کی تصانیف پر پڑی تو نہایت افسوس کیا کہ اصلی علم تو یہ تھا اور میں نے اپنی عمر علومِ رسمیہ میں بے جا ضائع کی۔ اس قصّہ کے راوی مولوی عبداللہ صاحب ہزاروی ہیں جو اُن کے تلامذہ میں سے تھے۔ اور ایک شخص مسمیٰ بابا برات علی

پشاوری جو سفرِ حج میں مولوی غلام جیلانی صاحب مرحوم کے ہمراہ تھا نے بیان کیا کہ بیت اللہ شریف میں مولوی صاحب کو خبر ملی کہ کوئی شخص مغربی اتفاقاً آیا ہے اور عوام و خواص کا مرجع بنا ہے۔ مولوی صاحب نے بھی اس کی زیارت کا ارادہ کیا۔ راستہ میں اپنے بعض متعلقین سے کہا کہ پہلے جاکر میرا حال اور شخصیت اُن کے سامنے بیان کرو۔ تاکہ وُہ لاعلمی سے میرے معاملہ میں بے التفاتی نہ برتیں۔ بعدہٗ مولوی صاحب نے نامبردہ کی خدمت میں حاضر ہوکر تحصیل علم الحروف کے لیے عرض کیا۔ اُنہوں نے ایک ساعت تامل کرکے کہا کہ اس بات کا جواب کل آپ کو دیا جائے گا۔ مولوی صاحب چونکہ مدمغ آدمی تھے۔ اُن کی اس گفتگو سے اُنہیں اپنی کسرِشان کا احساس ہوا۔ اس لیے فرمایا کہ توقف اور تامل کی وجہ کیا ہے؟ مغربی صاحب نے کہا کہ یہ علم چونکہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے خواص میں سے ہے اور اُن کی اجازت کے بغیر تعلیم نہیں کیا جاتا۔ اس لیے آج رات کو استخارہ کروں گا۔ اگر اُن کی جانب سے اجازت ملی تو بیان کردوں گا۔ ورنہ نہیں۔ دُوسرے دن مولوی صاحب سے کہا گیا کہ تیاری کریں تاکہ مغربی صاحب کے پاس چلا جائے۔ مگر مولوی صاحب نے فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے اس علم کے حاصل کرنے کا نہایت اشتیاق اور عشق ہے۔ اور اگر مغربی صاحب نے کہہ دیا کہ مجھے استخارہ میں آپ کے متعلق ممانعت کی گئی ہے تو باقی تمام عمر مایوس ہی رہنا پڑے گا۔ بالفعل اتنا اُمیدوار تو ہوں کہ شاید حاصل ہو جائے۔ اور اگر موت آگئی تو بھی اس کے عشق اور تمنا میں مروں گا۔ حاصل یہ کہ تمنائے حصول میں مرجانا بہ نسبت مایوسی کے بہتر ہے۔

ملفوظ۔۳

ایک دن حضور اقدسؒ حسب عادۃ شریفہ دربارِ متبرکہ میں رونق افروز تھے۔ طالب علم اور سامعینِ فصوص الحکم کا سبق سننے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے بندہ کو شرفِ خطاب بخش کر فرمایا۔ کہ تمہیں کس طرح خبر ہوئی کہ آج کل یہاں یہ سبق پڑھایا جارہا ہے۔ بندہ نے عرض کیا۔ مجھے مولوی غلام محمد صاحب نے اطلاع دی۔ اور اُن کو حافظ اللہ بخش خلف الرشید جناب میاں حاجی کریم بخش صاحب سیٹھی نے بتایا تھا کہ آج کل گولڑہ شریف میں ایک مولوی صاحب نے جو میرا شریف سے آئے ہیں کتاب فصوص الحکم کا سبق لینا شروع کیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم یہ اطلاع ملتے ہی کتابیں بغل میں ڈال روانہ ہو لیئے۔ بندہ نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ وُہ دن قاضی سراج الدین صاحب وکیل ساکن راولپنڈی کی دعوت کے لیے مخصوص تھا۔ کیوں کہ قاضی صاحب نے ایک نیا مکان تیار کروایا تھا اور کئی دفعہ عرض کر چکے تھے کہ جب تک حضور انورؒ اس مکان میں تشریف نہ لے جائیں گے میں اس میں داخل نہیں ہُوں گا۔ بدیں وجہ آپ نے فرمایا کہ آج کا سبق راولپنڈی میں قاضی صاحب کے مکان پر ہوگا۔ اور چونکہ اس کتاب کا سبق ایک نعمتِ عظمیٰ ہے لہٰذا اس کے حاصل کرنے والوں کا امتحان ہونا چاہیئے۔ تاکہ طالب صادق کی تصدیق ہو سکے اس لیے سب کو اسی وقت عین دوپہر میں پاپیادہ راولپنڈی جانا ہوگا۔ البتہ صرف مولوی غازی صاحب کو سواری دی جائے گی۔

بعدہٗ آپ نے افادۃً فرمایا کہ اکثر آدمی حضرت الشیخؒ کی عبارتِ ذیل اوجد الاشیاء وھو عینھا سے وہم میں پڑے ہیں۔ اور اس عبارت سے خالق و مخلوق کا اتحاد سمجھ کر حضرت الشیخؒ پر ناحق زبانِ تکفیر و تشنیع دراز کرتے ہیں۔ حالانکہ حاشا وکلاّ از رُوئے تحقیق حضرت الشیخؒ کی ہرگز یہ مُراد نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ عین کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز اپنی عین ہے یعنی بطریق حمل اوّلی چنانچہ الانسان انسانٌ۔ اور دُوسرا معنی عین کا یہ ہے کہ مابہ القوام یعنی وُہ چیز جس کے ساتھ دُوسری چیز کا قیام ہو۔ اور یہاں یہی معنی مُراد ہے نہ معنی اوّل پس وھو عینھا کا یہ معنی ہے کہ اگر واجب کا تعلق مخلوقات سے قطع نظر کیا جاوے تو مخلوق کا

فی نفسہ کوئی وجُود نہیں ۔کیونکہ مخلوق از قسم ممکن کے ہے اور ممکن کا وجُود و عدم یکساں ہوتا ہے ۔
پھر آپ نے بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے یہ بات صرف اس کے افادہ کے لیے بیان کی ہے ۔کیونکہ باقی حاضرین نے تو یہ بات سُنی ہوئی ہے ۔کاتب الحرُوف نے اس بندہ نوازی پر آپ کا شُکریہ ادا کیا ۔
بعدہٗ حضُورؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ اکبرؒ اور شیخ الشیُوخ شیخ شہاب الدینؒ السہروردی کا کسی بازار میں اتفاقیہ گذر ہوا ۔ ہر ایک بزرگوار دُوسرے کو دیکھ کر گذر گیا ۔کسی نے حضرت الشیخؒ سے شیخ الشیُوخؒ کے بارہ میں استفسار کیا ۔ کیف وجدتہ (حضرت شیخ الشیُوخ کیسے شخص ہیں) تو حضرت الشیخؒ نے فرمایا ۔ رجلٌ مَلِیٌٔ اتباعًا وسنۃً یعنے شیخ الشیُوخؒ اتباع سُنّتِ نبویؐ میں کامل اور بھرپُور مرد ہیں ۔کسی اَور شخص نے شیخ الشیُوخ سے حضرت الشیخؒ کے بارہ میں پُوچھا تو اُنہوں نے فرمایا ۔ رَجُلٌ مَلِیٌٔ حکمۃً واسرارًا یعنے حضرت الشیخ اکبرؒ ایک مرد ہے جو حکمت اور اسرارِ الٰہیہ سے سرتاپا بھرپُور ہے ۔شیخ الشیُوخؒ اپنے مُریدوں کو حضرت الشیخؒ کی مجلس و صُحبت سے منع فرمایا کرتے تھے ۔ اَور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ چُونکہ حضرت الشیخؒ کا کلام نہایت بلند و عمیق ہوتا ہے ۔ اَور ہر شخص میں اس کے سمجھنے کی قابلیت نہیں ہوتی ۔ اِس لیے عوام النّاس کو منع کرتا ہُوں کہ بھٹک نہ جائیں حضرت الشیخؒ کی وفات حسرت آیات پر شیخ الشیُوخؒ نے نہایت رنج و اَلم ظاہر کیا ۔
پھر حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ ایک شخص ہر روز دس بار حضرت الشیخؒ پر لعنت کہا کرتا تھا ۔حضرت الشیخؒ نے جب اس کے مرنے کی خبر سُنی اس کے جنازہ پر تشریف لے گئے اَور ستر ہزار بار نفی اثبات کا ذِکر کر کے اس کے لیے دُعائے مغفرت فرمائی ۔کیونکہ وُہ شخص اُن کی وجہ سے گرفتارِ عذاب تھا ۔
پھر حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ کا کشف اس قسم کا تھا کہ جب کسی شخص پر تین بار نظر ڈالتے تھے ۔اس کا مفصل حال میثاق سے حشر تک مشاہدہ فرمالیتے تھے ۔جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت الشیخؒ گویا حکمی فرزند حضرت غوث پاکؓ کے ہیں ۔کیونکہ حضرت الشیخؒ کے والد علی عرب کی کوئی اَولاد نہ تھی ۔ وُہ ہر ولی اللہ کے پاس جا کر اَولاد کے لیے استدعا کرتے تھے اَور یہی جواب ملتا تھا کہ تمہاری قسمت میں کوئی اَولاد نہیں ہے ۔آخر الامر حضرت غوث پاکؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی عرض کیا ۔حضُور غوث پاکؓ نے فرمایا کہ میں نے لوحِ محفوظ پر نظر کی مگر تمہارے نصیب میں اَولاد نہیں ہے ۔اُنہوں نے عرض کیا کہ اگر تقدیر ہی میں نہیں ہے تو پھر حضُور میں حاضر ہونے سے کیا فائدہ حاصل ہوا ۔حضُور غوث پاکؓ نے مہربانی سے فرمایا کہ میرے پاس آؤ اَور اپنی پشت میری پشت سے ملاؤ میری صلب میں ایک فرزند باقی ہے وُہ میں نے تم کو بخشا ۔ اِس ذریعہ سے حضرت الشیخؒ کا علی عرب صاحب کے گھر تولّد ہوا ۔بعدہٗ حضورِ انورؒ نے فرمایا ۔کہ حضرت غوث پاکؓ کا حال اَور معاملہ بھی عجیب و غریب ہوا ہے ۔حضرتؓ کی شب ولادت باسعادت میں دو سو بیس ۲۲۰ مولُود تولّد ہُوئے اَور حضُورؓ کی برکت سے سب کے سب اَولیا ہُوئے ۔بچپن میں حضُور غوث پاکؓ اپنے ہم عُمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے ۔ناگاہ ایک گائے اُس طرف آئی اَور کہنے لگی کہ عبد القادرؓ تجھے اس کام (کھیل) کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ۔جب حضرت غوث پاکؓ کی عُمر چند سال کی ہُوئی تو علم حاصل کرنے کے لیے سفر کا ارادہ فرمایا ۔حضرتؓ کی والدہ ماجدہؓ نے چند دینار آپ کی گودڑی میں ٹانک دیئے کہ سفر میں کام آویں گے ۔اَور بوقتِ رُخصت نصیحت فرمائی کہ اَے فرزند ہرگز جھُوٹ نہ بولنا ۔(حضرتؓ کی والدہ ماجدہؓ بھی صاحب ولایت تھیں) حضرتؓ رُخصت ہو کر ایک قافلہ کے ساتھ چلے ۔دَوران سفر ڈاکوؤں کے ایک بھاری گروہ نے قافلہ کو گھیر لیا ۔اُن کے سردار نے حضرتؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے ؟ حضرتؓ نے فرمایا ۔ہاں میری اِس گودڑی میں چند دینار ہیں ۔سردار کو یقین نہ ہوا ۔اس نے خیال کیا کہ شاید بطور خوش طبعی فرما رہے ہیں ۔کیونکہ کوئی شخص اپنے درہم بھی ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ

دینار ! اسی طرح اور ڈاکوؤں نے بھی یکے بعد دیگرے آپؓ سے پوچھا تو حضرتؓ سب کے جواب میں یہی فرماتے رہے۔ آخرالامر اُنہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس دینار ہیں تو ظاہر کرو حضرتؓ نے فی الفور دینار گودڑی سے نکال کر سامنے کر دیئے سب ڈاکو حضرتؓ کی صداقت و راست بازی سے متعجب و حیران ہو کر سچائی کی وجہ پوچھنے لگے حضرتؓ نے فرمایا کہ مجھے میری والدہ محترمہؓ نے بوقت وداع نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ نہ بولنا۔ اس واسطے بموجب فرمان حضرت والدہ ماجدہ جو کچھ میرے پاس تھا سچ سچ ظاہر کر دیا۔ وُہ سب لوگ اپنے گذشتہ اعمال پر پشیمان ہو کر کہنے لگے سبحان اللہ! اس شخص نے باوجود خطرہ کے اپنی والدہ کی نافرمانی روا نہیں رکھی۔ ادھر ہم ہیں کہ اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی میں مشغول ہیں۔ سب نے حضرتؓ کے دستِ مبارک پر توبہ کی۔ اور بداعمالی سے پشیمان و تائب ہو کر عذاب الیم سے نجات پائی۔

حضور انورؒ نے فرمایا کہ حضرت غوث پاکؓ کی یہ پہلی کرامت تھی۔ اس موقعہ پر حافظ سراج الدین نے عرض کیا کہ حضرتؓ کا ظہور کس سنہ میں ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ آپ کی ولادت باسعادت ۴۷۱ھ میں اور وفات ۵۶۲ھ میں ہوئی۔ کیونکہ مادۂ ولادت آپ کا عاشق ہے اور مادۂ وفات معشوقِ الٰہی۔ پھر حضور انورؒ نے شعر ذیل پڑھا ؎

سنینش کامل و عاشق تولد   وصالش داں ز معشوقِ الٰہی

٩١   ٤٧١   ٥٦٢

(یعنی آپ کی عمر مبارک ۹۱ سال ہے جو لفظ کامل کے عدد ہیں۔ اور سن ولادت لفظ عاشق سے ظاہر ہوتا ہے جس کے عدد ۴۷۱ ہیں۔ اور سن وصال لفظ معشوقِ الٰہی سے مفہوم ہوتا ہے جس کے عدد ۵۶۲ ہیں)

اور نیز آپ نے فرمایا کہ شیخ سعدیؒ کو بھی حضرتؓ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ کیونکہ میرے ایک مہربان نے ذکر کیا ہے کہ اُس نے ملتان میں ایک قلمی نسخہ گلستان کا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا دیکھا جس میں حکایت ذیل یعنی شیخ عبدالقادرؓ در را دیدند کہ بر در کعبہ نشستہ بود الخ میں بلفظ "دیدم" لکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ سعدی حضرتؓ کے ہم عصر تھے پس اغلب ہے کہ [illegible] کا ہے بنا برس حضرت شیخ الشیوخؒ شیخ سعدیؒ کے پیر صحبت ٹھہرے۔ چنانچہ رباعی ذیل میں اُنہوں نے کہا ہے۔

رُباعی

مرا پیر دانائے مُرشد شہاب   دو اندرز فرمُود بر رُوئے آب
یکے آنکہ در خویش خُود بیں مباش   دِگر آنکہ در غیر بد بیں مباش

یعنے مجھے میرے مُرشد حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے دریا کے سفر میں دو نصیحتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے کمال پر نظر مت رکھ۔ دُوسری یہ کہ کسی کے عیب پر نگاہ نہ رکھ۔

بعدہٗ حضورؒ نے فرمایا کہ حضرت جلال الدین بخاری اُچی علیہ الرحمۃ حضور غوث پاکؓ کے مقولۂ ذیل فطوبیٰ لمن رأنی اور رای من رأنی اور رآمن راء من رأنی (یعنی اس کے لیے خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو یا میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو) پر فخریہ فرماتے تھے کہ میں اس بشارت عظمیٰ میں داخل ہُوں۔ کیونکہ میں حضرت غوث بہاؤ الحق ملتانی کا مُرید ہُوں۔ اور وُہ حضرت شیخ الشیوخؒ کے اور شیخ الشیوخؒ کو شرف زیارت حضرت غوث الاعظمؓ حاصل ہے۔

اور نیز حضورِ انورؒ نے فرمایا کہ شیخ الشیوخؒ کے حق میں حضرت غوث الاعظمؓ نے دُعائے ذیل فرمائی ہے کہ انت اخر المشهورين فی العراق (یعنی تو عراق کے مشہور اولیائے کرام کا آخری فرد ہو گا)۔

پھر حضورِ انورؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الشیوخؒ کو حضور غوث الاعظمؒ کی گود میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے۔ کیونکہ بچپن میں ان کو اپنے والدِ بزرگوار نے بغرض طلبِ دُعا حضور غوث پاکؓ کی خدمت میں حاضر کیا۔ تو حضرتؓ نے ان کو اپنی گود مبارک میں بٹھا لیا۔

ملفوظ ۔ ۴

جامع کلمات طیّبات لکھتا ہے کہ قاضی سراج الدین وکیل کے مکان پر پہنچ کر نمازِ عصر کے بعد فصُوص الحکم کا سبق شروع ہوا۔ اثنائے تقریر حضورِ انور نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ نے اپنے علم کے بارہ میں فرمایا کہ اخذ ناالعلم حیا عن حی واخذ تم العلم میتا عن میت (یعنے ہم حیاتِ ابدی والوں نے حیاتِ ابدی والوں سے علم حاصل کیا اور تم مُردہ دلوں نے مُردہ دلوں سے)

پھر حضورِ انورؒ نے فرمایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں تیس۳۰ سال سے دِل کے دروازہ پر معتکف ہُوں۔ بالفعل اسی قدر کہا جاتا ہے کہ اَے جنید! اب تو اِس بات کا مستحق اور قابل ہوا ہے کہ تجھے [illegible] جائے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت جنیدؒ کے مقولہ دِل کے دروازہ پر بیٹھنے سے مُراد یہ ہے کہ دِل کو اللہ کی طرف متوجّہ کیا پس جائے غور ہے کہ حضرت جنیدؒ جیسے شخص کو تو تیس۳۰ سال کے بعد اِس قدر جواب دیا جاتا ہے۔ اور آج کل بعض آدمی دو روز محنت کر کے کہہ دیتے ہیں کہ میرا قلب جاری ہو گیا ہے۔ حاشا وکلاّ جریانِ قلب سے مُراد محض مضغۂ صنوبری یعنی اِس محسُوس گوشت کے ٹکڑے کی حرکت مُراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو معمُولی سی محنت سے بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ جریانِ قلب اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور حاضری سے عبارت ہے وَاَیْنَ هٰذَا مِنْ ذَاکَ یہ کہاں اور وُہ کہاں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ ایک شخص مجدّدی کہتا ہے کہ میں ایک روز حضرت سُلطان العارفین محبُوبِ الٰہیؒ صاحب کے مزارِ مقدّس پر مراقب ہُوا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ آں سُلطانؒ برزخ یعنے عالمِ مثال میں "فتوحاتِ مکیہ" "فصُوص الحکم" کا درس دے رہے ہیں میں نے حضرت الشیخؒ کی عبارتِ ذیل اوجد الاشیاء وھو عینھا (اُس نے ایجاد فرمایا اشیاء کو اور وُہ خود اُن کا عین ہے) پیش کر کے عرض کیا کہ اِس عبارت سے خالق و مخلوق کا اتحاد مفہُوم ہوتا ہے۔ حضرت موصُوف نے جواب میں قدرے تامّل فرمایا۔ ناگاہ حضرت الشیخؒ کی رُوحِ مُبارک نے متجلّی ہو کر افادتاً فرمایا۔ کہ آپ جواب میں کیوں نہیں فرماتے کہ میں نے وھو عینھا (وُہ خود اُن کا عین ہے) کہا ہے نہ کہ ھی عینه (اشیاء اللہ تعالےٰ کا عین ہیں) تا کہ نقص لازم آتا۔ (اِس مقام پر عین کا معنے جو ملفوظ میں مذکُور ہے ملحُوظ رکھنا چاہیئے)

ملفوظ ۔ ۵

ایک دِن حضورِ انورؒ نے مجلس شریف میں فرمایا کہ حضرت الشیخؒ نے "فتوحات" میں لکھا ہے کہ لفظ اَللّٰه ذاتِ بحت کے لیے عَلَم نہیں۔ بلکہ ذات من حیث الاسماء والصّفات اجمالاً کے مراتبِ ثلاثہ میں سے مرتبۂ ثانیہ کا عَلَم ہے۔ اور نیز حضرت الشیخؒ نے لکھا ہے کہ ذات سُبحانہ و تعالیٰ عارف کو مشہُود ہوتی ہے نہ معلوم۔ جیسا کہ مرتبۂ الٰہیہ معلوم ہوتا ہے نہ مشہُود۔ نیز لکھا ہے کہ ذاتِ بحت عارف کا قبلہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قبلہ ہونا معبُود ہونے پر منحصر ہے۔ اور معبُود مرتبہ الٰہیہ ہے نہ ذاتِ بحت جس کو فقط ھُو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ملفوظ ۔ ۶

حضورِ انورؒ نے فرمایا کہ ایک نہایت ہی عمیق اَور باریک بات ہے جو غور سے سُننی چاہیئے۔ "وحدت الوجُود" کے مشاہدہ کا مقام لغزش گاہِ اقدام ہے کہ اِس مقام میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اَولیاء اللہ نے لغزش کھائی ہے۔ بدیں خیال کہ شاید وحدت الوجُود کا مشاہدہ بھی اُن مشاہدات میں سے ہو جو اثنائے سلوک سالک پر واقع ہوتے ہیں۔ اَور ان مشاہدات میں اِس امر کا احتمال و اِمکان ہوتا ہے کہ سالک کا کوئی مشاہدہ واقع کے خلاف ہو۔ اُن کا یہ وہم غلط ہے۔ کیونکہ حضرت الشیخؒ کا مبیّنہ مشاہدہ ان مذکورہ مشاہدات کی مانند نہیں۔ بلکہ یہ مشاہدہ محقّق و مثبت اَور آیات سے مؤید ہے۔ اَور محض حال نہیں بلکہ مقام کے درجہ میں ہے۔ وَاَیْنَ ھٰذَا مِنْ ذَاکَ۔

ملفوظ ۔ ۷

اسی دن نمازِ عصر کے بعد مسجد شریف میں حضرت الشیخؒ کے کشف کی نسبت فرمایا کہ ان کا کشف معقُولی کشف کی طرح نہیں۔ بلکہ اَور ہی قسم کا ہے۔ کہ تمام عالم کے جُملہ حالات مبدا سے معاد تک بیان فرما دیئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص مسمّیٰ مولوی احمدالدّین صاحب چکوالی نے عرض کیا کہ فلاں نقشبندی ایک روز از رُوئے طنز کہتا تھا۔ کہ اللہ جل وعلیٰ شانہٗ تو قرآن کریم میں مُشرکین کے بارے میں عذاب کے تبدیل و تضعیف سے خبر دیتا ہے۔ اَور حضرت الشیخؒ فرماتے ہیں کہ جہنّم اپنے اہل پر گلزار ہو گا۔

آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مُطابق اپنے خیالات ظاہر کرتا ہے۔ لیکن غور کرنا چاہیئے کہ کیا حضرت الشیخؒ نے تبدیلِ عذاب کی آیتہ نہیں دیکھی تھی۔ اَور نیز یہ کہ اِس صُورت میں آیتہ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا۔ اَور آیتہ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ کے کیا معنے ہوں گے۔ اَور نیز آیتہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کا یہ مقتضی ہے کہ ہر عُسر کے بعد یُسر ہوتا ہے۔ اِس آیت میں دارِ دُنیا کی تخصیص نہیں بلکہ عام ہے۔ اَور نیز مشکوٰۃ شریف والی حدیث کا کیا جواب ہو گا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک دِن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وسعتِ رحمتِ الٰہی کا بیان فرما رہے تھے۔ ایک سائل نے عرض کیا۔ یارسُول اللہ! کیا مُشرکین بھی اُس کی رحمت سے مُستفید ہوں گے۔ آپؐ نے توقّف فرما کر بعد میں [illegible] لِکَ یعنی مشرکین پر بھی اُس کی رحمت محیط ہو گی۔ اِس حدیث کا علمائے ظاہر نے جو مطلب لیا ہے کہ اِس حدیث میں وُہ مشرکین مُراد ہیں جو بعد میں مشرّف باسلام ہُوئے۔ قابلِ نظر ہے۔ کیونکہ اگر یہ مُراد ہوتی تو وجہِ توقّف کیا تھی۔ اَور نیز لفظ عذاب کا تقاضا ہے کہ وُہ کچھ مدّت کے بعد اہلِ جہنّم کے حق میں عذب (شیریں) ہو گا۔ کیونکہ عذاب کے اصلی حرُوف تین ہیں عین۔ ذال۔ با۔ الف زیادہ ہے۔ الف کو دُور کر دیں تو عذب بمعنی شیریں ہوتا ہے۔ اَور نیز اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ سے ایک صفت ہے وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ اَور چُونکہ صُوفی اِن صفات سے متّصف ہوتا ہے لہٰذا وُہ اپنی نظر کی وُسعت کی بنا پر ایسے معانی کا ادراک کر سکتا ہے مگر عوام نہیں کر سکتے۔

پھر حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شہر قصُور میں بھی ایسی ہی مجلس میں شامل ہونے کا اِتفاق ہوا تھا۔ جماعتِ نقشبندیہ کا جمّ غفیر کسی عُرس کی تقریب پر جمع تھا۔ جب اُن کو میری آمد کی خبر ہوئی۔ سب مِلنے کے لیے آئے۔ اَور ان میں سے ایک ذی علم شخص نے از خود تقریر شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وجُودیہ اَور شہُودیہ کے درمیان دراصل کوئی اختلاف نہیں بلکہ محض نزاعِ لفظی ہے۔ یہ اُنہوں نے

---

[1] یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح مطبُوعہ اصح المطابع صفحہ ۲۰۶ پر مذکُور ہے۔

اپنی طرف سے نہیں کہا تھا بلکہ واقعی ایسی عبارتیں کتابوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ نے ہر دو مشرب میں توافق بیان فرمایا ہے لیکن چونکہ وہ از خود متحرک ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے بطور تحقیق مخالفت کی طرز پر کہا کہ آپ کو ایسی گفت گو کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس سے اپنے شیخ کے حق میں سُوء ادب لازم آتا ہے اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شیوخ میں سے ہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ کہ کس طرح سُوء ادب لازم آتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ نزاع لفظی اس امر سے عبارت ہے کہ دو متخاصمین ایک ذومعنی لفظ میں اختلاف کریں۔ اور ہر ایک کی مُراد دُوسرا معنی ہو۔ اور فریق ثانی کی مُراد سے ہر ایک بے خبر ہو ایسا قلتِ تدبر اور کم فہمی سے ہوا کرتا ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ نزاع لفظی اہلِ تحقیق کی شان سے بعید ہے۔ وُہ لاجواب ہو کر رہ گئے کافی دیر تک "وحدت الوجُود" کے مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں نہایت شاکر اور محظوظ ہو کر رُخصت ہُوئے۔ باقی لوگوں کو جب پتہ چلا تو افسوس کرنے لگے کہ ہم کو خبر نہ ہوئی ورنہ اس نعمتِ عظمٰی سے محرُوم نہ رہتے۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ اس مباحثہ میں بندہ بھی حاضر تھا۔ اس مباحثہ کی کیفیّت احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے کیونکہ الزام خصم اور اسکات سے جُملہ حاضرین مجلس متعجب تھے۔ منجُملہ دلائل اثبات وحدتِ شہُود کے خصم نے یہ آیتہ پیش کی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ اور کہا کہ اس آیت سے وحدۃ الشہُود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ کا معنے فِی کُلِّ شَیْءٍ مَّشْھُوْدٌ ہے۔ حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ علیٰ بمعنی فی بطور شاہد قرآن کریم سے پیش کریں۔ اس پر وُہ لاجواب ہو گئے۔

ایک جماعت صُبح کو حاضر ہُوئی۔ انہوں نے بھی حضورِ انور سے اپنے چند مسائل حل کرائے۔ اُن میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت مولانا رُومؒ کے شعرِ ذیل کا کیا مطلب ہے ؎

علمِ حق در علمِ صُوفی گم شود — ایں سخن کے باور مردم شود

حضُورِ انورؒ نے فرمایا "لفظ گم" بمعنی فانی نہیں۔ بلکہ گم بمعنی مستوُر ہے یعنی علمِ حق صُوفی کے علم میں مستوُر ہوتا ہے اور صُوفی کی ذات سے ظہُور پاتا ہے۔ کیونکہ ذاتِ صُوفی ذاتِ حق سُبحانہ و تعالیٰ کا مظہر ہے۔ اور صفاتِ صُوفی مظہرِ صفاتِ حق سُبحانہ و تعالیٰ"

دوم یہ کہ مقولۂ مشہورہ العلم حجاب اکبر کا کیا مطلب ہے۔ حضُورؒ نے فرمایا کہ علم بھی منجملہ حجاباتِ وصُول سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ذی حجاب ہمیشہ حجاب کے پیچھے ہوتا ہے مطلب یہ کہ اِس حجابِ علمی کو جو تیرے اور حق سُبحانہ و تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوا ہے اُٹھا دے۔ تاکہ حق سُبحانہ و تعالیٰ کا مشاہدہ ہو سکے۔ یہ معنی نہیں کہ علم وصُول الی اللہ سے مانع ہوتا ہے۔ کیونکہ علم موصل الی اللہ ہوتا ہے نہ حاجب و مانع۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ حضرت حافظؒ کا شعرِ ذیل اسی کا مؤید اور شاہد ہے۔ شعر:-

تا علم و فضل بینی بے معرفت نشینی — یک نکتہ ات بگویم خود را مبیں کہ رستی

یعنے علم و فضل کا غرور و گھمنڈ معرفتِ الٰہی کا حجاب ہے۔ غرُور کو دُور کر اور اپنی ہستی کو مٹادے تاکہ واصل باللہ ہو جائے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ محمُود صاحب تونسوی کو مباحثہ قصُور کی اطلاع ہُوئی تو نہایت خوش ہُوئے۔ اور خط لکھا کہ شاہ صاحب شہر قصُور میں بیٹھ کر مسئلۂ وحدۃ الوجُود خصم کو تسلیم کرانا یہ آپ ہی کا کام ہے۔ پھر فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب نے یہ فقرہ اس واسطے لکھا ہے کہ حضرتِ اعلیٰ تونسویؒ کے زمانہ میں ایک بزرگ شیخ غلام محی الدین نقشبندیؒ کہ وُہ بھی اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے اور شہر قصُور میں رہتے تھے۔ انہوں نے پاک پتن شریف میں عُرس کے موقعہ پر حضرتؒ اعلیٰ تونسوی سے مولانا نہ طرز پر سماع کا مسئلہ دریافت کیا۔ حضرتؒ اعلیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ ایک عشقیہ نسبت ہے جس کے باعث ہم چشتی لوگ سماع سُنتے ہیں۔ نامبردہؒ نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم لوگوں میں عشق نہیں حضرتِ اعلیٰؒ نے جذبہ اور جوش میں آکر فرمایا۔ "اساں کوں تاں عشق ہے تُسانڈی خبر تُساں کو ہوسی" کاتب الحرُوف

کہتا ہے۔ بعدہٗ حضورِ انورؒ نے فرمایا چونکہ حضرتؒ اعلیٰ میں واقعی عشق تھا۔ اِس لیے برسرِ میدان دعویٰ کیا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کسی شخص میں اگر کوئی چیز واقعی موجود ہو تو وُہ اُسے علیٰ رؤس الاشہاد برملا کہتا ہے۔

ملفوظ ـ ۸

۲۵ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ فصوص الحکم کے سبق میں باثنائے تحقیق مذہب وجودیہ وشہودیہ اپنی زبانِ معارف بیان سے اِس طرح ارشاد فرمایا کہ میری غرض اِس تحقیق سے یہ ہے کہ تم لوگوں پر حضرت الشیخ کا مرتبۂ علمی وکشفی واضح ہوجائے۔ تاکہ نقشبندیوں کی کتابیں دیکھ کر حضرتؒ کے متعلق سُوءِ ظنی کے مُرتکب نہ ہوجاؤ۔ مختصراً بیان کروں گا۔ توجہ سے سُنیں۔

حضرت الشیخؒ نے "فتوحات" کے متعدد مقامات میں اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک مصرع یہ ہے۔ ؏

یا اخت عمتی المعقولة

حضورِ انورؒ نے فرمایا "یہ ایسا مصرع ہے کہ مولوی غلام جیلانی صاحب پشاوری جیسے فاضلِ زمان ایک دن اِس مصرع کے مطالعہ میں فجر سے ظہر تک مُستغرق رہے۔ جب مطالعہ سے سر اُٹھایا۔ ایک رفیق کو سامنے بیٹھا دیکھا۔ اس سے پُوچھنے لگے کہ کس وقت آئے۔ اُس نے عرض کیا کہ میں صُبح سے حاضر ہُوں لیکن چُونکہ آپ مطالعہ میں مصرُوف تھے اِس لیے خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے ذاتِ حق سُبحانہ وتعالیٰ کی۔ صُبح سے اِس وقت تک کتاب کے مطالعہ میں ڈوبا ہُوا ہُوں لیکن ابھی تک ایک مصرعہ کا مطلب حل نہیں ہوسکا۔"

حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ اِس مصرع کا لفظی معنی یہ ہے کہ "اَے میری بہن بلکہ میری پھُوپھی کہ تُو معقُولہ ہے۔" اور یہ اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں وارد ہے۔ انی خمّرت طینة آدم بیدی اربعین صباحًا۔ کہ آدم علیہ السّلام کی خلقت سے کچھ مٹی باقی رہ گئی جس سے کھجُور کا درخت بنایا گیا۔ لہٰذا کھجُور کا درخت آدمؑ کی بہن اَور ہماری پھُوپھی ٹھیرا۔ جب اس کی خلقت کے بعد کچھ مٹی بمقدار ایک دانہ تل باقی بچی۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک زمین نہایت وسیع پیدا فرمائی کہ ساتوں آسمان اَور زمینیں اس کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے صحرا میں [illegible] اس کو ارضِ حقیقی بولتے ہیں۔ ؏

اِیں جہاں را آں جہانے دیگر است

اِس مصرعہ میں اِسی زمین کی طرف اشارہ ہے۔ ارضِ حقیقی کے بعض خواص میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے اِس جہانِ دُنیا کے ممتنعات اُس میں ممکنات اَور یہاں کے آیاتِ متشابہات وہاں کے محکمات ہوتے ہیں۔ اُس زمین میں بڑے بڑے شہر اَور محل ہیں کہ ان کے دروازوں پر ملائکہ نگہبان ومحافظ ہیں۔ تاکہ کوئی نااہل اس میں داخل نہ ہوسکے۔ حضرت الشیخؒ فرماتے ہیں کہ اُس ارضِ حقیقی میں مَیں داخل ہُوا۔ اَور دُوسرے خواص بھی داخل ہوتے ہیں۔ اس کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے درختوں کا ایک ایک دانہ انار و سیب اس حجم کا ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں وزمینوں میں نہیں سما سکتا۔ اَور پھر باوجُود اس حجم کے، داخل ہونے والے عارف کے ایک ہاتھ میں پکڑا جاسکتا ہے۔ اَور جب عارف اُس ارضِ حقیقی میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے خاص لباس لایا جاتا ہے جسے عارف کو پہنا کر وہاں لے جاتے ہیں جب وُہ عجائبات وغرائب کی سیر سے واپس ہونا چاہتا ہے۔ ملائکہ وُہ لباس اُتار کر وداع کرتے ہیں لیکن اُس ارضِ حقیقی میں داخلہ جسمی نہیں بلکہ بطور انخلاع وانسلاخ رُوحی ہے۔ اَور نیز حضرت الشیخؒ نے شیخ اوحدالدینؒ کرمانی کا قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وُہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک شیخ مرضِ اسہال میں مبتلا تھے۔ اَور اُن کی عادت تھی کہ دوا اَور علاج بالکل نہ کرتے تھے۔ میں نے

عرض کیا اگر اجازت ہو تو اسہال کو بند کرنے والی کوئی دوائی لے آؤں۔ آپ نے محض میری دل نوازی کے خیال سے فرمایا۔ بہتر ہے۔ میں ایک شفاخانہ میں گیا۔ ایک شخص نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور باوجود جان پہچان نہ ہونے کے مجھے اپنے ہمراہ لے جا کر میرے آنے کا باعث پوچھا۔ میں نے اپنے شیخ کا حال بیان کیا۔ اُس نے فوراً دوا لا کر حاضر کر دی۔ اور مجھے رُخصت کرنے کے لیے ساتھ آیا۔ جب ہم شیخؒ کے مکان کے قریب پہنچے۔ میں نے اُس کو قسم دی کہ اب آپ ضرور واپس جائیں تاکہ شیخ ناراض نہ ہوں۔ وُہ آدمی رُخصت ہوا۔ میں نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا کہ شفاخانہ کا مالک نہایت شریف و مؤدب آدمی ہے۔ اُس نے میرے ساتھ بہت ہی مہربانی کی۔ شیخؒ نے تبسم فرمایا اور کہا۔ بیٹا میں نے خود یہ کام تیری خاطر بطور انخلاع رُوحی کیے ہیں۔ ورنہ کوئی اور شخص نہ تھا۔ اور مجھے اِس دوا کی حاجت نہیں۔ پھر وُہ استعمال نہ کی۔

بعدہٗ حضور انورؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ کی تقریر "مکتوبات مدنی" بیان فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس الرحمٰن عبارت ہے خطیرۃ القدس سے کہ اس کو وجودِ انبساطی بھی کہتے ہیں۔ "عما" بمعنی ابر باریک ہے جس کو اولاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہبا سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارادۂ الٰہیہ عند القوم مجدد ہے۔ ہیتہ الکیہ اشیا ثابتہ عند القوم محفوظ و مثبت ہے۔ وجُود دو قسم کا ہے۔ ایک انبساطی کہ عبارت ہے نفسُ الرحمٰن سے۔ چنانچہ یہ آیۂ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ سے عارف پر شہود ہوتا ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ گویا آیۂ مذکورہ کا معنی بیدل صاحب نے شعر ذیل میں کہا ہے ؎

کشیدہ دامنِ فطرت کہ بسیرِ ما و من آمدی ۔۔۔ تو بہارِ عالمِ دیگری زکجا بایں چمن آمدی

وجُودِ دوم انتزاعی ہے۔ اور نیز شعر ذیل فرمایا ؎

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

یعنی نمود و ظہور صرف ایک ہی حسن کا ہے۔ البتہ اُس کی تعبیر میں ہماری اصطلاحات و عبارتیں مختلف ہیں لیکن ہر ایک اصطلاح اسی ایک ہی حسن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور مُراد صرف ایک ہی ہے۔

اور نیز حضور انورؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب کھڈی کو حضرت اعلیٰ تونسویؒ صوفی اور عاشق کامل فرمایا کرتے تھے۔ ان کا لباس نہایت عُمدہ اور اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو اُن کو صوفی کامل فرماتے ہیں۔ مگر ان کا لباس تو دیکھئے۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے فرمایا کہ جو شخص کامل ہو اُس کی ہر چیز کامل ہوتی ہے۔ اور چونکہ مولوی صاحب کامل ہیں۔ ان کا لباس بھی احسن ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اُنہیں صُوفی کامل اس لیے فرماتے تھے کہ مولوی صاحب نہایت متبحر اور معقُولی عالم تھے۔ اور دیگر اشخاص کی طرح صرف مجاہدہ کش نہ تھے۔

بعدہٗ حضور انورؒ نے مولوی سید احمد و دیگر اشخاص کا قصّہ بیان فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو وجُودی سمجھ کر نماز وغیرہ بالکل ترک کر دی تھی۔ فرمایا کہ مولوی سید احمد میرا رفیق تھا جو مباحثہ میں مجھ سے ہار کر فرار ہو گیا تھا۔ اور ارادہ کیا تھا کہ موضع بفہ میں جا کر قاضی مُبارک مع منہیات پڑھ کر پھر میرے ساتھ بحث کرے گا۔ میں نے اُسے کہا کہ بفہ نہیں تم آسمان سے بھی ہو کر آجاؤ تو کچھ نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تم میں معقُولی مادہ ہی نہیں۔ بعد ازاں وُہ سیال شریف اس غرض سے حاضر ہوا کہ وہاں اپنے واسطے دُعا کرائے۔ وہاں پہنچ کر جب درویشوں کو ذکر و فکر میں شاغل دیکھا تو اس کو بھی اُدھر ہی رغبت ہو گئی اور حصُولِ علم کا خیال زائل ہو گیا۔ جب میں [illegible] شریف پہنچا لوگوں سے پُوچھا کہ یہاں فقیر سید احمد موجُود ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا موجُود ہے لیکن اُس نے نماز وغیرہ ترک کی ہوئی ہے۔ جب اُس نے میرے وہاں آنے کا سُنا تو میرے پاس آیا۔ ملاقات کے وقت میں نے کہا کہ مولوی صاحب سُنا ہے کہ آپ سے الصلوٰۃ بھی رُخصت ہو گئی اور صرف

حیوانیت باقی رہ گئی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ میں نے تو تعلیم وغیرہ ترک کر دی ہے۔ آپ بھی ترک کر دیجئے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ اپنے حالات سے قطع نظر تم نے اس کام میں جو فائدہ حاصل کیا ہے وُہ بیان کرو تا کہ میں بھی اُسے سُن کر تعلیم کو ترک کر دوں۔ میں تو تمہارے وجود میں اس وقت اس کے سوا کوئی چیز نہیں دیکھتا کہ تم صُبح سے شام تک جہر کرتے ہو جس کے سبب تمہیں قدرے رقّتِ قلب حاصل ہو گئی ہے۔ مگر اس کو عرفان نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ جس کو عرفان حاصل ہوتا ہے وُہ ہرگز اتّباعِ نبویؐ کو ترک نہیں کرتا۔ میری اس بات سے وُہ قدرے ناراض ہو کر مجھے ایک مولوی صاحب کے حُجرہ میں جو جام پُوری مشہور تھے لے گیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص "وحدت الوجُود" کا منکر ہے اس کو یہ مسئلہ تسلیم کرانا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ چُونکہ یہ مسئلہ حضرت اولیائے کاملین ومحقّقین کے مشہُودات میں سے ہے۔ میں اس کا منکر نہیں ہُوں لیکن اپنی اور اس شخص کی نسبت تحقیقاً کہتا ہُوں کہ کیا ہمارے مشائخ حضرات ثبوت حقائق اشیاء سے منکر تھے۔ معاذ اللہ۔ کیونکہ قضیہ الجنۃ حق والنار حق مسلّمات اعتقادیہ ہے پس تعذیب بالنّار مثلاً زید کو وجُودیہ کے مذہب میں کس طرح ہو گی۔ زید کی حقیقت کو یا تعیّن کو۔ اس کی حقیقت تو عین حق ہے وُہ معذّب نہیں۔ اب میں کہتا ہُوں کہ تعیّن امرِ عدمی ہے یا وجُودی اگر عدمی ہے تو اس کا وجُود نہیں۔ کیونکہ امرِ عدمی کا وجُود بعد انتزاع کے ہوتا ہے نہ قبل انتزاع۔ اور اگر امرِ وجُودی ہے تو عبارت ہے ذات حق سُبحانہ وتعالیٰ سے۔ وُہ بھی معذّب نہیں۔ مولوی صاحب مذکور یہ تقریر سُن کر خاموش ہو گئے اور سمجھ لیا کہ اس شخص کو تسلیم کرانا مشکل ہے اور کچھ نہ فرمایا۔

بعدہٗ حضُورِ انورؒ نے فرمایا "غرض یہ کہ وحدت الوجُود کا مقتضیٰ یہ نہیں کہ خلاف امرِ شارع علیہ السّلام کیا جائے یا انسان حقائق اشیاء کا منکر ہو جائے۔ بلکہ جو شخص زیادہ کامل ہوتا ہے بدرجۂ کمال متّبع امرِ شارع علیہ السّلام ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت الشیخؒ اور ان کے امثال۔ جو شخص اس مقام پر پہنچ کر امرِ شارع علیہ السّلام کے خلاف کام مرتکب ہوتا ہے وُہ وحدت الوجُود کے مقتضیٰ سے واقف نہیں۔ بلکہ یہ چیز اس شخص کے علمی وعملی عدم کمال کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔"

ملفوظ۔ ۹

ایک دن حضرتؒ دربار شریف میں رونق افروز تھے۔ "فصُوص الحکم" کے سبق شرُوع ہونے سے پہلے آپ نے مولوی صاحب میرٹھی سے پُوچھا کہ کیا تمہاری کتاب پر شیخ عبدالرزّاق قاشانی کی شرح ہے؟ اُنہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضُورؒ نے فرمایا کہ قاشانی حضرت الشیخؒ کے قریب العہد اور اُن سے مستفیض ہیں۔ ایک دن وُہ شیخ رُکن الدّین علاؤالدّولہ سمنانی کے ایک تلمیذ سے ملاقی ہُوئے۔ شیخ علاؤالدّولہ حضرت الشیخؒ کے سخت مخالف تھے۔ اس بنا پر کہ حضرت الشیخؒ نے وجُود کو عین ذات کہا ہے۔ قاشانی صاحب نے سمنانی کے تلمیذ سے پُوچھا کہ تمہارے اُستاد حضرت الشیخؒ کے ساتھ متّفق ہیں یا مخالف۔ اس نے کہا باقی تو سب اُمور میں موافق ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کہ وجُود عین ذات ہے اس میں مخالف ہیں۔ قاشانی صاحب نے فرمایا کہ افسوس جو اعلیٰ اور عُمدہ تصوّف تھا اُسی میں مخالفت کی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اپنے ایک مکتوب میں غلام علی شاہ صاحب دہلوی کی طرف لکھا کہ جو لوگ وحدت الوجُود کے قائل ہُوئے ہیں ان کے مشرب میں ذات حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا تنزہ وتقدّس راست نہیں آتا۔ الحمدللہ کہ ربّ العزّت نے ہمارے شیخ مجدّد صاحب کو ایک ایسی فراست وسمجھ عطا فرمائی کہ وُہ عجیبہ مذاق پر چلے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت الشیخؒ پر زبانِ تشنیع یا تکفیر کھولی ہے ۔ یہ بباعث قلتِ علمی اور حضرت الشیخؒ کی تصانیف کو بالاستیعاب مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے ہے ۔ ورنہ حضرت الشیخؒ کا مذاق اس سے بہت اعلیٰ ہے کہ حق سُبحانہ وتعالےٰ کی شان میں ان کے مشرب سے کوئی قدح یا نقص لازم آتا ہو پس جیسا کہ حضرت مجدّد صاحب وغیرہ تنزیہ ذات کے قائل ہیں حضرت الشیخؒ نے بھی "فتوحات" میں متعدد مقامات پر امر مذکورہ کی تصریح وتشریح فرمائی ہے کہ الحق الجمع بین التنزیہ والتشبیہ کا تب الحروف کہتا ہے ۔ گویا حضرت الشیخؒ کا مقولہ مذکورہ آیۂ کریمہ ذیل کا مصداق ہے ۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ یعنی تنزیہ فی الذّات ہے اور تشبیہ فی الصّفات ۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالمؒ کے حسب ذیل دو مکتوب جو بعض متوسّلین اہلِ سلوک کے جواب میں تحریر فرمائے گئے اِستفادۂ مردانِ حق کے لیے درج کیے جاتے ہیں تاکہ تنزیہ کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ کا مسلک واضح ہو جائے ۔ اُن سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ جب چودھویں صدی جیسے نازک دَور میں بھی حضرت قبلۂ عالمؒ کے غلاموں کو یہ مقامات حاصل ہیں تو بعض حضرات نقشبندیہ کا اکابر مشائخ وجُودیہ کے متعلق یہ خیال کہ ان کے نزدیک تنزیہ مشکل ہے حقیقت پر مبنی نہیں ۔

مکتوبِ اوّل عنایت نامہ میں [illegible] خیال کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ عین ہیں یا غیر اور نیز برزخ بوجہ احاطۂ صوَر کے حق عزّوجل کی صُورت کو بھی محیط ہے یا نہیں ؟

"مکرما برزخ کو بمنزلہ کرّۂ ہوا اور خیال کو اس ہوا کی مانند جو داخلِ خیشوم وجُودِ انسان ہے (اور ہر دو کے درمیان اتصال جُز کا کل کے ساتھ ہے) سمجھنا چاہیئے یعنی ہر فردِ بشر کا خیال اِسی کرّۂ برزخ کے ساتھ اِتصال رکھتا ہے ۔ چُونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کو کوئی محیطہ نہیں کہ اِس کے اسیر ہو بلکہ وُہی ہر چیز پر محیط ہے ۔ اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۔ لہٰذا برزخ اس کو محیط نہیں ہو سکتا ۔

مولانا رُومؒ ؎ درتصوّر ذاتِ حق را گنج کو　　تا در آید در تصوّر مثلِ او

تصوّر میں ذاتِ حق کی گنجائش نہیں تاکہ اس کی مثل تصوّر میں آسکے ۔ سعدیؒ ؎

اَے برتر از خیال وقیاس وگمان و وہم　　وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

وحدت الوجُود کے قائلین میں سے عارف جامیؒ ؎

ہیچ صُورت نتواند کہ کند بند ترا　　در صورِ ظاہری اما نہ اسیرِ صوری

یعنی کوئی صُورت تجھے بند اور متعین نہیں کر سکتی باوجودیکہ مظاہر صور میں ظاہر ہے لیکن اسیرِ صور نہیں ۔ اہلِ تنزیہ اور اہلِ وحدت الوجُود کا حال تو یہ ہے ۔ ہاں اہلِ تشبیہ کے نزدیک بظاہر احاطۂ برزخی مستبعد معلوم نہیں ہوتا ۔ لیکن غور وتامّل کے بعد ہر دو فریق سابق کے موافق نظر آتا ہے ۔ اہلِ تشبیہ کیا کہتے ہیں ۔ جسمٌ لا کالاجسام متمکنٌ مکانہٗ العرشُ لا کالمتمکنین ۔ یعنی اُس کا جسم ہے لیکن دُوسرے اجسام کی مانند نہیں ۔ وُہ متمکن ہے اور مکان اس کا عرش ہے لیکن نہ اور متمکنین کی مانند ۔

جامیؒ قدس سرّہٗ ہر سہ فریق کے بارہ میں فرماتے ہیں ؎

چشمِ مشبّہ ز جمالِ تو کور　　عقلِ منزّہ ز کمالِ تو دور

اہلِ تشبیہ کی آنکھ تیرے جمال کو نہیں دیکھ سکی ۔ اہلِ تنزیہ کا عقل تیرے کمال کو نہیں سمجھ سکا ۔

حادیٔ تشبیہ چو محمل براند　　رفت بمعمورہ و در گل بماند

تشبیہ کے حُدی خواں نے جب محمل کو چلایا تو معمُورہ (آبادی) میں جا کر کیچڑ میں پھنس گیا ۔

ناقۂ تنزیہ چو تنہا فتاد　　پائے ز معمُورہ بصحرا نہاد

اہلِ تنزیہہ ناقہ جب اکیلا ہوگیا۔ آبادی سے نکل کر جنگل (ویرانہ) میں قدم رکھا۔

ہست ز تنزیہ تو تشبیہ تو   نیست جُز ایں غایتِ تنزیہہ تو

حق سُبحانہٗ کی تنزیہہ کا غایت یہی ہے کہ تنزیہہ اور تشبیہ دونوں کو حاوی ہے۔ والسّلام خیر الختام

مکتوبِ دوم :- کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ ارشاد نامہ ذیل حضُور اقدسؒ نے عارف باللہ فقیر محمد امیر صاحب ساکن کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے حسب ذیل استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ فقیر صاحب موصُوف پر حضرت قدس سرّہٗ کی کمال شفقت تھی۔ اور سلسلۂ طریقت میں اُنہیں بیعت و ارشاد کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔ موصُوف صاحب ذوق و شوق اور اس قدر ذاکر و شاغل تھے کہ جب ذکر جہر فرماتے تو غیر مُسلم لوگ بھی سُن کر عقیدت مند ہو جاتے۔ فقیر صاحب کے مُریدین سے اب بھی بعض صاحب نسبت ذاکر و شاغل موجود ہیں۔ آپ پہلے سلسلہ نقشبندیہ میں مُوسیٰ زئی شریف بیعت تھے۔ وہاں سے بلندیٔ ہمت نے حضرت قبلۂ عالمؒ گولڑوی کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت بخشی اور آپ کے مورد الطاف ہُوئے۔ قارئین حضرات ان کے مکتُوب اور حضرتؒ کے جواب سے اس امر کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔

استفسار از فقیر صاحب موصُوف

سیّدی و مولائی دام ظلکم

بعد سلام المسنُون و استحقاق ما یناسب اینکہ ایک مسئلہ کا جواب حضُور سے مطلُوب ہے۔ چنانچہ صُورت مسئلہ کی اس طرح ہے مثلاً ایک شخص سالک کہ وجُودِ بشری سے عرُوج کر کے تجلّی برقی میں محو ہو جاتا ہے۔ ایک لحظہ اس برقی تجلّی میں رہتا ہے۔ اس تجلّی مذکُور میں کوئی اسماء و صفات نہیں ہوتے۔ اور تجلّی برقی بھی مثل وجُود بے کنار کے معلُوم ہوتی ہے۔ بہت بار اس پر تجلّی برقی وارد ہوتی ہے۔ بعد اس تجلّی برقی کے سالک نزُول میں آیا۔ نزُول میں جو آیا یعنی جس جا سے شرُوع ہوا تھا۔ اُسی جا بشریّت میں آگیا سوائے وجُودِ بشریّت کے اس کو مشاہدہ بے مثل مثال کا ہمیشہ ہوتا ہے یعنی اس طرح ہوتا ہے کہ اسماء و صفات سے معرّیٰ ہے اور پھر بے مثل مثال اور وجُودِ بشری دونوں اس کو جمع ہو کے بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ اب دونوں کا جمع مشاہدہ رکھے یا فقط بے مثل مثال کا مشاہدہ رکھے۔ مہربانی کر کے جواب تحریر کردہ بدست [illegible] ارسال فرمایند۔

عریضہ نیاز :- فقیر محمد امیر از کوٹ

جواب استفسار :- محبّی و مخلصی جناب فقیر صاحب حفظکم اللہ

بعد سلام مسنُون الاسلام و دُعا آنکہ۔ دونوں کا مشاہدہ کمال ہوتا ہے اور صرف بے مثال (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ) کا مشاہدہ نقصان۔ کیونکہ قرآن کریم میں (والظاہر والباطن) وارد ہوا ہے نہ فقط (والباطن)۔ مشاہدہ بے مثال تنزیہہ ہے۔ اور مشاہدہ کونی یعنی آفاقی و انفسی تشبیہ ہے۔ اور کمال دونوں کے جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ہکذا قال الشیخ الاکبر قدس سرّہٗ فی الفص النوحی من فصُوص الحکم۔ اور مُشاہدۂ کونی میں پہلے مشاہدہ خارج میں ہوتا ہے یعنی فی الآفاق بعد ازاں اپنے اندر یعنی فی الانفس ھٰکذا صرح الشیخؒ فی الفتوحات۔ دُعا سے یاد رکھیں۔ والسّلام

(الراقم دُعاگوئے و دُعاجوئے نیازمند فقراء عبدہ مہر علی شاہ بقلم خود از گولڑہ)

ملفوظ - ۱۰

کاتب الحرُوف کہتا ہے حضُور اقدسؒ نے "فصُوص الحکم" کے فقرہ اوجد العالم کلہ پر چار یوم متواتر جناب مولوی محمد غازی

صاحب کی خاطر تحقیق و تدقیق فرمائی۔ اور عجیب و غریب بیانات فتوحات اور مکتوبات مدنی شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ کتب سے فرمائے کیونکہ مولوی صاحب موصوف کی خواہش تھی کہ مسئلہ وحدت الوجود و شہود کی حقیقت کما حقہٗ اور عالم کی حقیقت عند القوم اور فرق بین الم‍ذہبین بوجہ احسن مدلّل ثابت کیا جائے۔ اِس لیے حضورِ اقدس شکر اللہ سعیہم و افاض علینا من برکاتہم نے چار یوم متواتر تحقیق فرما کر اس کا خلاصہ و لُبّ لباب پانچویں دن بتاریخ ۲۵ شوال المکرّم ۱۳۳۰ھ اِس طرح اِرشاد فرمایا:۔

خلاصہ یہ کہ ذات من حیث ہی عند الفریقین (وجودیہ و شہودیہ) غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے۔ اور ذات من حیث الاسماء والصّفات عند الوجودیہ عین عالم ہے۔ بایں معنی کہ وُہی ذات حق سُبحانہ و تعالیٰ بطور تنزّل ہر تعیّن میں متعیّن ہُوئی۔ پس فرق صرف اطلاق و تقیید کا ہے یعنی مرتبۂ اطلاق میں واجب اور معبود ہے اور درجۂ تعیّن میں ممکن اور عابد۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ گویا بیدل صاحب کا شعرِ ذیل اِسی مضمون کا مِصداق ہے ؎

تجلّی ہا است حق را در لباسِ ذاتِ اِنسانی　　　شہودِ غیب اگر خواہی وجُوب اینجا است امکانی

حضرتِ اِنسان میں ذاتِ حق کے تجلّیات [illegible] ہیں اگر غیب کا شہود چاہے تو یہاں حقیقت واجب برنگِ اِمکان ہے۔

بعدہٗ حضورِ انورؒ نے فرمایا "پس معنی وحدت الوجود کا یہ ہوا وحدت [illegible] [illegible] [illegible] ضروری نہیں بلکہ مابہ الموجودیّت اور وُہ عبارت ہے ذاتِ حق سُبحانہٗ و تعالےٰ سے یعنی عالم یگانگی حق سُبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ اور بس کہ بطریقِ تنزّل ظہور فرمایا اور عند الشہودیہ عالم اعدامِ خاصہ سے عبارت ہے مقابل اسماء وصفات جو بطریقِ اِنعکاس و انصباغ خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے نابُود برنگِ بُود ظاہر ہوا یعنی حق سُبحانہٗ و تعالےٰ اور عالم کے درمیان فرق صرف اِعتباری اور صُوری نہیں بلکہ واقعی اور ذاتی ہے۔ پس معنی [illegible] الشہود کا یہ ہوا کہ وحدت عالم کے شہود میں ہے نہ اس کے مشہُودات میں یعنی مشہُودات میں فی الواقع کثرت ہے لیکن عارف غلبۂ حال میں ایک ہی دیکھتا ہے۔"

بعدہٗ حضورِ انورؒ نے فرمایا "تم میں سے کوئی آدمی "فتوحات" کا خطبہ پڑھے۔ اس میں چند مقامات تحقیق و تفہیم طلب ہیں تاکہ بیان کیا جائے۔ لمبی عبارت خود پڑھنے سے مجھے سر درد ہو جاتا ہے۔"

مولوی صاحب میروی نے عرض کیا "اگر عبارت ہی پڑھنی ہے تو میں پڑھتا ہُوں" حضورِ انورؒ نے فرمایا "بہتر ہے۔ تم صرف عبارت بدوں لحاظ اعراب وغیرہ پڑھو میں معنی بیان کردں گا" مولوی صاحب نے خطبہ شروع کیا۔ الحمد للہ الذی اوجد الاشیاء عن عدم و عدمہٖ۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے چُونکہ نامبردہ نے لفظ عدمہٖ کا اعراب بجائے کسرہ کے ضمہ پڑھا۔ حضورِ اقدسؒ نے تبسّم فرمایا اور کہا کہ یہ ایک ایسا جُملہ ہے۔ کہ تمام "فتوحات" کا حاصل و خُلاصہ اِس میں موجُود ہے۔ لیکن یہ مقام نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ جب میاں غلام محمد نذر بردار کا بھائی محمد خان مرحُوم زندہ تھا۔ ایک شخص عرب موسمِ گرما میں اِتفاقاً یہاں وارد ہوا۔ زیادہ تعظیم و تکریم نہ ہونے کے باعث سَب و شتم پر زبان کھول دی۔ میں نے محمد خان مرحُوم کو بلوا کر سمجھایا کہ خبردار تم میں سے کوئی شخص عرب صاحب کو کچھ نہ کہے۔ میں خُود اُن کے ساتھ بات کرُوں گا۔ بالفعل اُن کو شربت وغیرہ پلاؤ اور تواضع کرو۔ اپنے اشغال سے فراغت کے بعد میں نے عرب صاحب کو بطور عُذر خواہی کہا کہ یہ لوگ بالکل بے علم اور سادہ آدمی ہیں۔ اِن کو آپ کی تعظیم و تکریم کرنے کا سلیقہ ہی نہیں۔ لہٰذا معاف فرمائیں۔ عرب صاحب نے کہا کہ مَیں اِتنا عالم فاضِل ہُوں کہ "فتوحات" وغیرہ بھی میرے علم میں آئی ہیں۔ مَیں نے محمد خان کو کہا کہ "فتوحات" کی پہلی جلد لے آؤ۔ جب وُہ لایا تو عرب صاحب کے سامنے خُطبہ "فتوحات" کا نکال کر کہا گیا کہ خُوب ہوا حُسن اِتفاق سے آپ تشریف لائے ہیں۔ اِس پہلے فقرہ کا مطلب جو آپ سمجھے ہیں برائے مہربانی ہمارے اِستفادہ کے لیے بیان فرمائیں۔

عرب صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ الحمد للہ الذی اوجد الاشیاء عن عدم جب یہاں پہنچے، ایک ساعت تامّل کے بعد کہا وَعَدَمَہٗ یعنی عدم کے میم کا اعراب بہ نصب پڑھا میں نے کہا اس کے معنے کریں۔ کہا۔ حمد ہے اُس خدا کی جس نے پیدا کیا اشیاء کو عدم سے۔ اور پھر معدوم کرے گا ان کو۔ میں نے کہا۔ عدم فعل لازم ہے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو اَعْدَمَہٗ کہا جاتا پھر نامبردہ نے وَعَدَمُہٗ پڑھا یعنی بضم میم۔ اس کی وجہ پُوچھی گئی تو لاجواب ہو گئے۔ غرضیکہ عرب صاحب تاڑ گئے کہ یہاں تو علمی لیاقت کارگر نہ ہوگی۔ پھر چند یوم مقیم رہے اور کسی کو کچھ نہ کہا۔

بعدہٗ حضورِ اقدسؒ نے کتاب لے کر خود پڑھی اور معنی بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ لفظ عَدَمِہٖ بکسرِ میم ہے معطوف عدم اوّل پر۔ اور چونکہ عدم العدم وجود ہوتا ہے۔ پس معنی یہ ہوا کہ حمد ہے اُس خُدا کی جس نے پیدا کیا اشیاء کو وجود سے۔ حضرت الشیخؒ نے علماء کے خوف سے تصریح ظاہر نہیں فرمائی۔ پھر جملہ ذیل فلیس عبد الحلیم ھو عبد الکریم کی تحقیق یُوں فرمائی کہ ان کی اصطلاح میں اسماء الٰہیہ میں سے کسی اسم کا ظہور جس صُوفی میں بوجہ اتم و اکمل موجود ہو۔ اس اسم کو اس صُوفی کا رب کہا کرتے ہیں اور اس صُوفی کو مربُوب پس جس صُوفی میں اسم حلیم کا ظہور ہو اُسی اسم کو اس صُوفی کا رب کہا جاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پھر جملہ ذیل کی تشریح فرمائی۔ بل العبد فی ذلک الموطن الانزہ لاحق بالتنزیہ۔ لانہ سبحانہ وتعالیٰ فی ذلک المقام الانوہ یلحقہ التشبیہ۔ حاصل کہ عارف اپنے موطن سے عرُوج کر کے بمقام تنزیہہ پہنچ کر حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ حق سُبحانہٗ بطریق تشبیہ اُس کا مشہُود ہو۔ جیسا کہ فرقہ مشبہ کا مذہب ہے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ لکھتے ہیں۔ میں نے بوقت تحریر اس خطبہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمِ مثال میں بکیفیتِ ذیل دیکھا کہ آپؐ ایک تخت پر رونق افروز ہیں۔ جمیع رُسل آپؐ کے رُوبرو صف باندھے کھڑے ہیں اُمتِ مرحُومہ بھی حاضر ہے۔ ملائکہ تسخیر وغیرہ آپؐ کے تخت کے گردا گرد قائم ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ دائیں طرف، حضرت فارُوق اعظمؓ بائیں طرف۔ حضرت خاتم الولایۃ یعنی عیسٰی علیہ السّلام آپؐ کے رُوبرو دوزانو بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خاتم الولایۃ کے ترجمان ہیں۔ (حضرت الشیخؒ نے یہ جملہ اس واسطے فرمایا ہے کہ اُن کو فیض حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی رُوحانیت سے حاصل ہوا ہے) حضرت ذُوالنّورینؓ بھی رُوبرو تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خاتم الولایۃ کے پیچھے دیکھا۔ کیونکہ میں اور خاتم الولایۃ حکم میں مُشترک ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتم الولایۃ کو میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ تیرا عدیل ہے اور تیرا فرزند اور تیرا خلیل ہے۔ اس کے لیے میرے رُوبرو منبر قائم کر۔

بعدہٗ آنحضرتؐ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اے محمدؐ (حضرت الشیخؒ کا اسم محض محمدؐ ہے) اِس منبر پر قائم ہو کر میری اور میرے مُرسل کی ثناء کہو پس حضرت خاتم الولایۃ نے منبر کو قائم کیا منبر کی پیشانی پر نُور سے لکھا تھا۔ یہ مقامِ محمدیؐ ہے۔ جو شخص اس جگہ قائم ہوا۔ وُہ بتحقیق آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہوگا۔ اور اس کو حق سُبحانہٗ وتعالیٰ آں حضرتؐ کی شریعت کا حافظ مقرر کرے گا۔ اور اس وقت مجھے حکمتیں عطا کی گئیں۔ گویا مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ پس میں خُدا کا شُکر بجا لا کر منبر پر چڑھا جب میں اُس موقفِ اعلیٰ پر قائم ہوا۔ شرمسار ہو کر اپنے مُنہ کو ڈھانپ لیا۔ پھر میں رُوح القدس سے تائید دیا گیا۔ اور اشعارِ ذیل شروع کیے ؎

یا منزل الایات والانباء انزل علیّ معالم الاسماء

اے نازل کرنے والے آیات اور اخبار کے مجھ پر معالم الاسماء نازل فرما

حتی اکون لحمد ذاتک جامعًا   بمحامد السراء والضراء
تاکہ میں راحت و تکلیف ہر حال میں تیری ذات کے محامد کا جامع ہو جاؤں
پھر میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا ؎

و یکون ھذا لسیّد العلم الذی   جردتہٗ من دورۃ الخلفاء
اور ہیں یہ سیّد علم جن کو تُو نے خلفاء کے دورہ سے نکالا (مبعوث کیا)

و جعلتہ الاصل الکریم وآدمٌ   ما بین طینۃ خلقہٖ والماء
اور تُو نے اس کو اصل کریم بنایا درحالیکہ آدمؑ ابھی آب و گل میں تھے

و نقلتہ حتی استدار زمانہ   و عطفت اخرہ علی الابداء
اور ظاہری خلقت میں تو نے اس کو (پشت بہ پشت) نقل کیا تاکہ اس کا زمانہ پھر کر آیا اور اس کی ابتدا و انتہا ملا دی۔

واقمتہٗ عبدًا اذا [illegible] ضعًا   دھرًا یناجیکم بغار حراء
اور تو نے اس کو بہت عرصہ تک غارِ حرا میں ٹھیرایا جو وہاں بندگی اور سوح و [illegible] میں مناجات کرتا رہا

حتی اتاہ مبشرًا من عندکم   جبریل المخصوص بالانباء
تا آں کہ اُس کے پاس بارگاہِ حق سُبحانہٗ سے مبشّر وحی جبریل آیا جو پیغامِ الٰہی لانے میں مخصوص ہے

قال السّلام علیک انت محمّد   سرّ العباد و خاتم النُّبآء
اور جبریلؑ نے کہا السلام علیکم آپ محمّد ہیں سرّ العباد اور خاتمُ الانبیاء

یا سیّدی حقًّا اقول فقال لی   صدقًا نطقت فانت ظل ردائی
یا سیّدی میں حق کہتا ہُوں۔ آں حضُورؐ نے فرمایا تُو نے سچ کہا ہے کیونکہ تُو میری چادر کا ظلّ ہے۔

فاحمد و زدنی حمد ربك جاھدًا   فلقد وھبت حقائق الاشیاء
پس حمد کر اور نہایت کوشش سے مجھ کو اپنے رب کی حمد سُنا۔ کیونکہ تجھ کو حقائق الاشیاء عطا کی گئی ہیں۔

وانثر لنا من شان ربك ما انجلی   لفؤادك المحفوظ فی الظلماء
اور بیان کر ہمارے لیے اپنے ربّ کی شان جو تیرے محفوظ دل پر ظلمات میں متجلّی ہُوئی

من کل حق قائم بحقیقۃٍ   یاتیك مملوکا بغیر شراء
ہر حق سے جو حقیقت کے ساتھ قائم ہے تجھ کو بغیر شراء کے مملُوک آتا ہے

بعدہٗ حضرت الشیخؒ نے حمد وثنا نثر میں بیان کی۔ اور اس کے اخیر میں فرماتے ہیں۔ پھر میں اس مشہدِ مثالی سے عالمِ سفلی کی طرف واپس لایا گیا پس میں نے اِس حمدِ مقدّس کو اپنی اس کتاب کا خُطبہ بنایا۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے۔
پھر حضُورؒ نے فرمایا۔ "اس خُطبہ کے بیان سے میری غرض چند شکوک کا رفع اور چند دقائق مذکُورہ کا حل تھا۔ اور نیز یہ کہ علمی و شہُودی پایہ اور علوِ مرتبہ حضرت الشیخؒ کا تم لوگوں پر ظاہر ہو۔ اب انصاف کرنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے حضرت الشیخؒ پر تشنیع اور تغلیط

؎ جمع النبی کشریف وشرفاء

کی۔ کیا ان کو یہ اعلیٰ مقام اور بلند منصب نصیب ہوا۔ حاشا وکلاّ۔ اور نیز چونکہ حضرت الشیخؒ کو اللہ تعالےٰ نے وارث و حافظِ شریعت بنایا ہے۔ جیسا کہ خُطبہ مذکورہ سے واضح ہوا۔ پس آپ کا کلام کس طرح خلافِ شریعتِ غرّا واقع ہوگا۔ پس بناءً علیہ بعض حضرات کا اعتراض قلّتِ علمی اور اُن کی نظروں کی عدمِ استیعاب و احاطہ حضرت الشیخؒ کی تصانیف پر محمول ہوگا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب مُکتوبِ مدنی میں اس امر کی ایک جگہ تصریح فرمادی ہے۔"

ملفوظ۔ ۱۱

ایک دن حضورِ انورؒ مسجد شریف میں بعد نماز عصر کے رونق افروز تھے۔ ایک حاضرِ مجلس نے راولپنڈی کے ایک سجادہ نشین صاحب کے متعلق ذکر کیا کہ اُنھوں نے وائسرائے ہند کی دعوت کی ہے اور جاگیر کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ اور وُہ کہتے ہیں کہ مجھے جاگیر مل بھی گئی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ جاگیر کی بات تو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ قاضی سراج الدّین صاحب وکیل کی زبانی سُنا گیا کہ پیر صاحب مکھڈ شریف نے بھی فوجی جرنیلوں و کرنیلوں کے تصدیقات کے ساتھ جاگیر کے بارے میں وائسرائے ہند کو درخواست دی تھی کہ ہمارا خاندان عالیشان اور قدیم ہے۔ مگر اب ہماری حالت رُو بہ تنزّل ہے۔ کیونکہ خرچ زیادہ اور آمدنی کم ہے۔ اس لیے ہم اُمّیدوار ہیں کہ ہم کو جاگیر عطا کی جائے گی لیکن وائسرائے بہادر نے ان کی درخواست نامنظور کر کے لکھا تھا کہ اگر سرکار ایسا سلسلہ جاری کردے تو اس کا بہم پہنچانا مشکل ہے پس جب ان کو جاگیر نہ مل سکی تو پھر کسی اور کو ملنا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ البتہ شاید فقیر صاحب کو وائسرائے کی ملاقات میں کوئی دُوسرا امر ضروریاتِ دُنیاوی سے مدِّنظر ہو۔ اس کے جواز و اباحت میں کلام نہیں لیکن فقر کے مشرب و مذاق سے نامُناسب ہے۔ کیونکہ اس اُمّتِ مرحُومہ میں اگر کوئی فقیر ہو تو محمّدیؐ ہوگا۔ اور مذاقِ محمّدیؐ عین مشربِ ابراہیمیؑ ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اس پر مشعر ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے آگ میں بھی استعانت بالغیر قبول نہیں فرمائی۔ چنانچہ روایت ہے کہ اس وقت جبریل علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اگر کچھ حاجت ہو تو ارشاد فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا اما الیک فلا واما الی اللّٰہ فنعم یعنی اے جبریلؑ میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میری حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مطلوب ہیں۔ دیوان صاحب پاک پتن شریف بھی جلسۂ دہلی میں گئے تھے مگر اُن کا جانا مجبُوری تھا۔ کیونکہ ان میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک سجّادگی کی اور دُوسری رئیسی کی۔ دُوسری حیثیّت سے ان کا جانا ضروری تھا۔ باقی حضرات بلا کسی غرض کے نہیں گئے۔ اور اس آنے جانے سے دُنیاوی فوائد حاصل کیے۔ چنانچہ بالفعل ایک سجّادہ نشین صاحب نے اپنی خلافت کے حق میں اور دلائل کے ساتھ جلسۂ دہلی میں حاضر ہونا بھی بطور ایک دلیل پیش کیا یعنی میں صاحبِ سجّادہ ہُوں کیونکہ میں جلسۂ دہلی میں حاضر ہوا ہُوں۔ اگر فلاں صاحبزادہ صاحب سجّادہ نشین ہوتے تو وُہ بھی جلسہ میں جاتے۔

ملفوظ۔ ۱۲

ایک دن حضورِ انورؒ بعد نمازِ عصر مسجد شریف میں رونق افروز تھے۔ دریافت فرمایا کہ میاں عبدُاللہ کہاں ہے؟ عرض کیا گیا کہ راولپنڈی گیا ہے۔

آپ نے فرمایا"۔ آدمی نہایت سادہ وضع کا اور سراپا تسلیم ہے۔ جو کچھ خیر و شر واقع ہو اس کے جواب میں ایک ہی جُملہ ادا کرتا

ہے "اچھا خیر کے تھیا (کیا ہُوا)۔ گویا میاں عبداللہ کے اس جُملہ کا منہ مثل منہ وحدت الوجود کے ہے کہ ہر چیز اِس میں سما جاتی ہے۔

بعدہٗ آپ نے منشی کریم بخش سیالوی سے دریافت فرمایا کہ کیا اب تمہارا لڑکا اچھا ہے؟ اس نے عرض کیا "حضور کا کرم ہے۔ مگر مٹی بہت کھاتا ہے"۔ آپ نے فرمایا "اچھا خیر کے تھیا"۔

پھر آپ نے ایک شخص کو مسجد میں طلب فرما کر پُوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے عرض کیا "سکھر سے"۔ آپ نے فرمایا کہ تم کافیہ خوان طالب علم ہو کر کیوں اتنی تکلیف اُٹھاتے ہُوئے اتنی دُور پیدل آئے؟ اِس آنے جانے میں تقریباً دو ماہ لگے ہوں گے اور تعلیم کا حرج الگ۔ اس نے عرض کیا "محض حضور کی تعریف سُن کر حاضر ہُوا ہُوں"۔ آپ نے فرمایا کہ اب ترقی علم کی دُعا کرانا چاہتے ہو یا طریقہ میں داخل ہونا، عرض کیا دو نو باتیں چاہتا ہُوں۔ اس پر حضور اقدسؒ نے بعیت فرما کر ارشاد فرمایا کہ فی الحال تمہیں تھوڑا سا کام بتایا جاتا ہے لیکن اِسے اپنے اُوپر واجب ولازم کرنا ہو گا۔ یہ تاکید اِس واسطے کرتا ہُوں کہ مجھے طالب علموں کی عادات معلوم ہیں۔ یہ کچھ آزاد قسم کے ہوتے ہیں۔ چند روز کوئی کام اختیار کر کے پھر جلدی چھوڑ دیتے ہیں۔ کام یہ ہے کہ اوّل ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرنا اور طلبہ کی طرح جماعت میں تکاسل و تساہل نہ کرنا۔ دوم یہ کہ سوال کو اپنے [illegible] سوئم یہ کہ بعد نماز فجر کے درود مستغاث شریف و سلسلہ چشتیہ عربیہ دیکھ کر پڑھنا۔

اس وقت ایک اَور شخص نے بھی حاضر ہو کر بعیت کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم موضع حضرو میں رہتے ہو اور تمہارے قریب میاں فضل الٰہی صاحب آخون وغیرہ جیسے بزرگ موجُود ہیں۔ جو اکثر روزہ سے رہتے ہیں۔ جَو وغیرہ کھاتے ہیں ہمیشہ چلہ میں رہتے ہیں۔ وہاں تم نے بعیت کیوں نہ کی ہم تو آزاد دُنیادار آدمی ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں اُن کے پاس تفسیر جلالین پڑھتا رہا ہُوں۔ لیکن بعیت نہیں کی حضُور کے ساتھ بعیت کا شوق ہے۔ آپ نے بعیت فرما کر تلقین فرمائی۔ کہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر جاننا اور کسی کے عیب پر نظر نہ کرنا بلکہ اپنے عیبوں پر نظر رکھنا اور دُوسروں کے ساتھ حُسنِ ظن۔ درُود مستغاث شریف و سلسلہ شریف چشتیہ عربیہ کا وظیفہ رکھنا اور خیال رکھنا کسی آخون وغیرہ کے کہنے سے اس کو ترک نہ کرنا۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ یہ وظیفہ خُود تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ اور نہ تم اس کے چھوڑنے پر قادر ہو سکو گے۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے گویا حضور اقدسؒ نے حضرت سعدی کی رُباعی ذیل اس کو ارشاد فرمائی جس میں خُود بینی اور بدظنی سے منع کیا گیا ہے ؎

مرا پیرِ دانائے مُرشد شہاب دو اندرز فرمُود بر رُوئے آب
یکے آنکہ در خویش خُود بیں مباش دگر آنکہ در غیر بد بیں مباش

ملفوظ - ۱۳

ایک روز ایک شخص نے چند دانہ اخروٹ بطور نذر پیش کیے۔ آپ نے دریافت فرمایا "کیا تمہارے ہاں اخروٹ کے درخت ہوتے ہیں"؟ اُس نے عرض کیا کہ جی ہاں ہمارے قرب وجوار میں ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "یہ درخت کتنا بڑا ہوتا ہے"؟ عرض کیا کہ پیپل کے درخت کی طرح اُونچا اور بڑا ہوتا ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ اگر حضور کے باغ میں چند دانہ کاشت کیے جائیں تو بڑے خُوبصُورت درخت ہوں گے۔ یہ درخت سیاہ راتوں میں کاشت کیا جاتا ہے۔

آپ نے ایک دانہ اخروٹ کا اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا "سُبحان اللہ! اِس ایک چھوٹے سے دانہ میں کامل درخت موجُود و مندرج ہے یعنی اِس میں دو سلسلہ ہیں۔ فاعلہ و منفعلہ اور ہر ایک قوّت اپنے اپنے اقتضاء پر مؤثر اور متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح ذاتِ حق سُبحانہٗ

میں جمیع اسماء و صفات مندمج ہیں۔ اور اِن میں بھی دو سلسلہ ہیں۔ ایک فاعلیہ جو اسماء اور صفات سے عبارت ہے دُوسری منفعلہ کہ حقائقِ ممکنات سے عبارت ہے۔"

ملفُوظ ۔ ۱۴

ایک دن حضُورِ انورؒ نے فرمایا" مجھے یاد ہے کہ سات یا آٹھ سال کی عُمر میں مَیں نے شیطان کے ساتھ عالمِ خواب میں کُشتی کی جب میں اس پر غالب آکر ارادہ کرتا کہ اس کو زمین پر دے ماروُں۔ اور اپنے دِل میں خوش ہوتا کہ اب میں نے اس کو پچھاڑ لیا ہے ناگاہ وُہ غالب آجاتا۔ اور میں مغلوب ہو کر زمین پر گرنے لگتا۔ فوراً لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا اور یہ کہنے کے ساتھ ہی میں پھر غالب آجاتا اور وُہ مغلوب۔ اسی طرح تین بار معاملہ ہوُا غرض یہ ہے کہ اِس قِسم کے رؤیا سے عقائدِ فلاسفہ اور ان کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید ہوتی ہے مثلاً وُہ کہتے ہیں کہ قبر میں سوال و جواب نہیں کیونکہ نکیرین عربی زبان میں من ربك ومن نبیك کہیں گے۔ اور عام انسان جو عربی نہیں سمجھتے۔ اُنہیں اِس کا جواب کیسے آئے گا۔ اس اِعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ اِس قِسم کے جواب وغیرہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کے الہام سے ہوُا کرتے ہیں۔ چنانچہ میرے اس رؤیا مذکورہ کے معاملہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ سات آٹھ سال کی عُمر میں شیطان وغیرہ کو پہچاننا عمُوماً محال ہے۔ اس وقت میرا دِل شہادت دیتا تھا کہ یہ شیطان ہے۔ اور نیز کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا القاء بدوُن الہامِ حق سُبحانہٗ کے ناممکن ہے۔"

ملفُوظ ۔ ۱۵

آپ پنج شنبہ کے دِن دربارِ شریف میں رونق افروز تھے۔ سب طالبِ علم اور سامعین "فصُوص الحکم" کے سبق کے لیے حاضر ہُوئے۔ آپ نے مولوی غازی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا" مولوی صاحب فقرہ اوجد العالو کله کا حاصل پنج روزہ تحقیق سے یہ نکلا۔ کہ ایجادِ عالم کے دو سِلسلے ہیں بُطُون اور ظہور بطُون عبارت ہے صورِ علمیہ سے کہ بعض حکماء ان کو مثل افلاطونیہ سے تعبیر کرتے ہیں خفاء ان کے لوازم سے ہے [illegible] عبارت ہے وجُودِ انبساطی سے کہ اس کو ہبا بھی کہتے ہیں۔ اِس کی مثال عالمِ محسُوسات میں اس گِل کی طرح ہے کہ بنّاء (معمار) اس کو بچھا کر جو صُورت چاہتا ہے۔ اس پر نقش اور ثابت کرتا ہے پس ایجاد کا معنی یہ ہوُا کہ جب حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کا اِرادہ کسی چیز کو وجُود میں لانے کا ہوتا ہے تو اس صُورت کا جو اُس کے علم میں ثابت اور حاضر تھی وجُودِ انبساطی کے ساتھ نسبت اور رابطہ پیدا کر دیتا ہے لیکن وُہ ربط مجہُول الکیفیۃ معقول الانیتہ ہے۔ ظاہر میں تقابل سے تعبیر کی جاسکتی ہے اور بس۔ اس ربط یا تقابل کا اثر یہ ہے کہ بالفعل اس چیز پر ترتب آثار جاری ہوتا ہے صورِ علمیہ کے تقابل اور وجُودِ انبساطی کی مثال محسُوسات میں مرأت (شیشہ) کی مانند ہے۔ اور صورِ علمیہ نقوش کی مانند۔ جیسا کہ صُورت مرئیہ فی المرأت کو نہ من کل الوجوہ عین کہا جاتا ہے نہ غیر۔ نہ داخل اور نہ خارج۔ وہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ یا یہ کہ وجُودِ انبساطی مثل کلّی کے ہے کہ بطور تنزّل اپنی جُزئیات میں موجُود ہے بعض مقامات پر حضرت الشیخؒ نے اِسی وجُودِ انبساطی کے بارہ میں فرمایا ہے هو الحق المخلوق به کل شیٔ پس ناواقف مطلب نہ سمجھ کر معترض ہوتا ہے کہ وجُودِ انبساطی چُونکہ عبارت ہے ہبا سے اس کو حق کس طرح کہا جاسکتا ہے معترض کو معلوم نہیں کہ حق یہاں بمعنی ثابت ہے نہ یہ کہ ذاتِ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ مُراد ہے یعنی وجُودِ انبساطی ایک ثابت امر ہے کہ جس سے ہر شئے مخلوق ہوتی ہے۔

"خیال دو قِسم کا ہے متّصل و منفصل متّصل اس قوّت سے عبارت ہے جو ہر فردِ بشر کے دماغ میں مودَع ہے۔ اور منفصل عبارت ہے

ہباسے کہ اس کو عالمِ مثال بھی کہتے ہیں۔ قبر میں سوال و جواب وغیرہ اسی خیالِ منفصل کی قسم ہے۔ ہر دو خیال کی مثال محسوسات میں گائے وغیرہ کا سینگ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس کی ایک طرف کشادہ ہوتی ہے اور دوسری طرف تنگ۔ خیالِ منفصل گویا اس کی کھلی طرف ہے اور خیالِ متّصل باریک طرف۔ غرض یہ کہ وُہی منفصل خیال وُسعت سے تنگی کو پہنچ کر ہر فردِ بشر کے خیال میں متمکّن ہوا۔

"کینونت کے پانچ مراتب ہیں۔ اوّل[1] عما۔ چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے سوال کیا گیا۔ اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ فَقَالَ فِیْ عَمَاءٍ مَا فَوْقَهٗ هَوَاءٌ وَّمَا تَحْتَهٗ هَوَاءٌ۔ یعنی ہمارا رب مخلوقات کی پیدائش سے پہلے کہاں تھا۔ آپؐ نے فرمایا عما میں جس کے اُوپر نیچے ہوا تھی۔ دوئم[2] استوا۔ چنانچہ آیۃ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اس پر شعر ہے۔ سوئم[3] آسمان اوّل پر نزُول جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ چہارم آیۃ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ کا مفہوم۔ پنجم آیۃ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ میں مذکور ہے۔ ذاتِ حق سُبحانہ وتعالیٰ عارف کے شہُود میں تو آتی ہے لیکن علم میں نہیں یعنی ذاتِ حق مشہُود ہوتی ہے اور معلوم نہیں ہوتی۔ کوئی چیز تنزّل کے وقت اپنی حقیقت سے جُدا اور خارج نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس میں کوئی قدح اور نقص عائد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جبرائیلؑ کا تنزّل دحیہ کلبیؓ کی صُ[illegible] ہیں۔ اور آیۃ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا اس کی مؤید۔ اور نیز آیۃ وَقَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ اور نیز آیۃ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اگر ایسا نہ ہو تو مثل چیز [illegible] ناممکن ہوگا۔ مولانا رُوم قدس سرّہ العزیز کے اشعارِ ذیل بھی اسی کے مؤید ہیں۔"

گر جُدا بینی زِ حق تو خواجہ را ‏ ‏ ‏ ‏ گم کُنی ہم متن و ہم دیباجہ را
چُوں تو ذاتِ پیر را کردی قبُول ‏ ‏ ‏ ‏ ہم خُدا در ذاتش آمد ہم رسُول

(یعنی اگر تُو پیر کو خدا سے جُدا دیکھتا ہے تو غلطی میں ہے۔ جب پیر کی ذات کو تُو نے قبول کر لیا تو اُس میں خُدا بھی آگیا اور رسُول بھی)

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ حضرت چراغِ دہلویؒ کی رُباعی ذیل بھی اسی کی مؤید ہے۔

گفتم پیمبری تو یا پیر ‏ ‏ ‏ ‏ گفتا دوئی زرہ برگیر
چُوں نیک بدیدم آں نکو بُود ‏ ‏ ‏ ‏ من وپیمبر و پیر ہمہ او بود

(یعنی میں نے پُوچھا تُو پیر ہے یا پیغمبر۔ فرمایا دُوئی کو دُور کر۔ جب اچھی طرح دیکھا تو سب وُہی تھا)

بعدہٗ حضورِ انورؒ نے فرمایا "ایک تمثّل ہے ایک برُوز۔ تمثّل جیسے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۔ برُوز یہ کہ حق سُبحانہٗ وتعالےٰ انسانِ کامل میں ظہُور فرماتا ہے۔ جیسا کہ منصُورؒ میں انا الحق کہا نقل ہے کہ ایک دن منصُور علیہ الرحمۃ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے منصُورؒ کو دیکھ کر فرمایا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیری گردن دار کی منتظر ہے۔ منصُورؒ نے عرض کیا۔ کیوں نہ ہو آپ جیسے واقفِ اسرار اس وقت سکُوت میں ہوں گے۔ مولانا رُومؒ نے فرمایا ہے ؎

چُوں قلم در دستِ غدّارے بود ‏ ‏ ‏ ‏ لاجرم منصُور بر دارے بود

آپ نے فرمایا کہ غدّار سے مُراد ناواقفِ اسرار ہے نہ دُوسرا معنی۔ پھر فرمایا "جس زمانہ میں مَیں علی گڑھ میں پڑھتا تھا۔ ایک دن اپنے حُجرہ میں کسی خاص حالت میں خواجہ حافظؒ کے شعر پڑھ رہا تھا۔ حافظ عبدالقدُوس صاحب اور چند دیگر اشخاص جمع ہو کر حُجرہ کے باہر کھڑے سُنتے رہے اور نہایت محظُوظ ہوئے۔ خصُوصاً حافظ عبدالقدُوس صاحب پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ مولوی غازی صاحب کو معلوم ہے۔ کہ حافظ عبدالقدُوس صاحب وُہ شخص تھے کہ کسی وقت بھی کتابوں کا مطالعہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جب میں نے سیال شریف کے

سفر کا ارادہ کیا اور شہر سے باہر نکلا۔ تو حافظ صاحب بھی میرے پیچھے روانہ ہو پڑے۔ حالانکہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا غرض کہ ہم خُدا کے فضل سے سیال شریف پہنچے۔ ایک دن مجلس میں حافظ صاحب نے حضرت صاحبؒ سے استفسار کیا کہ حافظؒ کے شعرِ ذیل کا کیا معنے ہے ؎

آں تلخ وش کہ صُوفی اُمّ الخبائثش خواند   اشھیٰ لنا و احلیٰ من قبلۃِ العذارا

حضرت صاحبؒ نے فرمایا "حافظ صاحب اسی طرح ایک دن شعرِ مذکور کا معنی ہمارے حضرتِ اعلیٰ تونسویؒ سے کسی شخص نے پُوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا مصرعِ اوّل بشرطِ شئی کے مرتبہ میں ہے اور مصرعِ ثانی لابشرطِ شئی کے مرتبہ میں"۔

آپ نے فرمایا "چُونکہ حضرت صاحبؒ اس قسم کے کلام سے خوش ہوتے تھے لہٰذا اُس وقت ایک اور قصّہ بھی بیان فرمایا کہ ایک دن کسی مولوی نے حضرتِ اعلیٰ تونسویؒ سے پُوچھا کہ شعرِ ذیل میں ؎

چُوں مددِ پیرِ مرا گشت یار   نیست مرا حاجتِ آمُرزگار

لفظ صحیح آمُرزگار ہے یا آموزگار۔ اِس اثنا میں عصر کی اذان ہو گئی اور حضرتِ اعلیٰؒ نماز کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے۔ مولوی مذکور نے پھر عرض کیا کہ حضرت "آمُرزگار" ہونے کی صُورت میں معنی درست نہیں آتا۔ کیونکہ مطلب یہ نکلتا ہے کہ مجھے خُدا کی حاجت نہیں رہی۔ البتّہ اگر آموزگار ہو تو صحیح ہے کہ آموزگار بمعنی اُستاد ہے۔ حضرتِؒ اعلیٰ جذبہ و جوش کی حالت میں آکر فرمانے لگے "جب پیرِ مظہرِ اتم ہوا پھر کون سا خُدا تیرا باقی رہ گیا"۔

آپ نے فرمایا "چُونکہ حضرتِ اعلیٰؒ صاحبِ حال تھے اِس لیے اُن کا ذوق لفظِ آموزگار" سے اِبا کرتا تھا"۔ بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ میرا بھی ایک سوال غیر مقلدین پر اِسی قسم کا تھا۔ یعنی یہ کہ حدیث تحول فی الصور جو بخاری شریف میں ہے وہ آیۃ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک صُورت میں تحول سے ایک فرد ہوا۔ دُوسری صُورت میں تحول سے دُوسرا فرد۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور افرادِ نوعی میں اتّحاد ہوا کرتا ہے نہ تباین۔ اِس کا جواب ان سے قیامت تک نہیں بن سکتا۔

پھر فرمایا کہ ایک دِن ایک غیر مقلّد مولوی صاحب نے آکر پُوچھا کہ قصیدہ غوثیہ شریف کس کی تصنیف ہے۔ میں نے جواب دیا "حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی"۔ اس نے کہا "وُہ تو عالم تھے۔ اِس قسم کا کلام اُن کا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں کہا گیا ہے وافعل ما تشاء فالاسم عالی (جو چاہے کر میرا نام بلند ہے)"

میں نے جواب دیا "یہاں دو اَمر ہیں۔ ایک ثبوتِ تصنیف۔ دُوسرا وجہِ استبعاد۔ دونو کا جواب سُنو۔ امرِ اوّل کی دلیل تواتر ہے کیونکہ ہر زمانہ میں جمِ غفیر اس کے قائل ہُوئے ہیں۔ اور تواتر ادلۂ قطعیہ میں سے ہے۔ اب دُوسرے اَمر کا جواب بھی سُن لو۔ بُخاری شریف میں تم نے دیکھا ہوگا کہ اہلِ بدرؓ کے بارہ میں وارد ہوا ہے۔ انّ اللہ قد اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم[1] پس فقرہ اعملوا ما شئتم آیۃ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی وغیرہ سے کیسے راست آتا ہے۔ یہاں وجہِ استبعاد تم بیان کرو وہاں میں کر دُوں گا"۔ وُہ حیران رہ گیا۔ میں نے کہا "تم نے حدیث کا مطلب نہیں سمجھا۔ غایۃ ما فی الباب عُلماء ظاہر یہی کہیں گے کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو خوشنودی کے وقت کہا جاتا ہے اور اس سے حقیقت مُراد نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پر رضامندی کی نظر فرماتا ہے اُس کو اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ[2] کے زمرہ میں داخل کر کے اس کا خُود حافظ و ناصر ہوتا ہے پھر بھلا

---

[1] اللہ تعالیٰ اہلِ بدرؓ پر جلوہ گر ہُوئے اور فرمایا جو چاہو کرو۔ [2] اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کچھ قابُو نہ ہوگا۔

وُہ شخص معاصی کے اِرتکاب پر کیسے قادر ہوسکتا ہے پس ضرور جُملہ اعملوا ما شئتم میں تخصیص مُراد ہوگی نہ تعمیم" پھر حضورِ انورؒ نے فرمایا اُن مولوی صاحب نے جاکر اپنے غیر مقلّدین کی جماعت سے بیان کیا کہ میں فلاں کے پنجہ میں ایسا گرفتار ہوا کہ خلاصی مشکل تھی" آپ نے فرمایا" ایسے لوگ اپنی جگہ بیٹھ کر لاف زنی کرتے ہیں جب ہمارے رُوبرُو آتے ہیں تو خُدا کے فضل اور اَرواحِ طیّبہ کی برکت سے کچھ نہیں کر سکتے۔"

بعدہٗ آپ نے میاں صاحب کلیام شریف کا قصّہ بیان فرمایا کہ مجھے اُن کے ساتھ دِلی نیاز تھا۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبت یعنی مقامِ ذکر حاصل تھا۔ اور وُہ اپنے مقام میں صادق تھے۔ جب میں اُن کے پاس جایا کرتا تھا۔ عُلماء وغیرہ اعتراض کرتے تھے کہ فلاں (پیر صاحب) ایسے آدمی کے پاس جاتے ہیں جو تارک الصلوٰۃ ہے۔ لطف یہ کہ جو آدمی میاں صاحب کی خدمت میں رہتے تھے۔ وُہ کہا کرتے تھے کہ بابا جی صاحب آپ کے ساتھ نہایت مہربانی کرتے ہیں۔ آپ بھی نماز و تسبیح وغیرہ کیوں نہیں چھوڑ دیتے ہیں جواب میں کہا کرتا تھا کہ اگر میاں صاحب خود بھی مجھ کو کہہ دیں کہ نماز چھوڑ دو میں ابھی تم کو اپنی مانند کرلوں گا۔ تو بھی میں یہ امر قبول نہ کروں گا۔ بلکہ میں اگر یہاں رہُوں تو ان کو بھی نماز کی طرف راغب کروں۔ اور نیز یہ کہ اگر سارے علماء جمع ہوکر مجھے مانع ہوں کہ میاں صاحب کے پاس نہ جاؤ میں یہ بھی قبول نہ کرُوں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اِن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑا تعلق ہے اور میں محض اسی لحاظ سے اُن کے پاس جایا کرتا ہُوں۔ مجھے ان کے باقی امُور کے عدمِ اِلتزام سے کیا غرض۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ حضورِ انورؒ نے فرمایا" میاں صاحب نے اِس لیے نماز ترک نہیں کی تھی کہ وُہ مقامِ سُکر میں تھے۔ بلکہ وُہ ہوش و حواس میں تھے اور محض بے علمی کے باعث ایسا ہوا۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اصل نماز ایک رکعت ہے جو دلی نیاز اور ذکر سے عبارت ہے۔ جب وُہ حاصل ہوجائے تو پھر اس ظاہری نماز وغیرہ کی حاجت نہیں ہے۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے متقدمین حضرات مثل حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ امُورِ شرعیہ کی رعایت بوجہ احسن فرمایا کرتے تھے۔ اور نماز وقت مختار میں پڑھتے تھے۔ اسی لیے اس گروہ پاک میں بحکم حدیث لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعه وبصره[1]۔ آثارِ اُلوہیت اور تحقّق باخلاق اللہ بطور تجلی خاص ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی واسطے دیگر سلاسل کی طرح اس طریقۂ عالیہ میں مصافحہ و معانقہ وغیرہ اکثر نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ چنانچہ مولانا رُومؒ فرماتے ہیں:

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

(یعنی درحقیقت یہ حق تعالےٰ کا رُعب ہے۔ صاحب خرقہ درویش کا نہیں)

بعض جاہل صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے اِعتراض کرتے ہیں کہ اس طریقۂ عالیہ میں خلافِ سُنت باتیں رائج ہیں۔ حاشا وکلاّ۔ اور جو بعض امُور میں تساہل و تکاسل مثل تاخیرِ صلوٰۃ وغیرہ متاخرین میں رائج ہوا ہے وُہ بھی بباعث اُن کی معذوری کے تھا مثل تقطیر البول وغیرہ نہ بالقصد۔ مگر ان کے بعض معتقدین نے مطلب نہ سمجھ کر ان چیزوں کو بطور سُنتِ شیخ اپنے اُوپر لازم کرلیا اور اُس کے جواز میں تاویلاتِ رکیکہ تراش لیے۔ ایک مسئلہ سماع بالآلات کا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بذاتِ خود اس امر سے نہایت تنگ دل ہوتا ہُوں۔ کیونکہ عوام اِس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن دُوسرے مقامات پر اس کے اِلتزام میں میرا کیا حرج ہے۔" اَلابلا بر گردنِ مُلاّ"۔ مترجم کہتا ہے کہ آپ کے ملفُوظِ ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ سماع خواہ سازوں کے ساتھ بھی ہو کُلّی طور پر حرام نہیں۔ ورنہ آپ جیسے عالمِ ربّانی

---

[1] ہمیشہ نوافل عبادات سے بندہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے کان اور آنکھ ہوجاتا ہُوں۔

ایسی مجالس سماع میں قطعاً شرکت نہ فرماتے۔ ہاں سامعین کی اہلیت اور آدابِ مجلس اور شرائطِ طریقت کا لحاظ ضروری ہے جیسا کہ آنجنابؒ کے تعامل اور معمولات سے واضح ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق کتاب "نغمۂ عشاق" میں ملاحظہ ہو نیز شامی جلد ۵ صفحہ ۳۰ کتاب الحظر والاباحۃ میں منصف کے لیے کفایت ہے معاند کے لیے دفتر بھی بے سود ہیں۔

قبلہ بابوجی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مشائخ کرام کے سماع میں قطعاً کلام نہیں لیکن آج کل نااہل لوگ اُن حضرات کے فعل کو حجت بنا کر شرائط کا لحاظ نہیں رکھتے جس کی وجہ سے دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اس موقعہ پر آپ حضرت سعدیؒ کے اشعارِ ذیل پڑھتے تھے ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست — مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از برجِ معنٰی بود طیرِ او — فرشتہ فرو ماند از سیرِ او
دگر مرد لہواست بازی و لاغ — قوی تر شود لہوش اندر دماغ

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ درد اور صاحبِ ذوق کے لیے سماع درست اور مفید ہے اور نااہل اور صاحبِ لہو کے لیے درست نہیں۔

ملفوظ۔ ۱۶

ایک دن آپ دربار شریف میں رونق افروز تھے۔ سید صدیق شاہ صاحب، مولوی نور محمد صاحب میروی و مولوی فضل حق صاحب شاہ پوری کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم لوگ کل راولپنڈی گئے تھے؟ ان میں سے سید صدیق شاہ صاحب نے عرض کیا کہ جی ہاں کسی کام کے لیے گئے تھے۔ میاں خدا بخش و بابا قادر بخش و حافظ غلام محمود امام مسجد صدر بازار تسلیم و نیاز عرض کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ حافظ صاحب اور کیا کہتے تھے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا۔ وہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری اور غیر مقلدین کے مباحثہ کا قصہ بیان کرتے تھے او[ر] کہتے تھے کہ اس مباحثہ میں آپ کی ایک کرامت دیکھی گئی کہ جب آپ نے غیر مقلدین پر سوال کیا [illegible] لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

آپ نے فرمایا کہ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جو رسالہ مولوی محمود شاہ صاحب واعظ نے اپنے نام پر طبع کرا کر شائع کیا تھا فی الواقعہ وہ رسالہ حافظ عبدالہادی صاحب نابینا کی تصنیف تھا۔ اس میں اُس نے وجوب جمعہ فی القریٰ بدوں قید شرائط اثبات کیا تھا۔ اور منجملہ اپنے دیگر دلائل کے بخاری کی حدیث بالفاظِ ذیل ان اول جمعة جمعت بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بجواثی قرية من البحرين بھی اپنے رسالہ میں درج کی تھی۔ جب علمائے حنفیہ مثل مولوی غلام دستگیر صاحب و مفتی شیخ احمد صاحب اڈیالہ وغیرہ نے حدیث مذکور الصدر کو دیکھا تو معترض ہوئے۔ کہ اگر صاحب رسالہ لفظ قریہ بخاری شریف میں دکھا دے تو اس کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ غرض کہ لفظ مذکور پر فریقین کی بحث مقرر ہوئی۔ اور محل مباحثہ میاں فضل الٰہی اپیل نویس کا گھر مقرر کیا گیا۔ اس وقت حنفیہ کا مربی و معاون میاں فضل الٰہی تھا۔ اور قاضی میر عالم خان ڈپٹی ہزاروی غیر مقلدین کی تکیہ گاہ کیونکہ قاضی میر عالم خان ان کا ہم مشرب اور حافظ و عالم بھی تھا۔ اس اثناء میں کسی نے مولوی غلام دستگیر صاحب کو کہا کہ فلاں (پیر صاحب) کا مباحثہ میں موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ ان کی شمولیت کے بغیر کام مشکل ہو گا لیکن چونکہ بعض احباب میری آزاد طبعی سے واقف تھے کہ میں کسی کی قید میں نہیں آتا۔ لہٰذا بطور سفارش طلبی پیر صاحب کلاں کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ پیر صاحب خورد کو فرمائیں کہ وہ براہِ مہربانی اس

مباحثہ میں شامل ہو کر مشکور فرمائیں۔ چونکہ وُہ بھی (بڑے پیر صاحب) میری طبع سے واقف تھے کہ وُہ مخلّی بالطبع (آزاد طبع) رہتا ہے حامل عریضہ کو فرمایا کہ مکتوب لہٗ فلاں جگہ بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کے پاس جاکر درخواست ہذا خود پیش کرو۔ وُہ آدمی میرے پاس آیا میں نے وعدہ کیا کہ مقررہ تاریخ پر میں قاضی نظام الدین صاحب مرحوم کے مزار پر ہوں گا۔ بعد انعقادِ مجلس مباحثہ مجھے اطلاع دینا میں شامل ہو جاؤں گا۔

الغرض حسبِ وعدہ جب میں وہاں پہنچا تو اچانک مولوی غلام دستگیر صاحب تشریف لائے۔ اس سے پہلے مولوی صاحب کا میرے ساتھ کوئی تعلق و تعارف نہ تھا۔ میں نے خلوت میں بطورِ علمی تحقیق کے مولوی صاحب سے ایک بات دریافت کی کہ مولوی صاحب اگر مباحثہ میں مخالف یہ اعتراض کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا۔ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کا سرمایۂ علمی نہ ہونے کے برابر ہے۔ تاہم اُنہیں تسلّی دی گئی کہ فکر نہ کریں انشاء اللہ العزیز خیر ہوگی۔ غرض کہ مقررہ وقت پر ہم میاں فضل الٰہی اپیل نویس کے مکان پر جمع ہوئے۔ بہت دیر انتظار کیا۔ لیکن چونکہ غیر مقلّدین کو خبر ہو گئی تھی کہ فلاں (پیر صاحب) بھی مباحثہ میں شامل ہیں وُہ وہاں نہیں آئے بلکہ قاضی میر عالم خان ڈپٹی کے مکان پر جمع ہوئے۔ جب ہمیں اِس بات کا پتہ چلا تو بعض اصحاب نے کہا کہ وہاں جانا چاہیئے۔ لیکن اَوروں نے کہا کہ نہیں۔ آخر میں نے اُن سے [illegible] واسطے جمع ہوئے ہیں۔ اب ضرور اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اگر وُہ یہاں سے بھاگ گئے ہیں تو ہم خود وہاں جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم ڈپٹی صاحب کے مکان پر گئے۔ نامبردہ چونکہ سمجھ دار اَور واقف کار آدمی تھا۔ مجھے دیکھ کر تاڑ گیا کہ اب مشکل پڑے گی۔ فوراً حکمتِ عملی سے اس نے مجھے حَکَم (ثالث) مقرر کر دیا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب و مفتی صاحب مذکور الصدر کو ایک فریق کر دیا اَور خود حافظ عبدالہادی نابینا سے مل کر فریقِ ثانی بنا۔ لفظ "قریہ" سے بحث شروع ہوئی۔ حنفیہ نے کہا کہ حدیث بُخاری میں لفظ قریہ موجُود نہیں۔ بلکہ حدیث کا فقرہ فقط بجواثیٰ من البحرین ہے۔ حافظ نابینا نے کہا کہ فربری کے نسخہ میں موجود ہے۔ اَور نیز یہ کہ مشکوٰۃ شریف میں فلاں حدیث کو مؤلف نے لا کر حوالہ دیا ہے کہ رواہ البخاری حالانکہ بخاری میں بعینہٖ وُہ الفاظ موجُود نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں کسی لفظ کی کمی بیشی سے رواہ الفلاں کہا جا سکتا ہے۔ اِس اثنا میں ڈپٹی صاحب نے بھی اس کی تائید میں کہا کہ فلاں حدیث کی ایک روایت میں لفظ امرَاَۃٌ واقع ہوا ہے اَور دُوسری روایت میں امرأتہٗ۔ باوجود اختلاف لفظ کے جامع نے حوالہ بتخریج کر دیا۔ چونکہ حافظ نابینا نے استشہاداً مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیا تھا۔ اِس لیے مولوی غلام دستگیر صاحب اَوراق اُلٹ پلٹ اَور حدیث کی تخریج میں مصرُوف و مشغول ہو گئے۔ لیکن کافی تلاش کرنے پر بھی حدیث نہ ملی۔ نیز چونکہ نامبردہ سے قرأتِ حدیث میں بسبب لکنتِ زبان و رعبِ مجلس کے مضمُون بعینہٖ ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس لیے ایک شخص مسمّٰی بہ میاں فضل الٰہی سیٹھ نے کہ حافظ صاحب صدر بازار والے اس کی مسجد میں مقیم تھے۔ بطورِ تمسخر مجلس میں ہنسنا شروع کر دیا۔ میں نے درایۃً محسُوس کیا کہ معاملہ ہاتھ سے جاتا معلوم ہوتا ہے۔ اِس لیے میں نے ڈپٹی صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ محلِ بحث لفظ قریہ ہے۔ اَور جو حدیث اِس کی تائید میں لائی گئی ہے وُہ اس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حدیث مذکورہ میں خواہ لفظ امرَاَۃٌ کا ہو یا امرأتہٗ۔ جب خارج میں واقعہ ایک ہی ہے پس اس میں کچھ نقص اَور خرابی لازم نہیں آتی۔ بخلاف لفظ قریہ کے کہ معرکۃ الآرا و منشأ اختلاف فیما بین المجتہدین ہوا ہے۔ کیونکہ حدیث بُخاری میں اگر لفظ قریہ کا ثابت نہ ہو تو علماء احناف کا مقصد ثابت ہوتا ہے اَور ان کے مذہب کی تائید۔ اَور اگر لفظ قریہ ثابت ہو تو دُوسرے علماء کی مُراد ثابت ہوتی ہے۔ پس مخالف پر لازم ہے کہ نظیر میں ایسا لفظ پیش کرے کہ وُہ بھی معرکۃ الآراء اَور ائمۂ مجتہدین کے درمیان منشأ اختلاف ہو۔ واین ھذا من ذاک۔ میرے اِس سوال سے خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم و اَرواحِ طیّبہ برکت سے تمام حریف مقابل خاموش اَور لاجواب ہو گئے۔ ڈپٹی صاحب نے حافظ اعمیٰ پر زجر و توبیخ شروع کر دی کہ خبردار ایسے رسائے تالیف و شائع نہ کرنا۔

جب مجلس برخاست ہُوئی اَور ہم وہاں سے نِکلے تو مولوی غلام دستگیر صاحب نہایت شکریہ ادا کرنے لگے ۔اَور اثنائے راہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے لِیے تایئدِ غیبی بنا کر بھیج دیا ورنہ کام مشکل تھا ۔اَور صدر والے حافظ صاحِب بھی بہت خوش ہُوئے کیونکہ وُہ مسمیٰ فضل الٰہی سیٹھ کے ہاں ٹھیرے ہُوئے تھے ۔جو غیر مقلّد تھا ۔اس نے اپنے پاس چند کتابیں "صحاح ستّہ" وغیرہ کی تبرّکاً رکھی ہُوئی تھیں ۔اَور ہمیشہ حافظ صاحِب کے ساتھ مجادلہ کر کے اُنہیں تنگ کیا کرتا تھا اَور اُن سے شکست نہیں کھاتا تھا ۔چُونکہ مباحثہ مذکُورہ میں وُہ بھی حاضِر تھا ۔اَور وُہ اَور اُس کی ساری جماعت لاجواب ہوگئی تھی اِس لِیے حافظ صاحِب بہت خوش تھے ۔

بعدہٗ حضُورِ انورؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں سیال شریف کے سفر سے واپس ہو کر حسبِ عادت زیارتِ مذکُورہ میں ٹھیرا ہُوا تھا کہ حافظ عبد الہادی نابینا وہاں آیا ۔میں نے کہا کہ حافظ صاحِب جُمعہ فی القریٰ کے مسئلہ کے بارے میں آپ نے جو رسالہ تالیف کیا ہے وُہ میری نظر سے گزرا ہے ۔واقعی عدم شرائط کو آپ نے مدلّل ثابت کیا ہے ۔کہ یہ شرائط مثبتہ فقہا فی الواقع معتزلہ سے منقول ہیں ۔حافظ اعمیٰ اِس بات سے نہایت خوش ہُوا اَور کہنے لگا ۔میں نے بڑی محنت سے بہت سی کتابوں سے مسائل کو اِستخراج کیا ہے ۔مگر طرفہ یہ کہ مولوی محمُود شاہ واعظ نے رسالہ اپنے نام پر طبع کرا دیا ہے ۔

حضُورؒ فرماتے ہیں ۔"پھر میں نے کہا کہ حافظ صاحِب جمعہ کی فرضیّت کے دونوں قول کہ مکّہ معظّمہ میں ہُوئی یا مدینہ طیّبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام میں سے قولِ ذیل قوی تر ہے کہ فرضیّت مکّہ معظّمہ میں ہوئی اَور عمل درآمد مدینہ طیّبہ میں ظہُور پایا ۔چنانچہ امرِ مذکور آپ کے رسالہ میں بھی مشرّح ہے ۔" حافظ اعمیٰ نے تسلیم کیا ۔میں نے کہا "پس کیا وجہ تھی کہ باوجُود فرضیّتِ جمعہ کے مکّہ معظّمہ میں اِس پر عمل نہ ہُوا ۔" اُس نے کہا کہ کفّار کے خوف سے نہ پڑھا گیا ۔میں نے کہا "عجیب بات ہے کہ صلوٰۃِ خمسہ باجماعت ادا کرتے وقت تو خوف نہ تھا ۔مگر جمعہ کی نماز کے لِیے خوف تھا ۔پھر یہ کہ جب خلیفۂ ثانی مشرّف باسلام ہُوئے ۔اُس کے بعد علانیہ نماز پڑھی جاتی تھی اَور کوئی خوف نہ تھا ۔" نامبردہ نے کہا "اُس وقت تک نماز باجماعت نہ تھی ۔" میں نے کہا "آیۃ کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا الآیۃ مکّی ہے یا نہ ۔" نامبردہ متامّل ہُوا میں نے کہا "تامّل کی جگہ نہیں ۔آیۂ مذکورہ بالاتفاق مکّی ہے ۔اَور اِس کے شانِ نزول سے ظاہر ہے کہ اِسی بارے یعنی (جماعت) میں نازل ہوئی ۔پس معلوم ہُوا ۔کہ آیۂ جمعہ پر عدمِ عمل بلحاظِ خوفِ کفّار نہ تھا ۔بلکہ اِس جہت سے تھا کہ اس وقت تک مشرکین کے غلبہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سلطنت مکّہ معظّمہ میں قائم نہ تھی ۔اَور لفظ سُلطان کا اطلاق آنحضرتؐ پر مفقُود تھا ۔اِس سے ثابت ہُوا کہ شرائطِ وجُوبِ جُمعہ آیۂ جُمعہ سے ہی ماخُوذ ہیں اَور وجُوبِ جُمعہ مطلقاً لازم نہیں ۔چنانچہ امرِ مذکُور پر مجتہدین نے تصریح کی ہے ۔" نامبردہ لاجواب ہو کر رہ گیا ۔

پھر آپ نے فرمایا کہ نامبردہ کے مجلس میں آنے پر بلحاظِ علمی حفظ ما وجب کیا جاتا تھا ۔وُہ مجلسوں میں کہا کرتا تھا کہ تم لوگ تو مجھے ایسا ویسا کہتے ہو مگر فلاں (حضرت پیر صاحب) میری اِس قدر تعظیم وتکریم فرماتے ہیں ۔اَور نیز سُنا گیا کہ نامبردہ اِس امر کا مدّعی ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ایک دِن مجلس میں آیا تو میں نے طنزاً کہا کہ اِس زمانہ میں اکثر لوگ مفسّر ومحدّث بن بیٹھے ہیں ۔حالانکہ جُملۂ الحمد للہ کا معنیٰ بھی نہیں جانتے ۔بلکہ صرف اَلْ کا ترجمہ بھی نہیں کر سکتے ۔حافظ اعمیٰ جان گیا کہ میری طرف اشارہ ہے ۔فوراً کہنے لگا کہ میں بھی مدّت سے شائق ہُوں مگر ایسا قابل وکامل اُستاد نہیں مِلا جو مجھے اِس کا معنیٰ سمجھا سکے ۔اُس کے بعد اُس نے مجلس میں آنا ہی چھوڑ دیا ۔مترجم کہتا ہے کہ اگر کسی کو جمعہ فی القریٰ کے مسئلہ کی مزید تحقیق منظُور ہو تو حضرت قبلۂ عالمؒ کے فتاویٰ مہریہ میں ملاحظہ کرے ۔

ملفُوظ ۔ ۱۷

۲ ذِوالقعدہ ۱۳۳۳ھ حضُورِ انورؒ دربارِ شریف میں تشریف فرما تھے فصُوص کے طلبا ء وسامعین حاضِر ہُوئے ۔فرمایا "فریقین وجُودیہ و

شہُودیہ کی کتابوں میں بڑا اختلاف ہے میری خواہش ہے کہ اِس کا خلاصہ نکال کر لکھا جائے لیکن فُرصت نہیں"۔ بعدہٗ چند کتابیں نکال کر امُورِ ذیل کی تحقیق فرمائی"۔ ایک[1] یہ کہ اکابرِ شہُودیہ مثل حضرت مجدّد صاحبؒ و مرزا جانِ جاناں صاحبؒ اور مولوی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت الشیخؒ اِس لیے وحدتِ وجُود کے قائل ہُوئے ہیں کہ اُن کے نزدیک اعیان ثابتہ صُورِ علمیّہ سے عبارت ہیں اور علم عینِ ذات ہے۔ فی الواقع ایسا نہیں۔ بلکہ یہ حضرت شیخؒ پر الزام مالایلزم ہے۔ کیونکہ بناء وحدت الوجُود کی عند الشیخؒ امرِ مذکور پر مرتّب نہیں ہے بلکہ تنزّل پر مرتب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ علم کے تین معنی ہیں۔ ایک[1] مصدری بمعنی دانستن اور یہ معنی عند الفریقین مُراد نہیں ہے۔ دوم[2] بمعنی حاضر عند المدرک یا حصُول صُورت الشیٔ فی العقل۔ سوم[3] بمعنی منشاء انکشاف۔ حضرت الشیخؒ نے اِسی تیسرے معنی کے ساتھ عینِ ذات کہا ہے نہ دُوسرے معنے کے ساتھ کہ عبارت ہے صورِ علمیہ سے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ العلم لیس تصور العالم اور منشاء انکشاف عند الشیخؒ ذات حق سُبحانہ وتعالیٰ ہے اور بس۔ نہ صورِ علمیہ۔ البتہ صورتِ علمی ممکن میں تو منشاء انکشاف ہو سکتی ہے واجب میں نہیں۔ ہاں اگر حضرت الشیخؒ صُورِ علمیہ کے منشاء انکشاف کے قائل ہوتے تو ترتّب امرِ مذکور کا قول ہی جائز ہوتا ولیس کذالك"

"دُوسرا[2] امر یہ کہ حضرت مجدّد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ شہُودِ حق سُبحانہ وتعالیٰ کما حقہٗ باوجُود لیس کمثلہ شیٔ ممکن اور جائز ہے۔ کیونکہ تکالیفِ شاقہ اُٹھانے کا مقصد یہی ہے۔ اور حضرت ا[illegible] ہے حق سُبحانہٗ تعالیٰ بحیثیت متجلّی لہٗ متجلّی ہوتا ہے یعنی دیکھنے والا بوقتِ رؤیت اپنی اِستعدا[illegible] کے موافق اپنی صُورت کو آئینۂ حق میں مشاہدہ کرتا ہے نہ ذاتِ حق سُبحانہ وتعالیٰ کو۔ ہاں دُوسری صُورت میں کہ رؤیۃ الحق بالحق ہو ممکن ہوسکتا ہے نہ رؤیت العبد بالحق"۔

حضُورؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال اور وجدان میں حق بجانب حضرت الشیخؒ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی حدیث تحول فی الصّوَر سے ظاہر ہے کہ قیامت میں حق سُبحانہ وتعالیٰ کا شہُود صُورتِ معتقدہ میں ہوگا۔ اور متجلّی لہٗ کے اعتقاد کو دخل ہوگا۔ دُنیا میں بھی اِسی طرح سے ہے۔ چنانچہ مُوسیٰ علیہ السّلام کو حسبِ حیثیّتِ خُود ناری صُورت میں تجلّی ہُوئی۔ دُوسروں کو اور صُورت میں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اِسی مذکور کا مؤیّد ہے سیّد الطائفہ حضرت جنید صاحبؒ کا مقولہ ذیل کسی سائل کے جواب میں کہ مالمعرفۃ۔ معرفت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "لون الماءِ لون انائہٖ۔ پانی کا رنگ برتن کے رنگ جیسا ہوتا ہے یعنی حصُولِ معرفتِ الٰہی بمقدارِ ظرفِ عارف ہے اور بس۔ پس بناءً علیہ کلامِ ذیل (کہ ایں چہ مے بینی۔ گفت ماہ را در طشت مے بینم۔ سائل گفت اگر بر قفا دنبل نداری بطرفِ آسمان چرا نمی بینی) کا مطلب یہ ہے کہ تعیّنات کو چھوڑ کر لاتعیّن کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتا۔"

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ بعض اہلِ علم کی زبان سے میں نے سُنا ہے کہ کلام مذکُورہ میں سائل حضرت شمس تبریزیؒ تھے اور جواب دینے والے شیخ صدر الدین قونویؒ۔ اور منشاء سوال یہ تھا کہ مؤخّر الذّکر ایک خُوبرو امرد کو سامنے بٹھا کر اس کے صحیفۂ رُخسار پر جمالِ الٰہی کا مطالعہ ومشاہدہ کر رہے تھے۔

مترجم کہتا ہے کہ نفحات الانس میں مولانا جامیؒ نے یہ واقعہ شیخ اوحد الدینؒ کرمانی کے حالات میں لکھا ہے۔ جس میں سائل حضرت شیخ شمس تبریزیؒ تھے اور جواب دینے والے شیخ اوحد الدینؒ کرمانی۔ لہٰذا شیخ صدر الدین قونویؒ کا اِسمِ گرامی لینے میں بعض اہلِ علم سے تسامح ہوا ہے۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ ایک دفعہ جناب صاحبزادہ محمُود صاحب تونسویؒ نے حسبِ عادت اپنے عنایت نامہ میں حافظ علیہ الرحمۃ کی ایک غزل بطور تحفہ وہدیہ اور عرضِ حال تحریر کی۔ اور اس کے آخر میں فقرات ثلثہ ذیل (پسند ہو۔ یا نہ ہو۔ پسند ہو) لکھے۔ حضُورؒ نے اس کے جواب میں حقائق ومعارف سے بھرپُور نامۂ ذیل تحریر فرما کر ارسال فرمایا۔ چونکہ وُہ مکتُوب شریف مناسب مقام وسیاق

معلوم ہوتا ہے۔ اِس واسطے ناظرین کے اِستفادہ و اِستفاضہ کے لیے بعینہٖ تبرکاً و تیمناً نقل کیا جاتا ہے۔

مکرمی و معظمی دامت عنایاتکم و حفظکم اللہ تعالیٰ

بروز جمعہ

تسلیم و نیاز۔ ہردو عنایت نامہ کا شکریہ۔

مرسل الیہ ہیچمدان کا شکریہ یا پسندیدگی متعلق عنایت مُرسل یا نزاہت مرسل چونکہ متجاوز از حدِ استعدادِ خود نہ ہوگا۔ لہٰذا بغیر ماشکرتُ حق شکرک۔ ولا احصی ثناءً علی کلام من ہو البازی الاشہب علی اوج عالم القدس۔ کچھ عرض نہیں کرسکتا۔

فقرات ثلثہ مندرجہ عنایت نامہ ثالثہ (پسند ہو۔ یا نہ ہو۔ پسند ہو) کے محامل مُطابق معرُوض الصدر حسب ذیل ہیں: پسند ہو ای علی قدر الاستعداد۔ یا نہ ہو کما فی الواقع و یلیق بشان الحافظ قدس سرہٗ۔ پھر یہ اِرشاد کہ پسند ہو۔ بغیر از عنوان ماشکرت ولا احصی ثناءً تعمیلش کہ صُورت نہ بندد۔ سچ ہے ماراٰی الحق من راٰی الحق الاستعدادہ نعم راٰی الحق بالحق من راٰی الحق فالرائی والمرئی والرویۃ من عین واحدۃ لفظ مَنْ در جُملہ ثانیہ را مصداقے ہرکس نمے تواند بود۔ الا الاکمل من الکُمّل اعنی حضرتِ اعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؎

ہر گدائے مرد سُلطاں کے شود
مورچہ مسکیں سلیماں کے شود

سُبحان اللہ الحق من الحق للحق اعنی "اساں کو عشق تو ہے تساندی خبر تساں کو ہوسی" کیوں نہ ہو ؎

نشانِ آدم و حوا کجا بُود ۔۔۔ کہ عشقِ بے نشاں در جانِ ما بُود

حق حق حق۔ زیادہ نیاز۔ سب کو ماوجب۔ ۱۲

کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ جملہ (اساں کو عشق تو ہے الخ) میں اشارہ حضورِ اعلیٰ تونسویؒ کے اُس کلام مبارک کی طرف ہے جو آپ نے پاک پتن شریف میں شیخ غلام محی الدین قصُوری کے ساتھ دَورانِ مباحثہ فرمایا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

تیسرا امر یہ کہ مجدد صاحبؒ نے کہا ہے۔ ہمارے شہُود کا درجہ اہلِ وجُود کے درجہ سے فائق ہے۔ کیونکہ لاموجُود اِلا اللہ بمنزلہ علم الیقین ہے۔ ولامشہُود اِلا اللہ بدرجہ حق الیقین۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ مبتدی کے لیے تو دونوں تعلیمیں برابر ہیں۔ کیونکہ وُہ محض اپنے شیخ کی تقلید میں لاموجُود اِلا اللہ یا لامشہُود اِلا اللہ کہتا ہے اَور بس۔ اَور منتہی کے لیے لاموجُود اِلا اللہ بھی بمرتبہ حق الیقین ہے نہ علم الیقین۔ کیونکہ وُہ شہُود سے کہتا ہے۔

چوتھا امر یہ کہ عند الشیخؒ عالم من کل الوجُوہ عین نہیں۔ چنانچہ اِس امر پر مواضع کثیرہ میں تشریح و تصریح فرمائی ہے۔ بلکہ عالم کا تعلق حق سبحانہٗ و تعالےٰ کے ساتھ ایسا ہے جیسے آئینہ میں نظر آنے والی صُورت کا تعلق ہے۔ چنانچہ اِس صُورت کو نہ عین کہا جاسکتا ہے نہ غیر۔ یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ پس بعض متاخرین کی کلام میں جو عینیتِ محضہ مفہُوم ہوتی ہے۔ مثلاً جامیؒ صاحب کی رُباعی ذیل میں ؎

ہمسایہ و ہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست ۔۔۔ در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خانہ جمع ۔۔۔ باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(ہمسایہ اَور ہم نشین اَور ھمراہ وُہی ہے۔ گدڑی میں فقیر اَور ریشم میں بادشاہ وُہی ہے۔ کثرت کی مجلس اَور وحدت و جمع کے خلوت خانہ میں خُدا کی قسم وُہی ہے اَور کوئی نہیں)

وُہ مجاز اَور تسامح پر محمُول ہوگی۔ کیونکہ حفظِ مراتب عند القوم نہایت ضروری امر ہے۔ چنانچہ کہا ہے ؎

ہر مرتبہ از وجُود حکمے دارد ۔۔۔ گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی

یعنی وجُود کے ہر مرتبہ کا حکم علیٰحدہ ہے۔ اِس لیے حفظِ مراتب کا لحاظ نہ کرنا بے دینی ہے۔

ملفوظ ۔ ۱۸

۲ ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ کو آپ دربار میں رونق افروز ہُوئے تو طلباء اَور سامعین فصُوص کے سبق کے لیے حاضر تھے۔ حضورؒ نے فرمایا کہ حضرت الشیخؒ نے "فتُوحات" کے شروع میں تین قسم کا عقیدہ توحید میں بیان فرمایا ہے۔ ایک[1] عام عقیدہ جس سے عوام مکلف ہیں دُوم[2] خاص عقیدہ یعنی اَو سُبحانہ وتعالیٰ نہ من کل الوجُوہ عین ہے نہ غیر۔ سوم[3] عقیدہ اَخص الخواص حضرت الشیخؒ فرماتے ہیں کہ ہم اِس عقیدہ کو علیٰحدہ باب میں ذکر نہیں کرتے بلکہ اسے مختلف مقامات میں بیان کیا جائے گا۔ جو شخص کہ اہل ہو گا وُہ خود وجدان کر لے گا۔

حضورؒ نے فرمایا کہ میں نے اِس مقام کو "فتُوحات" میں نشان کر دیا ہے۔ اَور حضورؒ نے وُہ مقام نکال کر دکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایسے اشخاص کو میں نے اِس زمانہ میں بھی دیکھا ہے جن کا یہی عقیدہ تھا لیکن بہ سبب لاعلمی اَور خوف کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ایک ایسے شخص نے خلوت میں میرے پاس آکر اِس مقام کی اِس طرح تعبیر کی کہ حق عالم میں ہے یا عالم حق میں معلوم ہوُا کہ اللہ تعالےٰ نے یہ مقام اس پر کھولا تو ہے لیکن بے علمی کے [illegible] مقام کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔ ایک اَور شخص کا حال میں نے بڑے پیر صاحب کی زبانِ مُبارک سے سُنا ہے کہ وُہ اسے اِس طرح تعبیر کرتا تھا۔ کہ او چہ قدر بے آرام است۔ (وُہ کِتنا بے آرام ہے) بڑے پیر صاحب فرماتے تھے کہ وُہ شخص کچھ علم رکھتا تھا۔ اَور چُونکہ اس کے لیے تجلّی کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ واقع ہوتی تھی۔ اِس لیے وُہ اِن الفاظ سے تعبیر کرتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی عقیدہ مذکورہ کے بارہ میں بطور اذا خلی ونفسہ کئی بار خیال کیا۔ ذوق اس کا ہرگز انکار نہیں کرتا۔ بلکہ ہر چند خیال کو منقطع کیا جائے ذوق اسی طرف لے جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ رُوحِ الٰہی یا فیضِ الٰہی عند الصوفیہ عبارت نفسِ رحمانی سے ہے اَور سلسلۂ اعیانِ ثابتہ غیر متناہی ہے اَور خارجیہ کا متناہی۔ کیونکہ جو چیز وجُود میں آگئی وُہ متناہی اَور منقطع ہو گئی۔ بخلاف اعیانِ ثابتہ کے کہ اب تک ان کا سلسلہ باقی اَور جاری ہے۔ وُہ جو کہتے ہیں کہ خزانۂ الٰہی تمام نہیں ہوتا۔ مُراد خزانہ سے یہی اعیانِ ثابتہ ہیں۔ اَور فیضِ مطلق ہیولانی الوصف ہے مثل موم کے کہ ہر صُورت کے قابل ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت الشیخؒ نے "فتُوحات" میں ایک مقام پر فرمایا ہے کہ انسانی مرتبہ بلند ہے۔ اَور دُوسری جگہ فرمایا کہ مَلکی درجہ اُونچا ہے۔ پہلا باعتبار جامعیت کے کہا گیا۔ اَور دُوسرا بلحاظ تقدّس کے۔ نیز فرمایا کہ حضرت الشیخؒ دہری اَور فلسفی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

زعم المنجم والطبیب کلاهما — لا تبعث الاجسام قلت الیکما

ان صح قولکما فلست بخاسر — وان صح قولی فالخسار علیکما

(نجُومی اَور فلسفی ہر دو کا خیال ہے کہ حشر جسمانی نہیں ہو گا۔ میں کہتا ہُوں چلو بالفرض حشر نشر کے بارہ میں تمہارا قول حق نکلا تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں بلکہ خلاص ہُوئے۔ اَور اگر ہمارا قول برحق ہے پس تم کو وہاں خسران ہو گا نہ خلاصی)

پھر فرمایا کہ "فتُوحات" کے ۵۶۰ باب ہیں۔ اَور حضرت الشیخؒ نہایت متبع سُنّت تھے۔ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک وُہ شخص مومن ہو گا کہ باوجُود اپنے معائنہ وشہُود کے تجربہ کے بھی رسُول اللہؐ کے امر پر زیادہ یقین رکھ کر عمل کرے پس جائے غور ہے کہ ایسے شخص کا کلام کیسے خلافِ شرع ہو سکتا ہے۔ پھر سبق کے آخر میں فرمایا کہ جب تک اِنسان خود ہی طالبِ علم اَور خود ہی اُستاد نہ بنے کام نہیں ہوتا مولوی صاحب میردی نے عرض کیا "حضور کی مہربانی چاہیئے" آپ نے فرمایا "تمہارا خیال تو یہی ہے کہ "ڈ [illegible] پرایا پتراجے دھمکار سُنیوے" یعنے خُود تو آرام سے بیٹھ کر سُنتے ہو اَور سر ہمارا دُکھتا ہے۔"

ملفوظ ۔ ۱۹

ایک دن دربار میں ابنِ فارض مکّیؒ کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ وُہ حضرت الشیخؒ کے تلامیذ اور مستفیضوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے "قصیدہ تائیہ" نہایت عجیب لکھ ہے۔ اور اس میں نہایت بلند پروازی کی ہے۔ اگر کوئی بہت جدوجہد کرے تو بھی اس قسم کے مُحسنات بلاغت وغیرہ نہیں لا سکتا۔ گویا ان حضرات کا کلام خُدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے ترجمان ہوتے ہیں وُہ سارا دن مکّہ معظّمہ کے پہاڑوں مثلِ جبلِ نُور و ابی القبیس کے اندر رہتے تھے۔ صرف صلوٰۃ خمسہ کے لیے کعبہ شریف میں آتے تھے۔ دس دس بلکہ پندرہ پندرہ روز طعام نہ کھاتے تھے۔ جب عالمِ سکر سے صحو میں آتے تو اشعار اُن کی زبان سے جاری ہو جاتے تھے۔ گویا ملائکِ مہیمیہ کا ظلّ تھے۔ وُہ ملائکہ بھی جلال میں اس طرح مستغرق و منہمک ہیں کہ عالم وغیرہ کی خبر نہیں رکھتے۔ ان کی حالت بھی ویسی ہی تھی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت شیخ الشیُوخ سُہروردیؒ کو سفرِ حج کا اتفاق ہُوا۔ ان کے ہمراہ بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ آدمی تھے۔ جن میں اکثر عُلماء و فضلا تھے۔ ایک دن اپنے متعلّقین کے ہمراہ حرمِ محترم کا طواف کر رہے تھے۔ ان کے دل میں خطرہ گزرا کہ الٰہی تُو نے اتنی مخلوق میرے پیچھے کر دی۔ واللہ اعلم میں تیری بارگاہ کے مقربین سے ہُوں یا مطرودین (راندگان) سے۔ ان کے پیچھے ابن فارض مکّیؒ تھے۔ فرمایا۔ انتَ من المقربین یا سهروردی واخلع ما علیك[1]۔ حضرت شیخ الشیُوخؒ نے جان لیا کہ نہایت بلند مرتبہ مرد ہے کہ جس نے میرے خطرہ پر اطلاع پائی۔ طواف کے بعد اُن سے ملاقات ہُوئی۔ بعدہٗ حضُورؒ نے فرمایا کہ واخلع ما علیك کا مطلب یہ ہے کہ جب صُوفی کو قوّال کے سخن سے وجد ہوتا ہے تو گویا اپنا سر اس حال پر قربان کرتا ہے لیکن چُونکہ سر نہیں دیا جا سکتا اس لیے اپنا ما علیہ از قسمِ متاع وغیرہ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ نیاز احمد صاحبؒ بریلوی نے اخص الخواص کے عقیدہ سے اشعار ذیل میں اس طرح خبر دی ہے ؎

از خلق جُدا ہستی و ہم در ہمہ ہائی ۔۔۔ وز جُملہ مبرّائی و در جُملہ درآئی

بے نام و نشاں بُودی و گنجینۂ مخفی ۔۔۔ از بہرِ شناسائی خود صُورتِ مائی

بر وحدتِ ذات است عرض کثرتِ شانے ۔۔۔ یک شانِ تو خلق است و دگر شانِ خُدائی

اور غزل کے آخر میں ۔۔۔

ہم مرشدِ کُل گشتہ بشکلِ شہِ جیلاںؓ ۔۔۔ بر رُوئے نیاز آئی و ارشاد نمائی

(یعنی تُو خلق سے جُدا بھی ہے اور سب میں مشہُود بھی۔ سب سے مبرّا بھی ہے اور سب میں موجُود بھی۔ تُو ایک مخفی خزانہ اور بے نام و نشان تھا۔ اپنی شناسائی کے لیے ہماری صُورت میں ظہُور فرمایا۔ تیری وحدتِ ذات پر کثرتِ تعیّنات بطورِ عرض ہیں۔ خُدائی اور خلق دونو تیری شانیں ہیں اور تُو ہی سب کا رہنما ہو کر حضور شاہِ جیلاںؓ کی شکل میں نیاز کے سامنے آکر ارشاد فرماتا ہے)

پھر فرمایا کہ اسیری نے بھی ایسا ہی کہا ہے ؎

من ذاتِ بحت مطلقم ہم وصف و ہم اسماستم ۔۔۔ ہم بحر و موج و قطرۂ ہم لا و ہم الّا ستم

اوّل منم آخر منم ظاہر منم باطن منم

---

[1] اَے سُہروردیؒ تُو مقربین سے ہے۔ جو کچھ اپنے اُوپر رکھتا ہے اُتار دے۔

مترجم کہتا ہے کہ حضرت اسیری کے اشعار کا مطلب بھی یہی ہے کہ ذاتِ واحد ہی سب کثرت کا منشاء ہے۔ اور وُہی اوّل و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔

ملفُوظ ۔ ۲۰

ایک دن آپ بعد نمازِ عصر مسجد میں رونق افروز تھے۔ میاں عبداللہ درویش سے پُوچھا کہ کل کہاں گئے تھے۔ اس نے عرض کیا راولپنڈی گیا تھا۔ وہاں معلوم ہوا کہ فقیر صاحب موہڑہ شریف نے جو درخواست وائسرائے بہادر کی خدمت میں گزاری تھی وُہ نامنظور ہوگئی۔ فقیر صاحب سخت پشیمان ہیں۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں بادشاہ جب فقراء کے پاس آیا کرتے تھے تو وُہ اُن کا سلام بھی قبُول نہ کرتے تھے۔ اور موجُودہ زمانہ میں فقراء خود ملاقات کے لیے درخواستیں دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ

آپ نے فرمایا کہ تم اِس بات کو راولپنڈی وغیرہ میں ظاہر مت کرنا۔ اگر کوئی اور کہتا ہے تو وُہ جانے اور اس کا کام۔ سب مُسلمان اصل میں ایک ہیں۔ کیونکہ وُہ عبارت ہیں اعدام یا اسماء الٰہیہ سے پس اُن کی عزّت پر خوشی چاہیئے اور اُن کی پشیمانی پر غم۔

بعدہٗ فرمایا کہ میاں میرؒ صاحب لاہوری دہلی سے ایک مُسلمان بادشاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ ان کے قرب و جوار سے اتفاقاً یا قصداً بادشاہ کا گذر ہوا۔ اُس نے اِرادہ کیا کہ حضرتؒ کی زیارت سے مشرّف ہونا چاہیئے۔ کِسی آدمی نے اِس غرض سے کہ چُونکہ مسلمان بادشاہ ہے۔ اِس کا آداب بجالانا ضروری ہے حضرت میاں میر صاحبؒ کو بادشاہ کے اِرادہ سے اِطّلاع دی۔ آپ اُس وقت جس حالت میں تھے اُسی حالت پر ثابت رہے اور بادشاہ کے اِستقبال وغیرہ کے لیے نہ اُٹھے۔ بادشاہ نے حاضر ہوکر مصافحہ کے لیے ہاتھ دیا۔ اُنہوں نے بھی اپنا ایک ہاتھ آگے کیا اور اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اُن کے اس رویّہ سے بادشاہ کی طبیعت میں کدُورت پیدا ہوئی۔ کہنے لگا "کب سے ایسے ہُوئے"۔ فرمایا "جب سے ہاتھ سمیٹے"۔ بادشاہ خاموش ہوگیا۔

آپ نے فرمایا کہ اِس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب سے طمع کا ہاتھ قطع کیا ہے بس یہی حال ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک اَور درویش اپنے مکان کے دروازے بند کرکے چھت پر بیٹھا تھا۔ اور شاعری مذاق رکھتا تھا۔ ایک معزز شخص اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ جب دیکھا کہ دروازے بند ہیں۔ وُہ بھی شاعر تھا۔ سامنے کھڑے ہوکر بآوازِ بلند کہنے لگا۔

ع درِ درویش را درباں نباید

(درویش کے دروازہ پر دربان نہیں ہونا چاہیئے) درویش نے بالاخانہ سے فی البدیہہ کہا۔

ع بباید تا سگِ دُنیا نیاید

(ہونا چاہیئے تاکہ دُنیا کا کُتّا نہ آسکے) کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ شاید حضُور کا منشاء ان ہر دو حکایات بیان کرنے سے یہ تھا کہ بتایا جائے کہ فقراء سلف کیسے ہُوا کرتے تھے۔

ملفُوظ ۔ ۲۱

ایک دِن مسجد میں نمازِ عصر کے بعد ایک معمّر سیاہ فام شخص نے عرض کیا کہ میں ایک عورت پر عاشق ہُوں۔ اور دُور دراز کی مسافت طے کرکے حضُور کا نام سُن کر حاضر ہُوا ہُوں۔ اور وُہ عورت حضُور سے مانگتا ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ تُو مردِ فقیر ہے اللہ اللہ کر۔ اس عُمر میں عورت کو کیا کرے گا۔ عرض کیا میں فقیری وغیرہ نہیں مانگتا بس عورت مانگتا ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ اِس وقت

جا کر آرام کرو۔ پھر دیکھا جائے گا۔ دُوسرے روز نمازِ عصر کے بعد عرض کیا کہ حضورُ اِس طرف آتے وقت تو آپ کی محبّت کے خیال میں یہاں تک آپہنچا۔ اب واپس کِس طرح پہنچوں گا۔ کیونکہ مسافت دُور دراز کی ہے۔ حضورؒ نے فرمایا۔" اب اُس عورت کی محبّت کھینچ کر پہنچا دے گی"۔ بعدہٗ نامبردہ نے چند پہلے عشّاق کو پنجابی نظم میں شمار کیا۔ کہ پہلا عاشق مجنُوں[1] تھا۔ دُوسرا[2] فرہاد۔ تیسرا رانجھا[3]۔ چوتھا پنُوں[4] وغیرہ وغیرہ تاآں کہ سلسلہ تعداد کا نوتک پہنچایا۔ حضورؒ نے فرمایا کہ اب تو دُسواں ہو گیا۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ یہ دس پُورے ہُوئے۔ گویا تو اُن کے لیے ایک مظہرِ اتم ہو گیا۔ اَور نیز فرمایا کہ مردِ ناقص جمال پر خوش ہوتا ہے اَور جلال پر نخفا۔ لیکن عاشقِ صُوفی کی نظر میں دونو برابر ہیں۔ چُنانچہ کہتے ہیں کہ ایک دِن لیلیٰ خیرات تقسیم کر رہی تھی۔ فقرا لینے کے لیے جا رہے تھے۔ مجنوں نے اُن سے پُوچھا کہاں جاتے ہو۔ اُنہوں نے کہا لیلیٰ سے خیرات لینے۔ مجنوں نے اپنا کاسہ دیا اَور کہا کہ میرا حصّہ بھی لانا۔ ان میں سے ایک فقیر جب لیلیٰ کے پاس پہنچا۔ اُس نے اپنا حصّہ لے کر دُوسرا کاسہ پیش کیا۔ لیلیٰ نے پُوچھا۔ یہ دُوسرا کاسہ کِس کا ہے۔ فقیر نے کہا ایک شخص مجنوں نام راہ میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ میرا حصّہ بھی لانا۔ لیلیٰ نے وُہ کاسہ لے کر توڑ دیا۔ فقیر نے مجنوں کو جا کر حال سنایا۔ مجنوں نہایت خوش ہو کر رقص کرنے لگا۔ اَور کہا کہ میرے ساتھ کچھ تعلّق خصُوصی ہے۔ تبھی میرا ہی کاسہ توڑا اَور کسی کا نہیں۔ اُس وقت ایک شخص مولوی وضع نے جانے کی اجازت مانگی۔ فرمایا کہ میری ایک بات غور سے سُننا اَور یاد رکھنا۔ کہ نہایت مفید اَور گہری ہے۔ وُہ یہ ہے کہ صاحبِ قسمت اِس راہ میں سُست و ناتوان نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ کمرِ ہمّت باندھ کر اپنے کام کے درپے رہتا ہے۔ آخر مقصد کو جا لیتا ہے۔ اَور اگر کچھ تاخیر واقع ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ شاید میری اپنی کوشش میں کچھ نقص واقع ہُوا ہے۔ صاحبِ اِرشاد نے خطا نہیں کی۔ بے نصیب کو وسواس و خطرات کے لشکر مانع ہو کر ناتواں کر دیتے ہیں۔ اَور وُہ خیرِ کثیر سے محرُوم رہتا ہے۔

ملفُوظ ۔ ۲۲

ایک دِن آپ دربار میں رونق افروز تھے۔ اِس اثنا میں میاں غلام محمد نذر بردار حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا" سُنا ہے کہ آج لکّو حجّام فوت ہو گیا ہے"۔ میاں غلام محمد نے جواب دیا" جی ہاں"۔ حضورؒ نے کلمۂ استرجاع پڑھ کر فرمایا" نہایت اچھا آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے۔ یہاں کے سب درویشوں کی خدمت کرتا تھا۔ اس کے بڑے پیر صاحبؒ نے وصیّت فرمائی تھی کہ برخوردار جو شخص سامنے آوے اُس کی خدمت کرنا"۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ وُہ جمعہ کا روز تھا۔ نماز جمعہ کے بعد ابھی آپ اَوراد و وظائف میں مشغُول تھے کہ لکّو حجّام کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ ایک شخص نے حضورؒ کی خدمت میں اِطلاع دی کہ جنازہ تیار ہے۔ حضورؒ عین شغل میں سے اُٹھ کر تشریف لائے اَور جنازہ میں شامل ہُوئے۔ بعد ادائے نماز جنازہ تین بار دُعا فرمائی۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے سُبحان اللہ عجیب آشنا پرستی بلکہ خادم پرستی و غریب نوازی دیکھی گئی ؂

ہِندُو ہیں بُت پرست و مُسلماں خُدا پرست ہم ہیں غلام اُن کے جو ہیں آشنا پرست

قبلہ بابُوجی مدظلّہ فرماتے ہیں کہ یہ شعر آپ عموماً پڑھا کرتے تھے۔ (مترجم)

ملفُوظ ۔ ۲۳

ایک دِن آپ دربار میں تشریف فرما تھے۔ دَورانِ گفتگو تاخیرِ صلوٰۃ کا تذکرہ ہُوا۔ آپ نے پیر ولایت شاہ صاحب نوشہری کو فرمایا کہ عرصہ ہُوا اکھڈ شریف میں حضراتِ چشتیہ و نقشبندیہ کے درمیان اَوقاتِ نماز خصُوصاً نماز مغرب کے بارہ میں اِختلاف واقع ہُوا

تھا نقشبندیہ نے کہا جو حکم گولڑہ شریف سے آئے گا ہمیں قبول ہوگا۔ لہٰذا تحقیق مسئلہ مذکورہ اور تصدیق کے لیے مسمّی مولوی عبدالنبی ہزاروی نے یہاں آکر استفتاء پیش کیا۔ میں نے دیکھا تو اس پر علاقہ جنوبی کے بہت سے علماء اور مولوی صاحب کے شیخ اور اُستاد کی مُہریں ثبت تھیں لیکن چونکہ قولِ ذیل مردُودہ کو معمول بہ کہا گیا تھا۔ (مغرب اُس وقت ادا کی جائے جب شفق نصف آسمان کو پہنچے) اس لیے میں نے اُس کی تصدیق کرنے سے معذُوری ظاہر کی اور مولوی صاحب کو کہا کہ تم خود عالم ہو اور کتابیں موجود ہیں تحقیق کر لو۔ اس نے کہا کہ تفسیر کبیر ہو تو دیکھی جائے تفسیر کبیر دی گئی مطالعہ کے بعد ایک جگہ نکال کر لایا کہ یہاں سے ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے۔ کہا گیا کہ عبارت پڑھو۔ اس نے عبارت شروع کی۔ عبارت میں ھُوَ کی ضمیر آئی۔ اُس نے کہا یہ ضمیر ھُوَ کی فلاں قول کی طرف راجع ہے۔ میں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ اس سے کتاب لے کر دیکھی گئی۔ تو ضمیر ھُوَ سے پہلے دو قول مذکور تھے۔ ایک یہ کہ نماز مغرب غروب کے بعد متصل پڑھی جائے۔ دُوسرا وُہ جو پہلے ذکر ہوا ہے۔ جب سیاقِ کلام کو دیکھا گیا تو مصنّف نے دُوسرے قول کو اوّلاً اقوالِ مردُودہ میں شامل کیا تھا۔ نامبردہ نے جب دیکھا حیران و خاموش ہوگیا۔ میں نے کہا۔ اطمینان سے تخلیہ میں جاکر مطالعہ کرو۔ امر واضح ہو جائے گا۔ غرضیکہ مطالعہ کرکے آیا اور تسلیم کر لیا اور کہنے لگا کہ اگر کسی اور کتاب سے بھی تائید ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ میں نے کہا بے شک اور کتاب بھی دیکھو "رُوح البیان" کو نکال کر دیکھا۔ اس میں بھی اسی طرح تھا۔ نہایت پشیمان ہوا۔ کیونکہ اپنے اُستاد اور شیخ کی تغلیط پر مطلع ہو گیا تھا۔ بعدہٗ اُس کو کہا گیا کہ اب تم ہی انصاف کرو۔ ایسے استفتاء پر میں کیسے دستخط کر سکتا ہوں۔ چونکہ وُہ عالم اور سمجھ دار تھا۔ کہنے لگا "نہیں۔ حق آپ ہی کی جانب ہے" پھر اجازت لے کر رُخصت ہوا۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا۔ کہ بعض امُورِ شرعیہ میں یہ تکاسل اور تساہل اور تاخیرِ صلوٰۃ وغیرہ کرنا اس زمانہ میں رواج ہو گیا ہے۔ ورنہ حضرت غریب نواز اجمیریؒ اوّل وقت میں نماز ادا فرماتے تھے۔ نیز آپ نے بعض ایسے اشتغال خاص طلُوعِ آفتاب سے پہلے فرمائے ہیں کہ انسان نماز کو اوّل وقت ہی میں ادا کرکے شروع کرے تبھی طلُوعِ آفتاب تک ختم ہو سکتے ہیں ورنہ مشکل خصُوصاً ہمارے طریقہ میں "اسبُوع شریف" طلُوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ جو لوگ نمازِ فجر سے عین طلُوع کے وقت فارغ ہوتے ہیں۔ اُن سے یہ کام مشکل ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب میں کلیر شریف سے واپسی پر دہلی آیا تو حسن نظامی صاحب نے تخلیہ میں چند وظائف پُوچھے۔ اور کہا کہ اب بعض نقشبندی حضرات خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے القاب حضرت مجدّد صاحبؒ پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میرا ارادہ ہے کہ اس پر کچھ لکھا جائے۔ میں نے کہا کہ ابھی تو آپ کو اپنے اشتغال و اوراد میں مصرُوف رہنا چاہیئے۔ جب کاسۂ صدر پُر ہوگا۔ خود بخود مترشح ہوگا۔ اثنائے سلوک اس قسم کے امُور طالب کے لیے مُضر اور سدِّ راہ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجُود اگر کوئی چیز تحریر کرنا ضرُوری سمجھیں تو مجھے پیشگی اطلاع دیں تاکہ دیکھی جا سکے۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ حضرت مجدّد صاحبؒ کو اجمیر شریف کی زیارت کا اتفاق ہوا تھا۔ اس درگاہ عالیہ کا جلال دیکھ کر نہایت نیاز ظاہر کیا۔ اور مجاورانِ درگاہ سے خرقہ بطور تبرک اُن کے ہاتھ آیا۔ وصیّت فرمائی کہ اس کو میرے کفن میں رکھنا۔ اُن کو تو اس قسم کا اخلاص و نیاز حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں تھا۔ اور اب یہ حال ہے جس کا ابھی ذکر کیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ آنجنابؒ کے اس ملفوظ گرامی کی روشنی میں آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر اوقاتِ نماز و افطارِ صوم وغیرہ کی رعایت باحسن وجہ کی جاتی ہے جس کی نظیر دیگر مقامات پر بہت کم نظر آتی ہے۔ والحمد للہ۔

ملفوظ۔ ۲۴

ایک دن آپ دربار شریف میں رونق افروز تھے اثنائے سبق فصُوص میں مراتب وحدت واحدیت و احدیت اور فرق حضرات

اسماء اَور بعض کا بعض میں اندراج و اندماج فرمایا۔ بعدہٗ اپنی زبانِ حقائق بیان سے اس طرح تقریر فرمائی۔ کہ تمام عالم حضراتِ اسما کا ظہور ہے یعنی ہر عینِ ثابت کے لیے ایک اسم ہے۔ جو اس عینِ ثابت کا ربّ ہے پس وُہ ربّ (اِسم) اُس عینِ ثابت کو بحکم ؎۱ مَّا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ مُوکشاں اپنے راہ پر چلاتا ہے۔ لہٰذا جو کوئی جس کام میں ہے مُستقیم چل رہا ہے دائیں بائیں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا ناصیہ (مُوئے پیشانی) اس کے ربّ (اِسم مربّی) کے قبضہ میں ہے۔ اَور ہر واقعہ کے ظہُور پذیر ہونے سے پہلے حضراتِ اسما میں تنازع اَور جلال ہوتا ہے پس جو اِسم غالب آئے اُس کا ظہُور خارج میں واقع ہوتا ہے۔ یہاں گولڑہ شریف دربار میں ایک سفید ریش شخص درخت کے نیچے بیٹھا رہا کرتا تھا اَور سر پر ٹوپی رکھتا تھا۔ وُہ مقامِ عما میں تھا یعنے واقعاتِ دُنیہ کو خارج میں واقع ہونے سے پہلے حضرات اسما میں مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ لیکن لغزش کھا کر دائرۂ اِسلام سے خارج ہو گیا تھا کیونکہ اس کی نظر ارادۂ الٰہیہ اَور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ پر نہ تھی۔ بلکہ کہتا تھا کہ اِس دُنیا کے آگے کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ ہے یہی ہے۔ مَیں نے اُس کو کہا "اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے اَور اس مقام سے باہر نکالے۔ تُو نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اَور ایسا نہیں جیسے تو کہتا ہے بلکہ مقصود بہت بلند ہے۔" ایک دِن وُہ شخص ہنستے ہُوئے میرے پاس آکر کہنے لگا۔ "دیکھ ہُن کے ہوندائے"۔ تھوڑی دیر بعد گولڑہ شہر میں قوم کمہار کے درمیان سخت جھگڑا فساد ہوا۔ چُونکہ اس نے حضرتِ اسما میں تنازعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ اِس لیے میرے پاس آکر واقعہ سے پہلے خبر دے دی۔ مَیں نے اس کو کہا "تمہیں اِس سے کیا فائدہ ہُوا تم اَور وُہ شخص جس نے یہ امر مشاہدہ نہیں کیا، یکساں ہو"، مگر وُہ اس مقام میں سخت بند تھا۔ ایک دِن میں باہر سے آ رہا تھا اَور وُہ باہر کو جا رہا تھا جب میرے قریب پہنچا۔ آہستہ سے کہا کہ "اَج تھوڑے نظر آندین"۔ مَیں نے جان لیا کہ اس نے اِشارہ اِس طرف کیا تھا۔ کہ آج تیری عبادت سے ملائکہ تھوڑے پیدا ہُوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے اُس دن اسماء جلالیہ کا وِرد کیا تھا۔ اَور چُونکہ ان اسما میں ایک قسم کا اجمال ہوتا ہے اِس لیے ان سے پیدا شدہ ملائکہ میں بھی اجمال ہوتا ہے جس کو اس نے کمی سے تعبیر کیا۔

پھر آپ نے فرمایا "یہاں ایک اَور شخص تھا جو اکثر پانی میں افیوُن ملا کر پیا کرتا تھا۔ یہ اس پہلے دَرویش سے درجہ میں فائق تھا اَور زیادہ بلند پرواز تھا۔ ایک دِن میرے پاس آکر کہنے لگا "اَج تخت سے لہہ کے تلے بیٹھے ہُوئے ہو" یعنی آج تخت سے نیچے بیٹھے ہو۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ [illegible] شاہ [illegible] احمد کہتے تھے کہ ایک دِن حضُور نے اِس جُملہ کی تفصیل یُوں بیان فرمائی کہ مَیں اُس دن اپنے اشغال ترک کر کے لوگوں کے ساتھ باتوں میں مشغول رہا۔ اس درویش نے اس امر کی طرف اِشارہ کیا۔

پھر فرمایا کہ یہاں ایک اَور شخص تھا جو لنگر کے برتن صاف کیا کرتا تھا۔ وُہ ان ہر دو سے فائق تھا اَور دونو سے زیادہ بلند پرواز تھا۔ اِس قسم کے اشخاص کو بہ نظرِ غور کوئی نہیں دیکھتا۔ ورنہ فی الواقع وُہ بڑے بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ فارسی شعر کسی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   تُو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

دُنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ   شاید اِس گرد و غُبار میں کوئی سوار ہو

بعدہٗ آپ نے سیّد صدیق شاہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا "شاہ صاحب علم یہ ہے جو ایسے لوگوں کے پاس ہے وُہ نہیں جو آپ لوگوں نے پڑھا ہے۔ اَور جب تک آدمی چار کتابیں نہ پڑھے یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ وُہ چار کتابیں یہ ہیں۔ ایک ؎ خود حضرتِ انسان۔

؎۱ کوئی بھی چلنے والی چیز نہیں مگر خُدا تعالیٰ اُس کے مُوئے پیشانی قبضہ میں رکھتا ہے بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ ۱۲۔ (ھُود - ۵۶)

دوسرا عالم تیسرا حضرت اسماء یعنے ہر اسم کا ارتباط اعیان ثابتہ وغیرہ سے چوتھے ذاتِ بحت جب انسان یہ چار کتابیں پڑھ لے پھر مولوی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ورنہ نہیں" بعدہٗ شعر ذیل فرمایا ؎

مولوی گشتی و آگاہ نیستی ۔۔۔ خود کجا و از کجا و کیستی

(یعنی تو مولوی ہو گیا مگر اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ تو خود کیا ہے کون ہے کہاں سے آیا ہے)

کسی اور نے کہا ہے ؎

اے عالمِ دانا کہ بدیں علم غروری ۔۔۔ نزدیک بمطلوب نہ بلکہ تو دوری

تا خانۂ دل را نہ کُنی مخزنِ توحید ۔۔۔ حق را نشناسی تو بدیں کنز و قدوری

(اے عالم دانا جو اس علم ظاہری پر غرّہ ہے تو مطلوب سے نزدیک نہیں بلکہ دُور ہے۔ جب تک خانۂ دل کو توحید کا خزانہ نہ بنائے خدا کو کنز اور قدوری کے ذریعہ نہ پہچان سکے گا)

بعدہٗ فرمایا کہ ایک دفعہ ہم علاقہ سون سے واپس آ رہے تھے۔ علاقہ سواں کے قریب بہال میں میاں سلطان کچھی والا الفاظِ ذیل مستی کی حالت میں کہہ رہا تھا :-

کہاں سے آئے کہاں کو جاؤ اے میاں تم کون؟

ان الفاظ کے سُننے سے اس قدر ذوق پیدا ہوا کہ خیال آیا یہ تعلیم و تعلّم شمس بازغہ وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ اصل علم یہی ہے۔ اس کے درپے ہو کر حاصل کرنا چاہیئے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ الحمد للہ ہمارے قبلہ و کعبہ نے ان علوم کو کما حقہٗ حاصل کر کے ایک عالم کو مستفیض و مستفید فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

ملفوظ ۔ ۲۵

حضورؒ ایک دن دربار میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا کہ شیخ صدر الدینؒ قونوی جو حضرت الشیخ اکبرؒ سے مستفیض اور صحبت یافتہ اور بلا واسطہ تلمیذ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضرت الشیخؒ کی خدمت میں چند معارف و حقائق بیان کیے۔ حضرت الشیخؒ نہایت محظوظ و مسرور ہوئے۔ حالتِ ذوق میں سر مبارک کو جنبش دی۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب آنجناب کا افاضہ اور تصدّق ہے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے رُتبۂ عالیہ تحقق بالاسماء عطا فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے اُوپر تجلّی دائمی ابدی وارد فرمائیں۔ تاکہ میں ایک ساعت بھی محجوب نہ ہوں۔ حضرت الشیخؒ نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ بارہا وصفِ احیاء و اماتت نے ہم سے ظہور پایا۔ اور انواع و اقسام کے فیوضات سے لوگ مستفیض ہوئے لیکن یہ نعمتِ عظمیٰ میں نے کسی کو عطا نہیں کی۔ فی الحال تجھ کو عطا کرتا ہوں۔ شیخ صدر الدین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بالفعل مجھ پر تجلّی دائمی ابدی وارد ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میری غرض اس قصّہ کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ حضرت الشیخؒ کے مستفیضان کو بھی یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی۔ مگر حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت الشیخؒ اس مقام میں نہیں پہنچے بلکہ فرو تر رہے ہیں۔ اور ہمیں یہ نعمتِ عظمیٰ (تجلّی دائمی ابدی) حاصل ہوئی۔ شاید اُن کی نظر حضرت الشیخؒ کی تصنیفات پر اور ان واقعات پر نہیں پڑی۔ حضرت شیخ صدر الدینؒ صاحب و مولانا رومؒ ہم عصر (ہم زمان) تھے۔ اور ان کے درمیان آپس میں نہایت اتحاد و اخلاص رہا ہے۔ حتّٰی کہ ہر ایک نے دوسرے کے حق میں وصیّت کی تھی کہ ہمارا جنازہ فلاں ادا کرے۔ لیکن مولانا نے اوّل وصال فرمایا۔ لکھتے ہیں کہ ایک دن مولانا صاحبؒ شیخ صدر الدینؒ قونوی کی خدمت

میں حاضر ہُوئے۔ اُنہوں نے اپنے سجّادے پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔ مولانا صاحبؒ نے اِنکار فرمایا کہ یہ شیخ کا سجادہ ہے۔ اِس پر بیٹھنے سے ترکِ تعظیم ہوتی ہے شیخ صدرُالدّین صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک طرف سجّادہ کے آپ بیٹھیں اَور دُوسری طرف میں بیٹھتا ہُوں مولانا صاحبؒ نے اِس پر بھی اِنکار فرمایا۔ آخر شیخ صدرُالدّینؒ صاحب نے مصلّیٰ اپنے نیچے سے کھینچ کر علیحدہ کیا۔ ہر دو حضرات مثل قران السّعدین فرش پر مساوی ہو کر رونق افروز ہُوئے۔ اَور نیز فرمایا کہ حضرت الشیخؒ کے سارے ہم عصر (ہم زمان) ان کے مشرب و مذاق پر متفق تھے۔ حتّٰی کہ شیخ الشیوُخ سُہروردیؒ اَور ان کے سارے اتباع بھی سوائے شیخ علاؤالدّولہ سمنانی صاحبؒ کے۔ اِس میں شک نہیں کہ حضرت شیخ الشیوُخؒ اپنے متوسّلین کو حضرت الشیخؒ کی صحبت سے منع فرمایا کرتے تھے لیکن آخر میں اُنہوں نے اس کی وجہ بیان فرمائی نقل ہے کہ جب حضرت الشیخؒ کی وفات کی خبر شیخ الشیوُخؒ کے سمع مُبارک تک پہنچی۔ نہایت رنج والم ظاہر فرمایا۔ متعلّقین نے عرض کیا کہ حضرت اُن کی زندگی میں تو آپ ہمیں ان کی مجلس میں جانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اَور اب اِس قدر افسوس اَور حسرت فرما رہے ہیں معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ نہایت جلیل القدر شخص تھے۔ شیخ الشیوُخؒ نے فرمایا کہ بے شک نہایت بزرگ ہستی تھی۔ اَور تم لوگوں کو روکنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت الشیخؒ نہایت بلند پرواز شخص تھے۔ اَور اُن کا کلام نہایت عمیق اَور اعلیٰ عرُوج میں تھا۔ چُونکہ تم لوگوں میں اُن کے کلام سمجھنے کی قابلیّت و اِستعداد نہ تھی اِس لیے میں اُن کی صحبت سے منع کرتا تھا۔ نہ یہ کہ اُن کی صحبت فی نفسہٖ مُضر تھی۔ حاشا و کلا۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے گویا شعرِ ذیل حضرت الشیخؒ کے کلام کے وصف میں وارد ہے ؎

رسانده پایۂ معنی بآسمانِ نهم　　　بلند طبع شناسد کلامِ اکبر را

(جس شخص کا باطنی مقام آسمانِ نہم سے گذرا ہُوا ہو وُہ بلند طبع ہی شیخ اکبرؒ کے کلام کو سمجھ سکتا ہے)

ملفوُظ۔۲۶

ایک روز آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں مَیں لاہور رہتا تھا میں نے بعض احباب سے کہا کہ اگر کسی کے پاس کتاب "فتوُحات" موجُود ہو تو بتائیں مَیں دیکھنا چاہتا ہُوں۔ اُنہوں نے کہا کہ یہاں صرف ایک خوجہ کے پاس یہ کتاب موجُود ہے لیکن وُہ مطالعہ کے لیے کسی کو نہیں دیتا۔ اَور کہتا [illegible] کہ علماء و فضلاء آئے۔ مگر کوئی اس کی عبارت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ پھر اسے دینے لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں اگر کوئی اس کی عبارت صحیح طور پر میرے سامنے پڑھ کر سُنائے اس کو مطالعہ کے لیے دے سکتا ہُوں۔ غرض کہ اُس نے کتاب مذکور کو علماء کی قابلیّت کا معیار بنایا ہُوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ حافظ صاحب لاہوری بھی اِس موقعہ پر موجُود تھے۔ میں نے کہا "اگر نامبردہ اسی شرط پر کتاب دیتا ہے تو میں مجبُوراً جا کر اُس کے سامنے اس کی عبارت پڑھتا ہُوں"۔ غرضیکہ میں نے اُس کے پاس جا کر چند صفحے پڑھے۔ نہایت خوش ہُوا۔ اَور کتاب مطالعہ کے لیے عطا کی۔ ایک دِن میں کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھا کہ ایک مستانہ مجذوب آیا ایک ساعت بیٹھا۔ جب دیکھا کہ یہاں فراغت مفقُود ہے اَور توجّہ نابود، تو ذیل کی رُباعی پڑھ کر چل دیا ؎

خُوں نابۂ دِل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست　　　دندان بجگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را　　　در صفحۂ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

(دِل کا خوں نابہ پی کہ اِس سے بہتر کوئی شراب نہیں۔ جگر کو دانتوں میں چبا کہ اِس سے بہتر کوئی کباب نہیں۔ کنز اَور ہدایہ میں خُدا نہ ملے گا۔ دِل کے صفحہ میں نظر ڈال کہ اِس سے بہتر کوئی کتاب نہیں)

فرمایا کہ اِس رُباعی کے سُننے سے عجیب و غریب کیفیّت اَور اثر پیدا ہُوا۔ لاہور میں پہلے مَیں ایک سفید ریش ستار ساز کی دُکان

پڑھا ہوا تھا۔ وہاں عُلماء و فُضلاء کا آنا جانا شرُوع ہو گیا۔ میں نے ان کو کہا کہ یہ جگہ آپ لوگوں کے قابل نہیں۔ کیونکہ اِس جگہ ستاریں وغیرہ پڑی ہیں۔ اَور اکثر اِس دُکان پر ہندُو لوگ آیا کرتے ہیں لیکن وُہ منع نہ ہُوئے۔ مجبُوراً اُن کی خاطر وُہ جگہ چھوڑ کر دُوسری جگہ سکُونت پذیر ہُوا۔ ایک دِن حکیم فضل دین کی مسجد میں نماز کے لیے گیا میرے پاس تسبیح تھی۔ نماز پڑھ کر اپنے اَوراد میں مشغُول ہُوا۔ ایک شخص مسمّے بہ مولوی غُلام اللہ قصُوری اِمام مسجد تھا۔ پہلے تو مجھے نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ اَوضاع و اطوار سے غیر مقلّد معلوم ہوتا تھا۔ آخرالامر میرے پاس آکر علمی بحث شرُوع کر دی مجبُوراً مجھے بھی بولنا پڑا۔ غالباً دلائلِ عقلیہ سے اثباتِ توحید کا موضوع تھا۔ جب میں نے بُرہانِ تطبیق و تضائف وغیرہ بیان کیے۔ حیران اَور متعجّب ہُوا۔ اَور اِتنا کہا کہ آپ عنداللہ ماخُوذ ہوں گے۔ میں نے کہا "کیوں"؟ کہنے لگا۔ جو شخص باوجُود اِس قدر وُسعتِ علمی اَور بیانی لیاقت کے مخالفینِ اسلام کو جواب نہ دے اَور اپنے آپ کو جہان سے پوشیدہ رکھے۔ کیسے ماخُوذ نہ ہوگا۔ میں نے کہا "یہ آپ کا حُسنِ ظن ہے۔ ورنہ میں تو اِس قدر قابلیّت نہیں رکھتا"۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ آپؒ نے جملہ مذکورہ بطور کسرِ نفسی فرمایا تھا۔ ورنہ بفضلہٖ تعالیٰ و توجہ اَرواحِ طیّبہ آپ منقولات و معقولات پر حاوی تھے۔ پنجاب میں متعدد مقامات اَور ہندوستان میں سہارن پُور۔ علی گڑھ۔ اُستاذ الکُل جناب مولانا مولوی لُطف اللہ صاحبؒ و جناب مولوی احمد علی صاحبؒ محشّی بخاری شریف کی خدمت میں تحصیل و تکمیلِ علم فرمائی تھی۔ علُومِ حقائق و معارف کا طرزِ مقولہ ذیل حضرت الشیخؒ حاصل فرمایا تھا۔ اخذنا العلم حیًا عن حیٍ (ہم زندہ ہیں اَور زندوں سے عِلم حاصِل کیا ہے) فالحمد للہ علی ذالک۔

ملفُوظ۔ ۲۷

ایک دِن دربار شریف میں سوالات مستفتیہ فریقین تونسہ شریف کے بارہ میں تذکرہ ہُوا۔ آپ نے مولوی غلام محمد صاحب کو [illegible] ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب بعض سوالات کی لمّیۃ یعنی اصلی عِلّت تم مولوی لوگ نہیں جانتے کہ کیا ہے۔ کیونکہ سوال سے سائل کی غرض صرف جواب نہیں بلکہ عِلّتِ غائی کچھ اَور چیز ہوتی ہے۔ میں مُشتے نمونہ از خروار بیان کرتا ہُوں مثلاً سوال ہے کہ اِمام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مُبارک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روضۂ مُبارک کے اندر کیوں نہیں بنایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بنو اُمیّہ کا دَور تھا اس لیے مروان نے ممانعت کر دی۔ اس سوال سے سائل کی غرض اور منشاء یہ دکھانے کی ہے کہ ایسے اُمُور کا فیصلہ چُونکہ خلیفۂ وقت کی اِجازت پر موقوف تھا اِس لیے اُن کی اِجازت کے بغیر بنی فاطمہؓ کا کوئی شخص روضہ شریف میں اپنے لیے جگہ حاصل نہ کر سکا۔ حضُورِ انورؒ نے سب حاضرینِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مروان کا مانع ہونا اِس بارہ میں کسی دلیلِ شرعی سے تھا یا صرف زبردستی اَور ناجائز طور پر۔ نقل ہے کہ حضرت اِمام حسن علیہ السّلام نے ایامِ مرض الموت میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے اِجازت طلب فرمائی کہ اگر اجازت ہو تو مجھے بعد وفات روضۂ منوّرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے اِجازت فرمائی۔ لیکن بنی اُمیّہ کی امارت کا زمانہ تھا۔ اَور حضرت اِمام حسنؑ واقفِ حال تھے۔ اِس لیے اپنے بھائی حضرت اِمام حُسین علیہ السّلام کو وصیّت فرمائی کہ اَے بھائی مجھے یقین ہے کہ میری نعش کو روضۂ مقدّسہ میں نہ رہنے دیں گے۔ بالفرض والتقدیر اگر اِجازت مِلی تو بہتر ورنہ مجھے جنّت البقیع میں دفن کرنا۔ میرے باعث اِنسانی خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ کرنا۔ القصّہ جب حضرت اِمام حسن علیہ السّلام کا جنازہ پڑھا گیا (ان کا جنازہ مدینۂ طیّبہ کے والی سعید بن العاصؓ نے پڑھا تھا) تو مروان بمعہ جمّ غفیر شمشیر بکف ہو کر امرِ مذکُور کا مانع ہُوا۔ جب یہ خبر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ [illegible] کو مِلی۔ وُہ بذاتِ شریفہ خود لشکرِ عظیم لے کر مروان کے محاربہ پر تیار ہُوئیں۔ اَور اِس طرف سے حضرت اِمام حُسین علیہ السّلام بھی شمشیر بکف ہُوئے۔ لیکن اُس وقت حضرت

ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار حضرت امام حُسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اے امامؑ کیا آپ نے اپنے مرحوم بھائی کی وصیّت فراموش کر دی ہے۔ ناچار حضرت امام حُسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کی وصیّت یاد آنے پر بحوصلہ تمام و صبر مالا کلام اپنی شمشیرِ مُبارک کو نیام میں کر لیا۔

ایسے ہی ایک اَور سوال ہے کہ شیخینؓ کے مزارات روضۂ مطہرہ میں کس لحاظ اَور کون سی نسبت سے واقع ہُوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روضۂ مقدسہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حُجرۂ مُبارک میں ہے۔ صدّیقِ اکبرؓ کو بسبب اُن کی قرابت کے اس کے اندر دفن کیا گیا۔ اس پر مولوی غُلام محمد صاحب نے عرض کیا کہ خلیفۂ ثانیؓ کی تدفین وہاں کس وجہ سے ہُوئی؟ فرمایا اُن کو اُمّ المومنینؓ کی اجازت سے دفن کیا گیا۔" بعدہٗ فرمایا کہ الحال سائل کا منشاء یہ ہے کہ جب شیخینؓ کی تدفین روضۂ مقدّسہ میں بہ سبب قرابت ہُوئی ہے تو حضرات اہل بیت علیہم السّلام جو صاحبِ روضہ کی اَولاد سے ہیں، کو بھی روضۂ مُبارک میں تدفین کا حق حاصل ہے۔ یعنی یہاں بھی سائل کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضرات اہل بیتؑ بوجہ مخالفت وہاں جگہ حاصل نہ کر سکے۔ کاتب الحروف کہتا ہے۔ اس مضمون کے سُننے سے سب حاضرینِ مجلس متحیر و متعجّب ہُوئے۔ اَور کیوں نہ ہو۔ ایسے عجائب و غرائب کا تعلق محض علومِ رسمیہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح لوگوں کے مافی الضمیر کا اظہار اَور بیانِ علّتِ غائی بغیر انشراح صدری اَور اشراقِ نوری کے ناممکن اَور محال ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ ولنعم ما قیل ؎

علمِ حق در علمِ صُوفی گُم شود	این سخن کے باور مردم شود
گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود	گرچہ از حلقومِ عبدُاللہ بود

(خُدا کا علم عارف صُوفی کے علم میں مستُور اَور در پردہ ہوتا ہے اگرچہ عام لوگوں کو یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ولی کی گفتار خُدا کی گفتار ہوتی ہے۔ اگرچہ بظاہر بندۂ خُدا کے حلقُوم سے نکلتی ہے)

ملفُوظ۔ ۲۸

۲۵ شوال المکرم ۱۳۳۰ھ بعد نماز عصر آپ مسجد شریف میں رونق افروز تھے۔ ایک شخص بیعت کے لیے حاضر ہُوا۔ بیعت کے بعد آپ نے اُس کو تلقین وظائف فرمائی۔ کہ شریعت پر مستقیم رہنا اَور اس کے بعد ڈاڑھی نہ کترانا اَور ہر امر میں شرعی مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا۔

بعدہٗ فرمایا کہ جب میں علاقہ سون میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ عُرس شریف کے موقعہ پر سیال شریف حاضر ہُوا۔ ایک دِن حضرت صاحبِ اعلیٰؒ اپنی رہائش گاہ سے نکل کر چوہدری محمد بخش کی عیادت کو تشریف لے جا رہے تھے۔ جنہیں ان ایّام میں کسی شخص نے کوئی کُشتہ از قسمِ سمّیات دیا تھا۔ لوگ راستہ میں جا بجا حلقہ بنا کر برائے تعظیم کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک شخص مسمّی بہ شاہ اللہ بخش کھیری بھی کھڑا تھا اس کی ڈاڑھی بالکل صفا چٹ تھی۔ چونکہ حضرت صاحبؒ اُس کے ساتھ نہایت مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ اس کے شانوں پر ہاتھ مُبارک رکھ کر بطور خُوش طبعی شعر ذیل فرمایا ؎

پٹا مُچھاں مُنا ڈاڑھی بھوّاں کُوچٹ کرایا کر
نقارہ شاہ قلندر کا بجّہ دھن دھن بجایا کر

مترجم کہتا ہے کہ اہل اللہ کی تربیت زجر و توبیخ کے بجائے شفقت و حکمت اَور تصرّف باطنی پر مبنی ہوتی ہے۔ اَور ایک دن ضرور نتیجہ لاتی ہے۔

ملفوظ ۔ ۲۹

کاتب الحرُوف کہتا ہے ۔ ایک دن حافظ قوال موضع لادہ والا مسجد میں حضُورؒ کے قریب آیا۔ چُونکہ اُس نے خلافِ عادت اپنی ڈاڑھی کو قصر کرایا تھا۔ حضُورؒ نے فرمایا" حافظا یہ حدیث تُونے نہیں سُنی ۔ قصُّوا الشوارب واعفوا اللحی" (مُونچھیں کٹاؤ اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ) غرضیکہ حضُورِاقدسؒ امُورِ شرعیہ کی رعایت ہر وقت نصب العین اَور مدِّ نظر رکھتے تھے ۔ حتیٰ کہ خلافِ اولیٰ بھی پسند نہ فرماتے تھے ۔
مجھے یاد ہے ایک دن آپ راولپنڈی میں قاضی صاحب لال کُرتی کی مسجد میں رونق افروز تھے ۔ ایک شخص نے تعویذ کے لیے عرض کیا۔ آپ نے تعویذ لکھ کر فرمایا" اِس کو چاندی میں ملفوف کر کے اپنے پاس رکھنا" پھر حضُورؒ کو خیال آیا کہ چاندی کا اِستعمال مردوں کو منع ہے ۔ اس لیے اُسے واپس بُلا کر فرمایا کہ تعویذ کو چمڑا وغیرہ میں ملفوف کرنا ۔
مترجم کہتا ہے کہ ڈاڑھی کی مقدار بقدر قبضہ (چار اُنگل) مشہُور قول ہے ۔ دیگر اقوال کی تحقیق و تفصیل عینی و فتح الباری شرُوح بُخاری کتاب اللباس میں قابلِ دید ہے ۔ بہرحال ڈاڑھی منڈانا سخت ممنُوع ہے جس پر تمام عُلمائے کرام متفق ہیں ۔

ملفوظ ۔ ۳۰

ایک دن دربار شریف میں آپ نے زبانِ دُرفشاں سے اِس طرح اِرشاد فرمایا ۔ کہ عارف کا ذِکر اَور لوگوں کے ذِکر کی طرح نہیں ہوتا ۔ کیونکہ عارف اپنے وجُود میں کُل ذرّاتِ جہاں کو مشاہدہ کر کے ہر ذرّہ کی زبان سے ذِکر کہتا ہے ۔ پس عارف کا ایک بار اللہ کہنا یا دُرود شریف پڑھنا اس تعداد تک پہنچتا ہے کہ غیر عارف سالہا سال تک نہیں کہہ سکتا ۔
ایک [illegible] حضرت الشیخؒ کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا" حضرت الشیخؒ کا کشف اِس قسم کا تھا کہ جس شخص پر سر سے پاؤں تک تین مرتبہ نظر ڈالتے تھے ۔ اس کے عینِ ثابت ملاحظہ کر کے اسماء الٰہیہ میں سے جو اِسم اس کے عینِ ثابت کا رب ہوتا ۔ بلکہ اسماء جُزئیہ کو جو اس کے ماتحت مندرج اَور واقعاتِ کونیہ کے مقتضی ہوتے مشاہدہ فرما کر حشر نشر بلکہ اس کے جنّت و نار کے مراتب و منازل بھی معائنہ فرما لیتے تھے"

ملفوظ ۔ ۳۱

ایک دن اہل بیتِ عظامؓ کے مناقب سلکِ تقریر میں لا کر یُوں اِرشاد فرمایا کہ ایک دفعہ دو حاملہ عورتیں کسی کام کے لیے شہر سے باہر گئیں ۔ ان کے وضع حمل کی مدت پُوری تھی ۔ دونو نے وضع حمل کیا ۔ ایک کے لڑکی ہُوئی اَور دُوسری کے لڑکا ۔ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہُوئی وُہ تو ہوش حواس میں تھی اَور دُوسری بباعث درد زِہ بالکل بے ہوش اَور بے حواس ہو گئی ۔ چُونکہ اولادِ نرینہ ہر ایک کو بالطبع پسند ہوتی ہے ۔ لڑکی کی والدہ نے اپنی لڑکی دُوسری عورت کے پاس رکھ دی اَور لڑکا آپ لے لیا جب وُہ دُوسری عورت ہوش میں آئی اپنے پاس لڑکی پڑی دیکھی لیکن محبت اَور شفقتِ مادری لڑکے کی طرف زیادہ ہُوئی ۔ آخر الامر مغلوب الحال ہو کر دعوےٰ کر دیا کہ یہ لڑکا میرا ہے اَور دُوسری عورت نے کہا کہ میرا ہے ۔ وُہ زمانہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کا تھا ۔ ہر دو نے حاضر ہو کر لڑکے کا دعویٰ کیا ۔ چُونکہ عینی گواہ کوئی نہیں تھا اِس لیے تمام صحابہ کرامؓ حتمی فیصلہ دینے سے عاجز ہُوئے ۔ مگر صحابہؓ کرام کی عادت تھی کہ حلِ حقائق و کشفِ دقائق میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی طرف ضرور متوجہ ہُوا کرتے تھے ۔ سب نے کہا کہ علیؓ کہاں ہیں ۔ علیؓ کو تلاش کرو کہ مشکل حل ہو ۔ حضرت علیؓ تشریف لا[illegible] تو اُن کے سامنے واقعہ بیان کیا گیا ۔ آپؓ نے بلا تامّل فرمایا کہ امر سہل ہے ۔ ہر دو عورتوں کا دُودھ لے کر وزن کرو ۔ جس کا دُودھ بھاری ہو لڑکا اس کے حوالہ کرو ۔ اَور جس کا دُودھ

ہلکا ہو لڑکی اس کے سپرد کرو صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ اے علیؓ یہ حل آپ نے کہاں سے استخراج فرمایا ہے کیا محض اپنی عقل کی بنا پر فرماتے ہیں یا اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ قرآن کریم سے استنباط کیا۔ صحابہ کرامؓ اور زیادہ متعجب ہوئے۔ عرض کیا کہاں سے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (مرد کے لیے دو عورتوں کا حصہ ہے) فرمایا ہے پس میراث میں جب مذکر کے لیے دو حصے مقرر ہوئے اور مؤنث کے لیے ایک حصہ ایسا ہی رزق میں بھی مذکر کے لیے دو حصے ہیں اور مؤنث کے لیے ایک حصہ" سارے صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ کے بداہۃً جواب اور وسعت علمی سے متحیر اور متعجب ہوئے۔ کاتب الحروف کہتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا ان کے شان عالی نشان میں وارد ہوئی ہے۔ یہ موہوبی علم ہے کہ محض اللہ کے فضل سے خاصہ اہل بیتؓ عظام ہوا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صفِ میثاق میں تمام عالم سے حقیقت محمدیہ کے قریب تر تھے۔ چنانچہ حضرت الشیخؓ نے فرمایا ہے۔ وکان اقرب الناس الیہ فی ذالک الھباء علی ابن ابی طالبؓ الجامع لاسرار الانبیاء۔ اور نیز ذوق دہلوی نے بھی رباعی ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

کیا جانیں گے اے ذوق بجز خاص عوام اعلیٰ جو علیؓ کی ہے امامت کا مقام
جو لوگ صفِ اوّلِ میثاق میں تھے پوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیسا تھا امام

اس لیے علمِ لدنّی کا ظہور اُن کی ذاتِ شریف سے زیادہ ہوا۔ اور ہمارے حضورِ اقدسؒ کو اس علم کا حصول بطریقِ فیضِ روحانی بارگاہِ مرتضویؓ سے ہوا ہے۔ جیسا کہ غزل ذیل کے مقطع میں اشارہ فرمایا ہے۔ یہ ساری غزل تبرّک و تیمّن کے طور پر طالبانِ حق کے ہدیۂ نظر ہے ؎

آشفتۂ ماہ روئے پُر ناز ستمگارم من کشتۂ ابروئے آں دلبرِ عیّارم
میں ایک ستم گر نازنین مہ رُو کا شیفتہ اور دلبرِ عیّار کے ابرُو کا زخمی ہوں

بر یادِ سیاہ چشمے ہمہ روز سیاہم شُد از ناوکِ مژگانش صد خار بدل دارم
اُس سیاہ چشم کی یاد میں میرا تمام دن سیاہ ہو گیا۔ اور اس کے تیرِ مژگاں سے سینکڑوں خار دل میں ہیں

از زُلفِ پریشانش شُد خانہ بدوشِ من در مصحفِ رُوئے او آیاتِ خُدا دارم
اُس کی زُلف پریشاں سے میری خانہ بدوشی ہوئی اور اُس کے مصحفِ رُخ میں خُدا کی آیات دیکھتا ہوں

در کوئے خُدا بیناں زاں روز کہ شُد گذرم از مذہبِ خُود بینی بیزارم و بیزارم
جب سے خُدا بین حضرات کے کوچہ میں میرا گذر ہوا۔ میں مذہبِ خُود بینی سے سخت بیزار ہوں

عشق آمد و شُد ساری چُوں بُو بگلاب اندر اُو در من و من در وے سرّیست زِ اسرارم
عشق آ کر مجھ میں ایسے سرایت کر گیا جیسے گلاب میں خوشبو۔ وہ مجھ میں اور میں اُس میں یہ عجیب راز ہے

بیرُوں نہ زدم قدمے ویں طُرفہ تماشا بیں پُر آبلہ شُد پایم عمریست کہ سیّارم
میں نے ایک قدم بھی باہر نہیں نکالا مگر یہ عجیب تماشا دیکھو کہ میرے پاؤں پُر آبلہ ہو گئے جیسے مجھے چلتے چلتے ایک عُمر گذر گئی ہے

رَم کردہ زِ غیرِ اُو دارم دلکے شیدا بے ہوشم و باہوشم بے کارم و باکارم
محبُوب کے غیر سے نفور اور اس پر دل سے شیدا ہوں۔ بے ہوش بھی ہوں باہوش بھی بے کار بھی اور باکار بھی

تا ساقیِٔ مستانم مے ریختہ در کامم عُریان و خراباتم رقّاصم و سرشارم
جب سے ساقی مست نے میرے حلق میں شرابِ محبّت ڈالی میں عُریاں، خراب حال رقصاں اور سرشار ہوں

قَدْ کَانَ وَمَا مَعَہٗ مَا کَانَ مِنَ الْاَکْوَان　　اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ مشہودِ دلِ زارم

میرے دِل زار کا مشہود محبوبِ حقیقی ہے جو ازل میں تھا اور کائنات اُس کے ساتھ نہ تھی اور اب بھی اسی طرح ہے جیسے تھا

اَلْمُلْکُ لِمَنْ غَلَبَ نامیست زِمن باقی　　از قُرب مع اللّٰہی برتر شُدہ زاں کارم

بس مُلک اُسی کا ہے جس کا غلبہ ہے میرا تو فقط نام ہی نام ہے اور قُرب مع اللہ کی وجہ سے ہر کام سے ورا ہُوں

تا یافتہ ام خبرے از بابِ علومِ دِل　　دِل دادہ بمہرِ آں شہِ حیدرِؓ کرّارم

جب سے علومِ دِل کے باب سے اِطّلاع ہُوئی۔ جنابِ حیدرؓ کرّار کی مہر و محبّت میں میرا دِل قُربان ہے۔

حضرتؒ کے کلام کی صحیح ترجمانی تو مشکل ہے۔ مگر جس قدر ہو سکا ہدیۂ ناظرین ہے۔　(مترجم فیض عفی عنہ)

ملفوظ۔ ۳۲

ایک دِن مسجد میں نمازِ عصر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اہل بیتِؑ عظّام کی شان اور اُن کا معاملہ عجیب قسم کا ہے کہ اِنسانی عقل میں نہیں سما سکتا۔ کہتے ہیں ایک دِن اِمام محمد تقیؓ صغر سنی میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بادشاہ مامُون کی سواری آئی۔ سب لڑکے سپاہیوں کے خوف سے بھاگ گئے لیکن حضرت اِمام علیہ السّلام کمال جرأت اور سنجیدگی سے اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ بادشاہ مامُون ان کی یہ کیفیّت دیکھ کر ان کے قریب آیا اور دریافت کیا کہ باقی سب لڑکے تو بھاگ گئے ہیں آپ کیسے کھڑے رہے۔ فرمایا "اس لیے کہ مَیں جانتا ہُوں کہ جس راہ سے تم آتے ہو وُہ تنگ نہیں کہ میرے چلے جانے سے کُشادہ ہو۔ نیز مَیں جانتا ہُوں کہ تم ناحق کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ پھر کیوں بھاگتا"۔ مامُون یہ جواب باصواب سُن کر نہایت محظُوظ ہُوا۔ اور تسلیمات بجالا کر شکار کو رُخصت ہو گیا۔ شکار گاہ میں جا کر اپنے باز کو جو چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا۔ اور ایک ساعت کے بعد ایک مچھلی مُنہ میں لے کر واپس ہُوا۔ مامُون مچھلی کے لانے سے حیران ہُوا کہ مچھلی تو دریا میں ہُوا کرتی ہے نہ آسمان میں۔ جب شکار سے واپس ہُوا۔ اُسی پہلے راستہ سے آیا۔ حضرت اِمام تقی علیہ السّلام اتفاقاً اُس وقت بھی وہاں موجُود تھے۔ مامُون نے اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کیا۔ اور اِس واقعہ کا راز دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کوئی حیرت و تعجّب کی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ سے فضائے آسمانی میں بھی دریا رواں ہیں۔ یہ مچھلی اُن دریاؤں کی ہے"۔ مامُون ہدایت جواب اور اُن کی وُسعتِ علمی سے زیادہ متعجّب ہُوا اور نہایت نیازمندی سے رُخصت ہُوا۔ اور ارادہ کیا کہ اپنی لڑکی ان کے عقدِ نکاح میں دے لیکن بعض بنی عبّاس نے روک دیا۔

ملفوظ۔ ۳۳

ایک دِن آپ مجلس خانہ میں رونق افروز تھے۔ اہل بیت کرامؑ کی شان کا ذِکر ہُوا۔ فرمایا کہ بنی اُمیّہ میں سے کسی نے حضرت اِمام حسن علیہ السّلام سے تعریضاً سوال کیا کہ آپ کو ابنِ رسُولؐ اللہ کہا جاتا ہے ابنِ علیؑ کیوں نہیں کہا جاتا۔ حضرتؓ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارا لقب قرآن شریف سے ثابت ہے۔ تم لوگوں کو چُونکہ علمِ قرآن حاصل نہیں اس لیے نہیں جانتے۔ سائل نے عرض کیا وُہ کیسے؟ فرمایا آیتِ مباہلہ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ میں ابناءنا سے کون مُراد ہے۔ اس وقت مَیں اور میرے بھائی حُسینؑ کے سِوا اور کون تھا۔ رسُولؐ اللہ نے مباہلہ کے وقت مجھے اور میرے بھائی حسینؑ اور میری والدہ مکرّمہ فاطمہؓ اور میرے باپ علیؑ ہی کو پیش کیا تھا۔ مخاطب آپ کی وُسعتِ علمی سے بہت شرمندہ ہُوا۔

ملفوظ - ۳۴

ایک دن دربار میں حضرت مولانا رومؒ کا تذکرہ آیا۔ آپ نے فرمایا "حضرت شیخ صدرالدین صاحبؒ قونوی تلمیذ حضرت الشیخ اکبرؒ نے ان کی شان میں اس طرح فرمایا ہے لوکان للالوھیة صورة لکان ھذا" (اگر خداوند تعالیٰ کی کوئی صورت معین ہوتی تو وہ حضرت مولاناؒ کی صورت میں ظاہر ہوتا)"

ملفوظ - ۳۵

ایک دن مجلس میں اہل بیت عظامؓ کی شان کا تذکرہ آیا۔ فرمایا "مولینا رومؒ جیسے شخص نے کہ ایک عالم اُن سے فیضیاب ہوا ہے شیخ عطارؒ کی شان میں یہ ارشاد فرمایا ہے ؎

ہفت شہرِ عشق را عطّار دید — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

عطّارؒ نے عشق کے سات شہر دیکھے اور ہم ابھی تک ایک ہی کوچہ کے موڑ میں ہیں

اور شیخ عطارؒ نے حدیث ذیل کو روایت فرمایا ہے۔ من اٰمن بمحمّد ولم یؤمن باٰلہ فلیس بمومن" (جس شخص نے رسول اللہ کی تصدیق کی اور آل پاک پر ایمان نہیں لایا وہ مومن ہی نہیں) کاتب الحروف کہتا ہے شاید اِس موقعہ پر شیخ عطارؒ کے بارہ میں مولینا صاحبؒ کی تعریف سے شیخ عطارؒ کی توثیق روایت مُراد ہو۔

ملفوظ - ۳۶

ایک دن شام کی اذان میں آپ نے شہادتِ ثانیہ میں دُوسری بار (اشھد ان محمداً الرسول اللہ) کہنے پر دونوں انگوٹھوں کو بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم شہادتِ ثانیہ میں تقبیلِ ابہامین کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ فرمایا "شامی اور رُوح البیان میں اسی طرح آیا ہے"۔ اور نیز فرمایا کہ حدیث تقبیل کو اگرچہ علماء نے ضعیف لکھا ہے لیکن فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف بھی معمول بہ ہوتی ہے۔

ملفوظ - ۳۷

ایک دن مجلس میں ایک سفید ریش قوّال راولپنڈی کے چوہدری شاہ داد خان صاحب کے ہمراہ حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ اجازت ہو تو کچھ کہا جائے۔ اجازت ہوئی تو قوّال مذکور نے توحید کا سخن بیان کیا۔ چونکہ صاحبِ درد تھا۔ اس کا سخن موثّر ہوا۔ بعد فراغ اس کو ارشاد ہوا کہ فلاں مصرع میں لفظ "رنگِ دُوئی" نہیں بلکہ "زنگ دُوئی" (بزائے معجمہ) ہے۔ کاتب الحروف نے عرض کیا "قبلۂ عالم دُوئی کا زنگ کیسے رفع ہوتا ہے"؟ فرمایا "جیسا کہ جامیؒ صاحبؒ نے فرمایا ہے ؎

از خود بگسل جامیؔ می زن درگمنامی — کاندر رتق وحدت بیگانہ ترا یابم

(یعنی خودی کو دُور کر کے گمنام ہو۔ اِس لیے کہ پردۂ وحدت میں تیری ہستیٔ موہوم بیگانہ ہے)

اور نیز ارشاد الٰہی نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم بندہ کی شہ رگ سے نزدیک تر ہیں) اور من نیم اوست (میں نہیں ہوں وُہی ہے) کو ہر وقت مدِّ نظر رکھنا چاہیئے لیکن اس طور سے کہ کُلّی توجّہ اسی طرف ہو"

ملفوظ۔ ۳۸

ایک دِن دربار میں مولانا جناب قاری صاحب نے عرض کیا کہ فلاں شخص قصیدہ شریفہ کی اجازت طلب کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بے وقُوف لوگ خُدا کا ذِکر نہیں کرتے اَور قصیدوں کے درپے ہوتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ صاحبِ قصائد خود کیا کرتے تھے۔ وُہ اللہ اللہ کرتے تھے یا اپنے تصنیف کردہ قصیدوں کا وِرد کرتے تھے" پھر ایک دن زبانِ حقائق بیان سے یہ شعر سنا گیا۔

بصدق آں کس کہ زد در عاشقی گام بمعشُوقی بر آید آخرش نام (جامی)

(جس نے عاشقی میں صدق سے قدم رکھا، آخر اس کا نام معشوقی میں ظاہر ہوتا ہے)

ملفوظ۔ ۳۹

ایک دِن آپ نے مجلس میں فرمایا کہ ایک شخص شادا نام کا خوشاب میں دیکھا گیا۔ اُس کا حال یہ تھا کہ خُود اپنے آپ کو بُلاتا اور کہتا "اوشادیا! اوشادیا!" پھر خُود ہی جواب دیتا "شادا نہیں۔ شادا نہیں" یعنی وُہ ایسی حالت میں تھا کہ از خُود رفتہ تھا۔ اور اپنے آپ کو نہیں پاتا تھا۔ اِس لیے اپنے حال سے خود خبر دیتا تھا۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کو یا شخص مذکور شعر ذیل کا مصداق تھا۔

تُو مباش اصلا کمال این است و بس رَو درو گم شو وصال این است و بس

(تُو خود نیست ہو جا یہی کمال ہے۔ اُس موجُودِ حقیقی میں اپنی ہستی موہُوم کو فنا کر دے وصال یہی ہے)

ملفوظ۔ ۴۰

ایک دِن بعد نمازِ عصر آپ حسبِ معمول مجلس خانہ کے بالاخانہ پر رونق افروز تھے۔ غیر مقلدین کے متعلق گفتگو شروع ہُوئی۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ایک عجیب فرقہ ہے حضرات مشائخ کرام کو حُسن پرست اَور نظر باز کہتے ہیں اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ عارف کی نظر اُس بے نشان پر ہوتی ہے لیکن چُونکہ وُہ بے نشان کسی نشان ہی میں پایا جاتا ہے۔ اِس لیے ان کا مطمحِ نظر احسن تعیّن ہُوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مجھے جس وقت بھی دیکھتے تبسّم فرماتے۔ خواہ غم کی حالت میں بھی ہوتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تبسّم شریف کا باعث صحابیؓ مذکُور میں حُسن وجمال کا وصف تھا نہ کوئی اَور چیز۔

بعدہٗ فرمایا۔ کہ ایک دِن حضرت سُلطان العاشقین محبُوب الٰہیؒ اپنے چند خواص کے ساتھ کسی بازار میں جا رہے تھے۔ امیر خسروؒ بھی ساتھ تھے۔ بازار میں حضرتؒ کی نظر مُبارک کسی امرد پر پڑی۔ امیر خسروؒ چُونکہ حضرتؒ کے مزاج دان تھے سمجھ گئے کہ بالفعل حضرتؒ کا تقاضا طبعی یہ ہے۔ کہ ایک ساعت یہ امرد قیام کرے تاکہ اُس کے صفحۂ رُخ پر جمالِ الٰہی کا مطالعہ ومشاہدہ بوجہ احسن کیا جائے۔ امیر صاحبؒ نے اُسے روکنے کے لیے سرِ بازار رقص شروع کر دیا۔ وُہ امرد بغرضِ تماشا ٹھہر گیا اَور دُوسرے لوگ بھی بھاری تعداد میں جمع ہو گئے۔ امیر صاحبؒ کچھ دیر تک اِس شغل میں سرگرم رہے۔ آخر جب احساس کیا کہ حضرتؒ کی طبع مُبارک نے اعراض فرمایا ہے تو رقص بند کر دیا جب حضرت محبُوب الٰہیؒ اپنی جگہ پر واپس پہنچے۔ فرمایا "تُرک آج خُوب ناچ کیا" حضرت محبُوب الٰہی صاحبؒ امیر خسروؒ کو تُرک فرمایا کرتے تھے کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ حضرتؒ کے اِن ارشادات کا لُبّ لُباب اَور منشاء یہ ہے کہ بعض اَوقات جمالِ الٰہی کے مشاہدہ ومطالعہ کے لیے حضرات اہل اللہ کے مطمحِ نظر اچھی صُورتیں یا تعینات لطیفہ ہُوا کرتے ہیں اشعار ذیل سے سمجھنا چاہیے۔

حافظؒ ؎ اے نورِ خدا در نظر از روئے تو مارا بگزار کہ بر روئے تو بینیم خدا را

اے خدا کے نور تو اپنے چہرے کو ہماری نظروں میں رہنے دے کیونکہ ہم اس چہرے میں خدا کو دیکھتے ہیں

جامیؒ ؎ حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ پس بچشم عاشقاں خود را نظارہ کردۂ

تم نے اپنے حسن کو حسینوں کے چہروں سے ظاہر کیا ہے اور پھر عاشقوں کی آنکھوں سے اپنے حسن کا نظارہ کرتے ہو

دیگرے ؎ من کہ در صورتِ خوباں ہمہ اُو می نگرم تو مپندار کہ من رُوئے نکو می نگرم

میں معشوقوں کی صورت میں اُسی کو دیکھ رہا ہوں، یہ نہ سمجھو کہ میں خوبصورت شکل کو دیکھ رہا ہوں

مستان شاہؒ ؎ عینکِ حق نمائے اہلِ بصر حُسنِ نیکوئے مہوشاں باشد

اہلِ بصیرت کے لیے چاند سی صورت والوں کا حُسن حق کو دیکھنے والی عینک کا کام کرتا ہے

ملفوظ ۔ ۴۱

ایک دن آپ بعد نمازِ عصر دولت خانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ بندہ اور چند اشخاص ہمراہ تھے۔ جب نالہ کے درمیان میں پہنچے۔ فرمایا "جن دنوں میں ہندوستان میں تھا۔ میں نے عالمِ رؤیا میں دیکھا کہ یہاں اِس جگہ بیٹھا ہوں (نالہ کے دائیں طرف اشارہ فرمایا) اور اِس طرف سے ایک زبردست سیلاب آتا دکھائی دیا جب وُہ میرے قریب پہنچا۔ میں نے درُود شریف پڑھنا شرُوع کر دیا۔ درُود شریف کی برکت سے سیلاب واپس ہو گیا۔ بعدہٗ فرمایا کہ اُن ایام میں مَیں درُود شریف بہت پڑھا کرتا تھا" کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ کثرتِ درُود شریف کے آثارِ برکت عالمِ رؤیا میں ظاہر ہُوئے۔

پھر وہاں سے چند قدم آگے جا کر فرمایا کہ بچپن میں مَیں ایک دِن یہاں ڈُوب گیا تھا۔ (اور اشارہ نالہ کے بائیں طرف فرمایا) یہاں ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں مَیں غسل کیا کرتا تھا۔ ایک دن جب غسل کے لیے اس میں داخل ہوا تو نیچے ہی چلا گیا۔ لیکن سر کے کچھ بال پانی سے باہر رہے۔ اِتفاقاً ایک عورت کوزہ میں پانی بھرنے کے لیے آئی۔ اُس نے دیکھا کہ اِنسانی سر کے بال ہیں۔ فوراً اپنا کوزہ چھوڑ کر مجھے باہر نکالا۔ جب مجھے پہچانا تو بہت مہربانی سے پیش آئی۔

ملفوظ ۔ ۴۲

ایک دِن آپ مجلس خانہ میں رونق افروز تھے۔ صاحبزادہ محمد امین صاحب سیالوی بھی موجُود تھے۔ ان کے ساتھ ایک شخص سفید ریش شرف الدین نامی تھا جو صاحبِ حال معلوم ہوتا تھا۔ صاحبزادہ صاحب اس کے ساتھ بطور خُوش طبعی گفتگو فرماتے۔ اور حضورؒ کو بھی گفتگو میں شامل کرنے کی کوشش کرتے۔ حضورؒ نے جواب میں فرمایا ؎

یہ مہر محبّت کی باتیں یا یہ جانے یا وُہ جانے

پھر آپ نے فرمایا "ایک درویش تھا کسی نے اُس سے پُوچھا "حلوا خوب ہے یا گوشت"؟ درویش نے جواب دیا "مجھے کیا"؟ اس نے کہا "تیرے لیے اُنہوں نے پکایا ہے"۔ درویش نے کہا "پھر تجھے کیا"؟

تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے عرض کیا کہ حضُور فلاں شخص نے مجھے نہایت تنگ کیا ہوا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس پر نالش کر دُوں۔ آپ نے جواب میں فرمایا ؎ یہ چھیڑ عداوت کی باتیں یا تم جانو یا وُہ جانے

کاتب الحرُوف کہتا ہے شاید اس میں یہ اشارہ ہے کہ سالک کو جہان کے نیک و بد سے کیا کام۔ اس کو ہر وقت کلی توجہ جنابِ الٰہی کی طرف رکھنی چاہیئے اور بس۔ مترجم کہتا ہے۔ قبلہ بابُوجی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالمؒ بسا اوقات شاہ نیاز احمدؒ صاحب بریلوی کی یہ غزل سماع فرمایا کرتے تھے۔ جس کا مقطع یہ ہے ۔

دُنیا کے نیک و بد سے کام ہم کو نیازؔ کچھ نہیں ہستی سے جو گزر گیا، پھر اُسے کیا جو ہو سو ہو

حضرت بابُوجی خود بھی اس غزل کو بکثرت سماع فرماتے ہیں۔ اور یہ شعر اُنہیں بھی بہت پسند ہے۔

ملفُوظ۔ ۴۳

ایک دن ایک شخص نے عرض کیا کہ فلاں شخص مرگی کے مرض میں مُبتلا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز عنایت فرمائی جائے کہ اُسے آرام ہو۔ آپ نے فرمایا "نمک پر سُورہ فاتحہ، بار دم کر کے تھوڑا تھوڑا بطریقِ ذیل استعمال کرائیں۔ قبل از طعام۔ بعد از طعام۔ رات سونے سے پہلے، صبح جاگنے کے بعد۔ طعام چُونکہ دو وقت ہوتا ہے۔ اِس طرح یومیہ چھ بار ہوا۔ استعمال کے بعد اگر مرض کا زور کم ہو جائے۔ یا بالکل آرام آجائے۔ تب بھی نمک کو اسی طرح دو تین ماہ ارام آنے کے بعد بھی استعمال کیا جائے۔ اگر مریض نے ہمیشہ استعمال کیا تو اِنشاء اللہ مرض کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

ملفُوظ۔ ۴۴

کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ ایک رات سیال شریف کے سفر میں میاں محمد حیات قریشی کی جگہ بمقام صابو وال خوابگاہ میں آپ کی خدمت کے لیے میرا تقرر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ رات کو حالتِ خواب میں آپ اپنی زبانِ حقائق بیان سے یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

چشم بتو اُفتاد و وجُودم ہمہ حک شُد ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شُد

(میری آنکھ تجھ پر پڑی تو میرا وجُود کلی مِٹ گیا۔ جو چیز نمک کی کان میں جا پڑے وُہ خود بھی نمک ہو جاتی ہے)

جب آپ نے نمازِ تہجّد کے لیے وضو فرمایا تو میں نے یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "ایسے واقعات یاد نہیں رہتے اِس لیے تحریر کر لینے چاہئیں"۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے شعر مذکُور مقامِ فنا در فنا کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک غزل میں بھی اپنے اِس مقام کی خبر دی ہے۔ فرمایا ہے ۔

اَلْمُلْکُ لِمَنْ غَلَبَ نایست زمن باقی واز قُرب مع اللّٰہی بر تر شُدہ زاں کارم

سُبحان اللہ، سُبحان اللہ، سُبحان اللہ۔ یہ ساری غزل قبل ازیں لکھی جا چکی ہے۔

ایک دُوسری رات کسی جگہ عالمِ رویا میں کاتب الحرُوف نے دیکھا کہ آیت ذیل چھت پر اس طرح تحریر ہے۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا (ای تعیاتنا و تشخصاتنا) فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ بعد سیال شریف کے سفر میں جب ایک دن کشتی میں حضُور اقدسؒ کے ہمراہ سوار ہوا۔ تو موقعہ پا کر خواب بیان کیا۔ فرمایا "اس قسم کے رویائے کے برکات و انوار و تجلیات کے آثار ہوتے ہیں۔ جو مُرید پر حسب الاستعداد عالمِ بالا سے وارد اور طاری ہوتے ہیں"

پھر اسی موقعہ پر کاتب الحرُوف نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم مصرعِ ذیل کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

ع معشُوق و عشق و عاشق ہر سہ یوند واحد

عاشق و معشوق کا اتحاد، تو اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اطلاق میں عاشق اور تعین میں معشوق مُراد رکھا جائے لیکن اتحادِ عشق کیا معنے رکھتا ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا لفظ عشق سے مصدری معنی مُراد نہیں بلکہ اس کا مصداق مُراد ہے۔ کاتب الحروف کہتا ہے مجرد اس ارشاد اور تلقین کے امُورِ مذکورہ کا اتحاد ذوقاً و وجداناً آپ کی برکت سے میرے سامنے رُونما ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک والشکر للمنعم المالک۔

ملفوظ ۔ ۴۵

ایک دن آپ محفل خانہ میں رونق افروز تھے۔ رحمتِ الٰہی کی وُسعت اور عاصیوں کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت مخدُوم جہانیاں جہاں گشتؒ لکھتے ہیں۔ (انہوں نے قاف سے قاف تک تین بار سیر کی ہے) کہ میں ایک دن ایک جزیرہ میں تھا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ ایک بہت بڑا بچھو نہایت تیزی سے چلا آتا ہے۔ اُس کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص کام کے لیے جا رہا ہے۔ میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ تاکہ دیکھوں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ وُہ اُسی طرح جا رہا تھا کہ اُس کے سامنے پانی کی ایک موج آئی۔ اُس نے اُسے بھی عبُور کیا اور آخر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک درخت کے نیچے ایک جوان مخمُور بے ہوش پڑا تھا۔ شراب کی بوتل اُس کے سرہانے موجُود تھی۔ بچھو جوان کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہُوں۔ کہ ایک سانپ درخت سے اُتر کر جوان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ بچھو نے فوراً ہی بڑھ کر اُس سانپ کو نیش لگایا۔ سانپ بچھو کا نیش لگتے ہی فوراً گرا اور مر گیا حضرت مخدُوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حال کے مشاہدہ سے نہایت متعجب ہوا۔ اور بارگاہِ الٰہی میں متوجہ ہوا۔ کہ بارِ الٰہا یہ کیا راز ہے۔ فرماتے ہیں سروشِ غیبی نے ندا دی۔ کہ اے مخدُوم! اگر نیکوکاروں اور اطاعت کرنے والوں کا میں ناصر ہُوں تو عاصیوں اور گناہگاروں کا بھی میں ہی حافظ ہُوں۔ کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ کسی نے خُوب کہا ہے ؎

بندے اگر قصُور نہ کرتے قصُور تھا ۔۔۔ موقُوف جرم پہ ہی کرم کا ظہُور تھا

اور حافظ شیرازیؒ نے فرمایا ہے ؎

کہ مُستحقِ کرامت گناہگارانند

ملفوظ ۔ ۴۶

جن دنوں حضُور قبلۂ عالم میاں عبدُالرحیم صاحب سیٹھی کی فاتحہ خوانی کے لیے پشاور تشریف لے گئے تھے۔ ایک روز وہاں مجلس میں فرمایا کہ حضرت مرزا جانِ جاناں صاحبؒ کے زمانہ میں اہلِ سُنّت والجماعت اور شیعہ کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا۔ اہلِ سُنّت نے اہلِ تشیّع کے کُفر پر استفتا تیار کیا۔ چُونکہ حضرت مولانا فخرالدّین صاحبؒ اُن کے ہم عصر تھے۔ اُن کی خدمت میں بھی استفتا حاضر کیا گیا۔ حضرت مولاناؒ نے استفتا کو ملاحظہ فرما کر اس کے نیچے رُباعی ذیل تحریر فرمائی۔

رُباعی

نہ سُنّی ام کہ کُنند رافضی گِلہ احمق ۔۔۔ نہ رافضی کہ کُنند سُنّیم گریباں شق

مُرید حضرتِ عشقم دگر نمے دانم ۔۔۔ کُدام بر سرِ باطل، کُدام بر سرِ حق

ترجمہ :- نہ میں سُنّی ہُوں کہ احمقِ رافضی گلہ کرے اَور نہ رافضی ہُوں کہ سُنّی دستِ بگریبان ہو۔ میں تو حضرتِ عشق کا مُرید ہُوں اَور نہیں جانتا کہ کون حق پر ہے اَور کون باطل پر۔

اہلِ ذوق لوگ تو نہایت محظُوظ ہُوئے لیکن بے خبر آدمی حیران ہُوئے کہ حضرت نے یہ کیا لکھ دیا۔

ملفُوظ - ۴۷

ایک دِن مسجد میں بعد نمازِ عصر جناب مولوی محمد غازی خان صاحب کو مخاطب کر کے اِرشاد فرمایا۔ کہ خارجیوں کے گروہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شان میں نہایت تفریط کی ہے۔ حتّٰی کہ حدیث انا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں بھی تاویل کر دی ہے کہ لفظ علی علو سے نکلا ہے۔ یعنی میں علم کا شہر ہُوں اَور اِس شہر کا دروازہ بلند ہے۔ نہ یہ کہ مُراد لفظ علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔

ملفُوظ - ۴۸

ایک مرتبہ راقم الحرُوف سفرِ پاک پتن شریف میں حاضر [illegible] ایک [illegible] مجلس میں [illegible] ہیر رانجھا و مجنُوں وغیرہ کا ذِکر آگیا۔ اِس مجلس میں مشہُور شاعر میراں شاہ اَور کچھ قوّال لوگ بھی حاضر تھے۔ ہر ایک [illegible] نے کوئی قِصّہ اِن حضرات سے متعلقہ بیان کیا۔ چُونکہ ان کی باتیں بے بُنیاد اور ناقابلِ اِعتماد تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجلس میں بے سند اَور غیر معتمد کلام نہ کرنا چاہیئے۔

بعدہٗ خود حضُورؒ نے زبانِ دُرفشاں سے مجنُوں کے متعلق یُوں اِرشاد فرمایا۔ کہ مجنُوں کا یہ قِصّہ جو لوگوں میں مشہُور ہے کہ مجنُوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت سے پہلے گذرا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک روز اُس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ قبر شق ہو گئی۔ اور مجنُوں باہر نِکلا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "میں کون ہُوں؟" اس نے کہا "آپ کی آنکھیں لیلیٰ کی سی معلوم ہوتی ہیں" پھر مشرف باسلام ہو کر مر گیا۔ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مجنُوں عرب میں پیدا ہُوا۔ اس کی ماں حضرت اِمام حسن علیہ السّلام کے دولت خانہ میں خدمت کیا کرتی تھی۔ اَور وُہ حضرت موصُوفؑ کا رضاعی بھائی بھی تھا۔ اس کا اسم محض قیس تھا۔ ایک دِن حضرت اِمام حسن علیہ السّلام بنی اُمیّہ کے عہدِ اِمارت میں اُونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ قیس بھی آپ کے ہم رکاب تھا۔ حضرت اِمام حسن علیہ السّلام نے قیس کو بھائی سمجھ کر بطور اظہارِ تاسّف فرمایا کہ "قیس تُو نے دیکھا قوم بنی اُمیّہ نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا"۔ قیس نے جواب میں کہا۔ "بھائی اگر سچ کہا جائے تو یہ خلافت نہ آپ کا حق ہے نہ بنی اُمیّہ کا۔ بلکہ لیلیٰ کا حق ہے"۔ حضرت اِمام حسن علیہ السّلام نے متعجب ہو کر فرمایا "انت مجنون" یعنی تُو دیوانہ ہے۔ میں کیا کہتا ہُوں اَور تُو کیا الاپتا ہے۔ چُونکہ لفظ مجنُوں حضرت موصُوفؑ کی زبان سے نِکلا تھا۔ اِس لیئے قیس جہان میں مجنُوں کے نام سے مشہُور ہو گیا۔

حضُورؒ نے اِستشہاداً فرمایا کہ یہ قِصّہ ایک عالِم نے جو میرا رفیق تھا کسی کتاب میں دیکھا تھا لیکن مجھے اُس کتاب کا نام یاد نہیں رہا۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے۔ واقعی لیلیٰ کے عشق میں مجنُوں ایسا منہمک اَور مستہلک ہُوا تھا کہ ہر وقت اس کے سر میں سوائے خیالِ لیلیٰ اَور کوئی خیال راہ نہ پاتا تھا۔ کسی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

چو مجنُوں رفت اندر خلوتِ خاک   ندا آمد ز حضرتِ ایزدِ پاک
جب مجنُوں دفن ہُوا تو خُدا کی طرف سے ندا آئی
کہ اَے مجنُوں چہ آوردی بدرگاہ   برآمد از دلِ مجنُوں یکے آہ

کہ اَے مجنُوں میری بارگاہ میں کیا لاتے ہو۔ مجنُوں نے یہ سُن کر آہ نکالی (اَور کہا)

کہ یارب شورِ لیلےٰ در سرم بُود ‎ کُجا پروائے کارِ دیگرم بُود

کہ خُداوندا میرے سر میں تو لیلےٰ کا خبط تھا مجھے کسی دُوسرے کام کی کیا خبر ہوتی

ہنوزم شورِ لیلیٰ منعدم نیست ‎ چہ خواہی از دمِ مجنُوں کہ دم نیست

ابھی تک بھی لیلیٰ کا یہ خبط کم نہیں ہوا مجنُوں جب ہے ہی نہیں تو مجنُوں سے کیا چاہتا ہے

کسی اَور نے کہا ہے ؎

کسی نے گر کہا مجنُوں تمہیں اللہ بُلاتا ہے ‎ کہا مجنُوں نے مِلنا ہے تو لیلیٰ بن کے آ جائے

اَور

سیاہ پوش جو کعبہ کو قیس نے دیکھا ‎ ہوا نہ ضبط تو چِلّا اُٹھا کہ یا لیلیٰ

جو قیس کعبہ میں پہنچا تو یہ دُعا مانگی ‎ اِلٰہی مجھ سے نہ ہو دُور اُلفتِ لیلیٰ

ملفُوظ ۔ ۴۹

ایک دِن مجلس میں خُدا اَور رسُولؐ کی محبّت کے متعلّق ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرّہ الاطہر نے فتُوحات میں مجنُوں کا شعرِ ذیل لکھا ہے ؎

اُحِبُّ لِحُبّھا السودان حتّٰی ‎ اُحِبّ لحبھا السود الکلاب[1]

(یعنی میں لیلیٰ کی محبّت میں ہر سیاہ چیز کو پیار کرتا ہُوں۔ حتّٰی کہ سیاہ رنگ کے کتّوں کو بھی اسی وجہ سے چاہتا ہُوں)

فرمایا کہ ایک عورت کی محبّت کا دم بھرتے ہُوئے مجنُوں کا تو یہ حال تھا۔ اگر کوئی شخص خدا اَور اُس کے رسُولؐ سے محبّت کا دعوےٰ کرے اَور پھر اُس میں اِتنا سا جذبہ بھی نہ ہو تو اُس پر حیرت ہے۔

ملفُوظ ۔ ۵۰

ایک دِن آپ مسجد شریف میں نمازِ عصر کے بعد خلق اللہ سے ارشاد کے لیے رونق افروز تھے۔ فِدوی نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم! دُوئی کا وہم کہاں سے پڑا؟ فرمایا "جہاں سے کثرت شروع ہُوئی یعنی تنزّل سے۔" بعدہٗ فرمایا۔ کہ ایک دفعہ یہاں قریہ گولڑہ میں ہندوؤں کا ایک بڑا سادُھو وارد ہوا۔ اہلِ ہنود نے اس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ میں ایک دِن اپنے باغیچہ میں بیٹھا طلبا کو سبق پڑھا رہا تھا کہ ناگاہ وُہ سادُھو اپنے چند حواریوں کے ساتھ آیا۔ اَور شہتوت کے درخت کے نیچے بہت دیر کھڑا رہا۔ جب میں فارغ ہوا تو میرے پاس آکر خود بخود توحید کے متعلّق کلام شروع کر دیا۔ طُرفہ یہ کہ یہ لوگ اہلِ اسلام کو اِن باتوں سے بے خبر جانتے ہیں۔ جب وُہ کلام سے فارغ ہوا۔ میں نے کہا "جو کچھ تم نے کہا ہے اہلِ اسلام بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ لیکن سوال و قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ او سُبحانہٗ و تعالیٰ بالاتفاق جہل اَور لاعلمی سے مبرّا و منزّہ ہے۔ اَور اس کی مخلُوق کے دو فرقے ہیں۔ ایک سادُھو اَور دُوسرا گرہستی۔ (ان کی اصطلاح میں صاحب

---

[1] واضح ہو کہ لیلیٰ "لیل" یعنی رات کی وجہ سے مجنُوں کو سیاہ چیز پیاری لگتی تھی یہ غلط ہے کہ لیلیٰ سیاہ رنگ تھی۔ ۱۲

تجرید و تفرید کو سادھو کہتے ہیں اُور صاحبِ تعلّق دُنیاوی کو گرہستی) پس کیا وجہ ہے کہ سادھو کو تو اُوسُبحانہ و تعالیٰ کے متعلق یہ علم ہے کہ غیر نسبت ہمہ اوست۔ اُور غیر سادھو لاعلمی کا شکار ہے (یعنی سادھو کو تو حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کے ہمہ اوست ہونے کا علم ہے دُوسرے کو نہیں۔ مترجم) چاہیئے تو یہ تھا کہ دونوں کو اس امر کا شعوُر اُور وقوف ہوتا کیونکہ دونو کو اُسی علیم اُور خبیر نے تخلیق کیا تھا۔" سادھو حیران اُور لاجواب ہوگیا۔

بعدہٗ آپ نے فرمایا کہ دراصل یہ لاعلمی بھی باقی لوازمِ بشری کی طرح ایک صفتِ تنزل ہے نہ اطلاق۔ پس جیسا کہ تنزل میں باقی لوازمِ بشریہ مثلِ اکل و شرب وغیرہ سے مقیدّ ہو کر اس کی ردائے تقدس آلُودہ نہیں ہُوئی ایسا ہی یہاں بھی سمجھنا چاہیئے۔

ملفُوظ ۔ ۵۱

ایک دن آپ زیب آرائے محفل دربار تھے۔ فلاںؒ یتکلم بالخواطر کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا "جُملہ مذکورہ کا معنے یہ ہے کہ عارف و شیخ کبھی تو حاضرین و معتقدین کے دِلی خطرات سے آگاہ ہو کر ان کا اظہار کر دیتے ہیں۔ یعنے اُن کے متعلق کلام و گفتگو فرماتے ہیں۔ اُور کبھی سکوُت فرماتے ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں سیال شریف حافظ عبدالقدوس صاحب کے ہمراہ عُرس پر حاضر ہوا تھا۔ ایک دن سب لوگ فصل گندم کی کٹائی کے لیے چلے گئے۔ چُونکہ حافظ صاحب خُوش طبع آدمی تھے۔ حضرت ثانیؒ اُن کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے کہ تمہاری خوش طبعی سے کام جلد ختم ہو گا۔ پیچھے صرف میں اکیلا رہ گیا۔ حضرتِ اعلیٰؒ اپنی جگہ مُبارک میں رُوبقبلہ رونق افروز تھے۔ اُور میں مشرق کی طرف ذرا فاصلہ پر پسِ پردہ بیٹھا تھا۔ مجھے وہاں بیٹھتے وقت بھی حضرتِ اعلیٰؒ نے نہ دیکھا تھا۔ اِس اثناء میں جنوب کی طرف سے ایک شخص نے حاضر ہو کر واپس جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ حضرتِ اعلیٰؒ نے اپنی زبانِ مُبارک سے اس کا نام لے کر فرمایا۔ "شاہ صاحب جاتے ہو؟" (وُہ شخص علاقہ چنیوٹ کے سیّد صاحب تھے) یہ سُن کر میرے دِل میں خیال گذرا کہ کیا خوش قسمت آدمی ہے جس کا نام حضرت صاحبؒ نے اپنی زبانِ مُبارک سے ادا فرمایا ہے۔ جب وُہ شخص چلا گیا تو حضرت صاحبؒ نے مشرق کی طرف متوجہ ہو کر اپنا سرِ مُبارک اُونچا کر کے فرمایا کہ

"ہک دن مہر علی شاہ ساڈا بھی چلا جاسی"

گویا حضرت صاحبؒ نے تکلّم بالخطرہ فرمایا۔ اُس روز سے میں اپنا نام مہر علی شاہ لکھا کرتا ہُوں۔ کیونکہ شیخ کی زبانِ مُبارک سے نکلا ہے۔ ورنہ میرا ابتدائی نام مہر شاہ تھا۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے واقعات اُور عجائبات اُور بھی بہت دیکھے اُور سُنے ہیں۔ چُنانچہ جب میں یہاں طلباء کو سبق پڑھایا کرتا تھا۔ ایک دن فجر کی نماز پُرانی مسجد میں ادا کر کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ میرے پیچھے ایک شخص سفید ریش کابلی کہ پیر صاحبؒ کلاں کی خدمت میں رہتا تھا وُہ بھی روانہ ہوا۔ میں نے اُس سے پُوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں آتے ہو۔ اُس نے موجُودہ مسجد و مہمان خانہ وغیرہ کے رقبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "آپ دیکھیں گے اِس جگہ تک یہ سارا محلّہ آپ کا ہو گا"۔ بعد میں جب مسجد و مہمان خانہ وغیرہ کی تعمیر ہو رہی تھی اُس شخص کی بات مجھے یاد آگئی کہ سُبحان اللہ اُس نے چند سال پہلے ہی ان واقعات کونیہ کی قبل الوقوع خبر دی تھی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند حضرت صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب مدظلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس مکان میں اَب یہ رہتے ہیں وُہ پہلے قوم سُہال کی ملکیّت تھا۔ قوم سُہال کے افراد سکھا شاہی کے زمانہ میں صاحبِ قلم اُور قانُون دان تھے۔ میں نے حضرت اعلیٰ صاحبؒ کی زبانِ مُبارک سے سُنا ہے کہ ایک دن بڑے ماموں صاحب (حضرت پیر صاحب روضہ والے کے بڑے بھائی) بچپن میں میرا ہاتھ پکڑ کر

اپنی زمین میں مکان مذکور کے مقابل کھڑے تھے۔ مکان کے مالک قوم سُہال نے آواز دے کر کہا کہ "پیرجی! ہمیشہ آپ کو کہا جاتا ہے کہ اِس جگہ کی حد بندی کرو۔ مگر آپ خیال نہیں کرتے۔" ماموں صاحب نے جواب میں فرمایا "غم مت کرو۔ یہاں بھی کوئی ہمارا ہی عزیز آباد ہوگا۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ماموں صاحب کا یہ کلام بھی از قسمِ اخبار واقعاتِ کونیہ قبل از وقوع فی الخارج تھا۔ میری غرض ان حکایتوں سے یہ ہے کہ جو شخص اہل اللہ کے مرتبہ سے بے خبر ہوتا ہے وُہ تو کہتا ہے کہ یہ وہمی خیال لوگ ہیں۔ اور ان کی اکثر باتیں عقل اور فہم میں نہیں آتیں لیکن جن لوگوں نے اُن کے اِس قسم کے واقعات بارہا مشاہدہ کیے ہوں وُہ بھلا کیسے ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ دراصل اوّل الذکر بے چارے بے خبر ہونے کے باعث ایسا سمجھتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ولی کا طریقۂ تکلّم بالخطرہ یہ ہے کہ جب وُہ چاہتے ہیں کہ کسی کے خطرہ پر واقف ہوں تو ایسا کرنے کے لیے وُہ کسی خارجی چیز کے محتاج نہیں ہوتے۔ بلکہ وُہ اپنے نفس کو تخلیہ میں کرکے اُسے اُس شخص کی طرف متوجّہ کرتے ہیں۔ ناگاہ اُن کے دِل میں کوئی چیز اجمالاً ظاہر ہوتی ہے اس کی مثال یُوں سمجھنی چاہیئے جیسا کہ پہلے مچھلی پانی سے صرف سر باہر نکالے اور بعدہٗ اس کے متّصل کوئی چیز تفصیلاً ظہُور پائے۔ یہ ظہُورِ ثانی پہلے اجمال کی تفصیل اور اس کی تعبیر ہوتی ہے۔ اکثر تو اس تعبیر کے مطابق ہی واقعہ خارج میں ظہُور پاتا ہے لیکن کبھی کبھار اس میں خطا بھی واقع ہو جاتی ہے یعنی کشفِ ولی میں تو خطا نہیں ہوتی لیکن اُس کی تعبیر میں خطا ہو سکتی ہے۔ اور خطاء فی التعبیر اولیا بلکہ انبیاء سے بھی واقع ہُوئی ہے۔ چنانچہ سال حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہُوئے۔ بناء بریں مدینہ طیّبہ سے اسی قصد سے روانہ ہُوئے لیکن جب حدیبیہ میں پہنچے تو کفّارِ مکّہ مانع ہوئے۔ آخر اس پر صلح ہوئی کہ آپؐ آئندہ سال مکّہ میں داخل ہوں" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسُولؐ اللہ مکّہ میں داخلہ تو آپ کو بطریقِ رؤیا معلوم ہوا تھا پس تخلّف کیسے واقع ہوا۔ فرمایا "مقصودِ اصلی مکّہ میں داخل ہونا ہے خواہ وُہ امسال ہو یا آئندہ سال" پس خطاء فی التعبیر ہے نہ اصل واقعہ میں۔ اور نبی اور ولی میں فرق یہ ہے کہ خطا پر باقی رہنا نبی کے لیے نہیں ہوتا مگر ولی کے لیے یہ ممکن ہے۔

کاتب الحرُوف کہتا ہے اِس مقام پر حضورِ اقدسؒ کی ایک عبارت جو بعض مکتُوبات میں آپ نے تحریر فرمائی تھی بعینہٖ بطورِ تشریح و تفصیل تحریر کی جاتی ہے کیونکہ نہایت موزُوں ہے:۔

"و در ذہن ایں بے ہیچ وجہ وجیہہ برائے تفسیرِ حضرت شیخؒ آنکہ، از مسلّمات است کہ رؤیا الانبیاء وحیٌ یعنی خوابِ پیغمبراں از قسمِ وحی است۔ و در وحی امکانِ خطاء و مجالِ توہّم نے۔ آرے خطاء فی التعبیر منافی نیست بشانِ نبوّت۔ چہ تعبیر از قبیلِ وحی نیست بلکہ منشائش اجتہاد است۔ وھو قد یخطی وقد یصیب چنانچہ حدیث فذھب وھلی انھا الیمامۃ وارادۂ مکّہ معظّمہ بعد رؤیت دخول در مسجدِ حرام وامثالہا شاہد اند بر آں نعم بقاءً علی الخطاء مطلقاً منافی شانِ نبوّت است پس بر تقدیر مکشوف ومشہودِ حضرت شیخؒ خطا فی الوحی لازم نمی آید بلکہ خطاءً فی الاجتہاد یعنی تعبیری راعین شمردن ولا شائبۃ فیہ۔ بخلافِ زعمِ مخالف کہ در آں صورت خطا در خوابِ پیغمبر متصوّر مے شود کہ بوجہ لزُومِ خطا فی الوحی ناممکن است۔"

ترجمہ:۔ اِس بے ہیچ کے ذہن میں حضرت شیخؒ کی تفسیر کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسلّمہ امر ہے کہ پیغمبروں کے خواب از قسمِ وحی ہوتے ہیں۔ اور وحی میں خطا کا امکان اور توہّم کی مجال نہیں ہے۔ ہاں خطاء فی التعبیر شانِ نبوّت کے منافی نہیں۔ کیونکہ تعبیر از قسمِ وحی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا منشاء اجتہاد ہے۔ اور اجتہاد میں خطا و صواب دونو محتمل ہیں۔ چنانچہ حدیث فذھب وھلی انھا الیمامۃ میں

اَور اِرادۂ مکہ معظمہ بعد رؤیت، دخولِ مسجدِ حرام اَور اِس طرح کی دیگر امثال اِس پر شاہد ہیں۔ ہاں بقا علی الخطا مطلقاً شانِ نبوّت کے منافی ہے۔ پس حضرت الشیخ رح کے مکشوف و مشہود کی بنا پر خطائی الوحی لازم نہیں آتی۔ بلکہ خطائی الاجتہاد یعنی تعبیری کو عین سمجھنا اَور اس میں کوئی مناقشہ نہیں۔ برخلاف زعم مخالف کے کہ اِس صورت میں خوابِ پیغمبر میں خطا متصوّر ہوتی ہے جو بوجہ لزوم خطائی الوحی ناممکن ہے۔ انتہیٰ۔

(خطائی الرّؤیا تسلیم کرنے سے خطائی الوحی لازم آتی ہے جو ناممکن ہے۔ ولایمکن الخطاء فی الوحی۔ مترجم)

ملفوظ۔ ۵۲

ایک دِن فصوص الحکم کے سبق کے دَوران آپ نے عبارتِ ذیل فذلك هو عین صفا خلاصة خاصة الخاصة من عموم اهل الله کی اِس طرح تشریح فرمائی۔ کہ عموم اہل اللہ سے مُراد عام مومن ہیں۔ چنانچہ آیۃ کریمہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِسی معنی پر مشعر ہے۔ خواص اصحاب بدرجۂ قربِ نوافل ہیں۔ اَور وُہ اِس امر سے عبارت ہے کہ فاعل بندہ ہو اَور حق اس کا آلہ جیسا کہ حدیث لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی اکون سمعه و بصره سے ظاہر ہے۔ اخص الخواص اصحاب بدرجۂ قربِ فرائض ہیں۔ اَور وُہ اِس امر سے عبارت ہے کہ اللہ [illegible] بندہ اس کا آلہ یعنی بندہ بالکلیہ مسلوب الارادہ کالمیت عند الغاسل (جیسے میّت اپنے نہلانے والے کے ہاتھ میں) اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہو اَور بس۔ چُنانچہ فرمانِ الٰہی۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اِسی مفہوم سے مخبر ہے۔ صفا صاحبِ قاب قوسین ہوتا ہے۔ اَور قوسین عبارت ہے ہردو قوس وجُوبی و اِمکانی سے۔ یعنی احکام و آثار وجُوب و اِمکان ہردو کے اس کی ذات میں متحقق ہوں۔ عین صاحب اَو اَدنیٰ ہوتا ہے یعنی صاحبِ جمع الجمع کہ نہ اس کی جمع مانع تفرقہ ہو اَور نہ اس کی تفرقہ مانع جمع۔ یعنی اِس مقام میں نہ وحدت مانع کثرت ہوتی ہے اَور نہ کثرت مانع وحدت۔ اَور اس کو صاحب اَدوارِ ثلثہ بھی کہتے ہیں۔

ملفوظ۔ ۵۳

ایک دِن دربارِ شریف میں آپ نے فتوحاتِ مکیہ سے متعلقہ مندرجہ ذیل حقائق بیان فرمائے۔ "اَولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے جو جس وقت چاہیں اپنا بدل (مثالی صُورت) قائم کر لیتے ہیں۔ اِس طرح سے کہ بدل کی صُورت بعینہٖ اُنہی کے مشابہ ہوتی ہے اَور دیکھنے والا اُسے اصل ہی سمجھتا ہے۔ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ بدل ہے۔ حالانکہ دراصل وُہ بدل ہوتا ہے۔ اَور اگر کسی شخص کا بدل کہیں ظاہر ہو لیکن وُہ خود اس سے بے خبر ہو۔ تو وُہ شخص ابدال سے نہیں ہے۔ اَور ابدال کی تعداد سات ہے نہ اس سے زائد ہوتے ہیں نہ کم۔ اَور یہ سات ابدال سات اقالیم کے اقطاب ہوتے ہیں۔ صاحبِ اقلیمِ اوّل [1] حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قدم پر۔ دوئم [2]، حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے قدم پر۔ سوئم [3] حضرت ہارُون علیہ السّلام کے قدم پر۔ چہارم [4] حضرت ادریس علیہ السّلام کے قدم پر۔ پنجم [5] حضرت یُوسف علیہ السّلام کے قدم پر۔ ششم [6] حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے قدم پر اَور ہفتم [7] حضرت آدم علیہ السّلام کے قدم پر چلتا ہے۔

حضرت الشیخ اکبر رح نے فرمایا ہے کہ گاہے نقباء کو بھی ابدال کہتے ہیں۔ اَور نقباء بروج افلاک کے عدد پر بارہ [12] ہیں نہ اِس سے زائد ہوتے ہیں نہ کم۔ اَور ہر نقیب برج منسُوب کی خاصیت اَور اسرار اَور اُن کواکب کی تاثیرات اَور خواص سے باخبر ہوتا ہے جو اس بُرج میں نزول پذیر ہوتے ہیں اَور ان نقباء کو علمِ شرائع بھی عطا کیا جاتا ہے اَور وُہ نفوس میں پوشیدہ خیا[illegible]ت وافکار اَور اِس قسم کی دُوسری چیزوں کا بذریعہ کشف اِستخراج کرتے ہیں۔ اَور ابلیس ان پر مکشُوف ہوتا ہے۔ اَور وُہ ابلیس کے ان اُمور کو بھی جانتے ہیں جن کو ابلیس

خُود بھی نہیں جانتا۔ اور وُہ سعید اَو شقی کو اُس کے نقشِ قدم سے جان جاتے ہیں۔

اَور گاہے رَجبیُون کوا ؍ ں کہتے ہیں۔ اَور وُہ عدد میں چالیس ۴۰ ہیں۔ نہ اس سے زائد ہوتے ہیں نہ کم۔ رَجبیُون کہلانے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وُہ ماہ رجب میں اپنے مقام پر قائم ہوتے ہیں اور باقی سال گشت کرتے رہتے ہیں جب ماہ رجب آتا ہے تو ان پر پہلے روز اتنا بھاری بوجھ مسلط اور غالب ہوتا ہے کہ اُنگلی ہلانے کی طاقت بھی نہیں رہتی۔ دُوسرے روز یہ بوجھ کسی قدر کم ہوتا ہے۔ اور تیسرے روز بالکل اُتر جاتا ہے۔ اور ان پر تمام ماہ رجب میں کشف وارد ہوتا ہے جو بعض کی صُورت میں تمام سال باقی رہتا ہے۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ مَیں اُن میں سے ایک کو ملا جس کا کشف تمام سال باقی رہتا تھا اور اُس پر روافض کا حال کشف ہوتا تھا روافض اُس کو خنازیر کی صُورت میں نظر آتے تھے۔ اگر اُن میں سے کوئی اُن کے سامنے بہ صدقِ دل توبہ کرتا تو وُہ اِنسانی صُورت میں نظر آنے لگتا۔ اور اگر صرف زبان سے جھُوٹی توبہ کرتا تو وُہ خنزیر ہی کی شکل میں رہتا۔ اور یہ اُس شخص کو بتا دیتا کہ تیرا توبہ کا دعوےٰ جھُوٹا ہے۔

ملفُوظ۔ ۵۴

ایک روز ایک بُخاری صاحب نے سُورۂ یٰسین شریف و چہل کاف شریف کے ورد کی اجازت طلب کی حضُورِ اقدسؒ نے ترتیب ذیل سے پڑھنے کی تلقین فرمائی سُورۂ یٰسین شریف سات ۷ بار یومیہ۔ اِس طرح کہ ہر مُبین تک سات ۷ دفعہ تکرار۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ ط ۱۶ بار۔ اور آیۃ اَوَلَمْ یَرَالْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ آخر سُورت تک ۳ بار۔ چہل کاف گیارہ ۱۱ بار یومیہ قبل از وتر چلّہ کے واسطے ۴۱ بار یومیہ چالیس دن پڑھے۔ بعدہٗ یومیہ گیارہ ۱۱ مرتبہ۔ گوشت وغیرہ اور اشیاء ثقیلہ کا استعمال ترک کرے اور روزے رکھے۔

اَور ایک دِن وِردِ سُورۂ مزمّل شریف کی اجازت بہ ترتیب ذیل فرمائی۔ بعد نماز صبح ۳ بار بہ تکرار آیت رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ۳۱۳ بار۔ بعد ختم یا وکیل ۶۶ مرتبہ۔

ایک دِن حافظ شیرازیؒ کا شعر ذیل زبانِ دُرفشاں سے سُنا گیا ؎

بُوَد کہ یار نہ پُرسد ز راہِ خُلقِ کریم — کہ از سوالِ مُلولیم و از جوابِ خجل

اُمید ہے کہ یار از راہِ خلقِ کریمانہ پرسش نہیں کرے گا کیونکہ اُس کے سوال سے ہم ملُول ہونگے اور اپنے جواب سے شرمندہ

ملفُوظ۔ ۵۵

ایک روز بعد نماز مغرب حجرۂ مُبارک میں جہاں حضُورِ انورؒ بذاتہٖ رونق افروز ہوتے تھے حالتِ جذب اور شوق میں گریہ و گداز سے مثنوی شریف کے اشعار ذیل آپ کی زبانِ مُبارک سے سُنے گئے۔ جو طالبانِ حق کے افادہ کے لیے درج ہیں۔ لیکن جو کیفیت دیکھنے اور سُننے میں آئی احاطۂ تحریر میں لانی ناممکن ہے۔ کیونکہ حضُورِ اقدسؒ گاہے بشوقِ تمام جہر فرماتے تھے۔ اور گاہے بذوق مالا کلام اشعار پڑھتے تھے اور گاہے جذبات میں محو ہو جاتے تھے۔ اِس واقعہ کے شاہدِ حال برادرم منشی عبدالجبّار صاحب وغیرہ ہیں۔ اشعار:-

چُوں تُو ذاتِ پیر را کردی قبُول — ہم خُدا در ذاتش آمد ہم رسُولؐ

پیر کو جب کر لیا تُو نے قبُول — آگیا اُس میں خُدا بھی اور رسُولؐ

گر جُدا بینی زحق تُو خواجہ را — گُم کُنی ہم متن و ہم دیباچہ را

گر جُدا دیکھے تُو حق کو خواجہ سے — متن و دیباچہ تُو دونوں گُم کرے

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو
چن لیا ہے پیر اب تسلیم کر　　مثل موسیٰ خضرؑ کی تعمیل کر
گر نبودے سِرّ حق اندر وجود　　آب و گل را کے تُک کردے سجود
رازِ حق ہوتا نہ گر اندر وجود　　آب و گل کو کب تُک کرتے سجود
من بہر جمعیّتے نالاں شدم　　جفتِ خوشحالان و بدحالاں شدم
میں ہر اک مجلس میں فریادی ہوا　　غم زدوں اور خوش دلوں کے منہ لگا
ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من　　وز درونِ من نجست اسرارِ من
سب نے یاری مجھ سے کی حسبِ گماں　　پر نہ ڈھونڈھے مجھ میں اسرارِ نہاں
ایں زماں جاں دامنم برتافتہ است　　بوئے پیراہانِ یوسفؑ یافتہ است
روح نے کھینچا ہے دامن مو بمو　　آ گئی پیراہنِ یوسفؑ کی بو
سِرّ من از نالۂ من دور نیست　　لیک چشم و گوش راآں نور نیست
دور نالے سے نہیں رازِ نہاں　　نور چشم و گوش میں لیکن کہاں
تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست　　لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست
جاں سے تن اور تن سے جاں کب ہے نہاں　　پر نہیں کرتا کوئی دیدارِ جاں
محرمِ ایں ہوش جز بے ہوش نیست　　مرزباں را مشتری چوں گوش نیست
بے خبر اس ہوش کی بے ہوش کو　　مشتری کانوں سے بہتر کون ہو
جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق سے گردوں پہ جسمِ خاک ہے　　رقص میں ہے کوہ اور چالاک ہے
عشق جانِ طور آمد عاشقا　　طور مست و خرّ موسیٰ صعقا
عشق جانِ طور ہے اے مبتلا　　طورِ سینا مست موسیٰؑ گر پڑا

دیگر

نخستیں بادہ کاندر جام کردند　　بمزاجش عکس آں گلفام کردند
اوّل سے جب شراب جام میں ڈالی تو اُس گلفام کا عکس اس میں ملایا
بہر آنکہ غیرش نیست موجود　　زخود آغاز و ہم انجام کردند
اس کی محبت کی قسم ہے جس کے سوا کوئی نہیں خود اپنے سے آغاز کیا اور انجام کیا

دیگر

عشق کیا شے ہے کسی کامل سے پوچھا چاہیئے　　کس طرح جاتا ہے دل بیدل سے پوچھا چاہیئے

دیگر

مرغِ دل مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع　　اس قفس کے قیدیوں کو آب و دانہ ہے منع

دیگر

من ذاتِ بحتِ مُطلقم وصف وہم اسماء ہستم ہم بحر و موج و قطرۂ وہم لاؤ ہم اِلّا ہستم

میں ذات محض مُطلق اُور وصف اُور اسماء ہُوں بحر، قطرہ ، موج ، نفی اُور اثبات خُود ہی ہوں

اوّل منم آخر منم ظاہر منم باطن منم

اوّل بھی میں ہُوں آخر بھی ظاہر بھی اُور باطن بھی

ع

ماہی دیاں جھوکاں میں آپے ڈھونڈیساں

ملفوظ ۔ ۵۶

ایک دِن مجلس میں آپ نے مقولۂ ذیل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ (الفرق بین الحق والباطل مقدار اربع اصابع) کی اس طرح تشریح فرمائی ۔ کہ حق سے مُراد دید ہے اُور باطل سے شنید ۔ کیونکہ آنکھ اُور کان کے درمیان چار اُنگلی کا فاصلہ ہے اُور بس ۔ اُور نیز بارہا سُنا گیا کہ جو کوئی کسی کے پاس بیٹھتا ہے اُسی کی رنگ و بُو پکڑتا ہے ۔ اُور نیز ایک دِن فرمایا ۔ ہندی ؎

دسن دی نہیں گال یار قرآن چوایا

اُور نیز جن ایام میں علاقہ جھنگ میں اہل سُنّت اُور اہل تشیع کے درمیان مباحثہ مقرر ہو کر منسوخ ہوگیا ۔ فرمایا ۔ شعر

مُراداں من دیاں من وچہ رہیاں شیعاں نوں من دیاں باتاں نہ کہیاں

ملفوظ ۔ ۵۷

جنگِ بلقان کے ایام میں ختم مُبارک قادریہ شریفیہ میں کلماتِ ذیل متعدّدہ مجالس میں آپ کی زبان مُبارک سے سُنے گئے ۔ آفاتِ نازلہ کے موقعہ پر ان کا وِردحالی [illegible] ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَایَسُوْقُ الْخَیْرَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ مَایَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ مَا مِنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ یَامَنْ تَقَدَّسَ عَنِ الْاَشْبَاہِ ذَاتُہٗ ۔ یَامَنْ تَنَزَّہَ عَنِ الْاَمْثَالِ صِفَاتُہٗ ۔ یَامَنْ دَلَّتْ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِہٖ اٰیَاتُہٗ ۔ یَامَنْ شَہِدَتْ عَلٰی رُبُوْبِیَّتِہٖ مَصْنُوْعَاتُہٖ ۔ اَللّٰہُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِکَ ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِکَ عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِکَ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ ۔ الٰہی تو می دانی کہ از ظلوم وجہول چہ مے آید ۔ فَاغْفِرْلَنَا مَجَّانًا کَمَا خَلَقْتَنَا وَرَزَقْتَنَا مَجَّانًا ۔ وَاِلٰـہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۔ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ الٓمّٓ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۔ یَا اَللّٰہُ ۔ یَارَحْمٰنُ ۔ یَارَحِیْمُ یَاسَتَّارُ ۔ یَاغَفَّارُ ۔ سورۂ اخلاص ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اَللّٰہُ ۔ اَللّٰہُ ہُوْ ۔ ہُوَ اللّٰہُ ۔ اَللّٰہُ ہُوْ ۔ ہُوَ اللّٰہُ ہُوَ اللّٰہُ

اَللّٰهُ هُوَ - يَاهُوَ - يَامَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ - سُبْحَانَ الْعَلِيْمِ الَّذِيْ لَا يَجْهَلُ - سُبْحَانَ الْحَلِيْمِ الَّذِيْ لَا يَعْجَلُ - سُبْحَانَ الْجَوَادِ الَّذِيْ لَا يَبْخَلُ - سُبْحَانَ الْقَدِيْمِ الَّذِيْ لَا يَزَالُ وَلَمْ يَزَلْ - صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ دَائِمًا عَلٰى جَدِّ الْحَسَنَيْنِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ - فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ - يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ - وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا - وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ - فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ - سُبْحَانَ مَنْ لَّهُ لُطْفٌ خَفِيٌّ - سُبْحَانَ مَنْ لَّيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ - سُبْحَانَ مَنْ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ - سُبْحَانَكَ مَا شَكَرْنَاكَ حَقَّ شُكْرِكَ - سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ - سُبْحَانَكَ مَا ذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ - سُبْحَانَ اللّٰهِ الْفَرْدِ الْوِتْرِ الْوَاحِدِ [illegible] سُبْحَانَ اللّٰهِ الْاَزَلِيِّ الْاَزَلِ - سُبْحَانَ اللّٰهِ الْاَبَدِيِّ الْاَبَدِ - سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا - سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ -

ملفوظ - ۵۸

ایک دن کسی شخص نے حزب البحر پڑھنے کی اجازت طلب کی ۔ فرمایا "ترتیب یہ ہے ۔ یومیہ تین[۳] بار قبل نماز فجر اور دو[۲] بار بعد نمازِ عصر بیٹھ کر باحضورِ دل پڑھی جائے ۔ فائدہ مشیّتِ الٰہی پر موقوف ہے جب چاہے عطا فرمائے ۔"

پھر ایک اور روز سُنا گیا ؎

تلقینِ درس اہلِ نظر یک اشارت است　　　　کردم اشارتے و مکرّر نمے کُنم

(یعنی اہلِ نظر کی تلقین درس صرف اشارہ ہُوا کرتا ہے، بار بار دُہرانا نہیں ہوتا)

راقم الحروف لکھتا ہے کہ آپ کے دستِ مُبارک سے لکھے ہُوئے چند متفرق اوراق منشی عبدالجبّار سے دستیاب ہُوئے ۔ چُونکہ ان میں راہِ سلوک سے متعلّقہ ایسے اسرار و نکات ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھے اور نہ کانوں نے سُنے ۔ لہٰذا بعینہا تبرّکاً و تیمّناً درج ذیل ہیں :-

عبادت کی تعریف اور اُس کے اقسام

عبادت یعنی نہایت درجہ کا تذلّل و فروتنی عابد کی بمقابلہ اعلیٰ درجہ کی عظمت معبود کے ۔ نماز ۔ روزہ ۔ حج ۔ جہاد ذکر وغیرہ طاعات منجملہ عبادت ہیں ۔ عبودۃ یعنی بندہ ہونا اپنے مولیٰ کا ۔ رضا بلا خصومت ۔ صبر بلا شکایت ۔ یقین بلا شُبہ ۔ شہود بلا غیبت ۔ توجّہ و اقبال بلا رجعت ۔ ایصال بلا قطعیّت منجملہ اقسام عبودت ہیں ۔ عبادت کے اقسام عشرہ صلوٰۃ[۱] ۔ زکوٰۃ[۲] ۔ صوم[۳] ۔ حج[۴] ۔ قرأتِ قرآن[۵] ۔ ذکرِ الٰہی[۶] ہر حال میں ۔ طلبِ[۷] حلال مُسلمانوں[۸] کے حقُوق ادا کرنا الیساہی حقُوقِ صُحبت بھی ۔ امر معروف و نہی منکر[۹] ۔ اتباعِ سُنّت[۱۰] ۔

توحید کے اقسام و مراتب

۱

علم التوحید

بالبرہان

نقلی — عقلی

تقلید — تحقیق

۲

عین التوحید

بالوجدان

۱	۲	۳
افعالی	صفاتی	ذاتی

توحیدِ وجودی — توحیدِ شہودی

۳

حق التوحید

مخصوص بالرحمٰن

راقم کہتا ہے کہ حضرت قدس سرہ کی اِس تقسیم کا ماحصل یہ ہے۔ کہ توحید کے تین مرتبے ہیں۔ علم التوحید[۱]۔ عین التوحید[۲]۔ حق التوحید[۳]۔ علم التوحید براہین اَور دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ اَور دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نقلیہ اَور عقلیہ۔ نقلیہ میں تقلید ہوگی اَور عقلیہ میں تحقیق۔ عین التوحید وجدان اَور ذوق سے حاصل ہوتا ہے اور اِس کی بھی دو قسمیں ہیں یعنی بطریقِ وجود اَور بطریقِ شہود۔ پھر اِن دو نو میں ہر ایک کے تین تین مراتب ہیں۔ افعالی۔ صفاتی۔ ذاتی۔ اَور حق التوحید اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے مخلوق کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

اِسلام۔ اِیمان۔ صلاح۔ اِحسان۔ شہادت۔ صدّیقیّت۔ قربت کے معانی

۱	۲	۳
اِسلام	اِیمان	صلاح
۵ بنارِ اسلام	تصدیق	مع سابق دوام عبادت مع الخوف والرجا بغیر علۃ

۴	۵	۶
اِحسان	شہادت	صدّیقیّت
مع سابق دوام مراقبہ مع توبہ[۱] وانابت[۲]۔ زہد[۳]۔ توکّل[۴]۔ رضا[۵] تفویض[۶]۔ اخلاص[۷]۔	مع سابق محبّت و شہود	مع سابق معرفت حق تعالےٰ اِس میں تین حضرات ہیں۔ علم الیقین[۱]۔ عین الیقین[۲]۔ حق الیقین[۳]۔

۷

قربت

مع سابق ولایتِ کبرےٰ۔ اَور اِس میں چار حضرات ہیں
خلت[۱]۔ حب[۲]۔ ختام[۳]۔ عبودت[۴]

راقم کہتا ہے کہ اِس تحریرِ مُبارک کا مطلب یہ ہے کہ

۱۔ **اِسلام** ارکانِ خمسہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اَور شہادتین سے عبارت ہے۔ اَور

۲۔ **اِیمان** تصدیقِ دِل کا نام ہے۔

۳۔ **صلاح** اِسلام ایمان اَور دوام عبادت کو کہتے ہیں جس میں خوف اَور رجا بغیر کسی عِلّت کے ہو۔

۴۔ **اِحسان** اُمُورِ سابقہ کے ساتھ دوام مراقبہ مع توبہ۔ انابت۔ زہد۔ توکّل۔ رضا تفویض اخلاص کو کہتے ہیں۔

۵۔ **شہادت** اُمُورِ سابقہ کے ساتھ محبّت اَور شہُود کا نام ہے۔

۶۔ **صدّیقیّت** مع اُمُورِ سابقہ معرفتِ الٰہی کا نام ہے جس کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

۷۔ **قربت** اُمُورِ سابقہ کے ساتھ ولایتِ کبریٰ کو کہتے ہیں جس کے چار مراتب ہیں۔ خلت۔ حب۔ ختام۔ عبُودت یعنی عبد ہونا۔
اَور ان کی مزید تشریح "سبحۃ الاحرار" مصنّفہ مولٰنا عبدالرحمٰن جامیؒ میں ملاحظہ کی جائے۔

قاعدہ حواسِ باطنیہ مع تشریحاتِ افعال
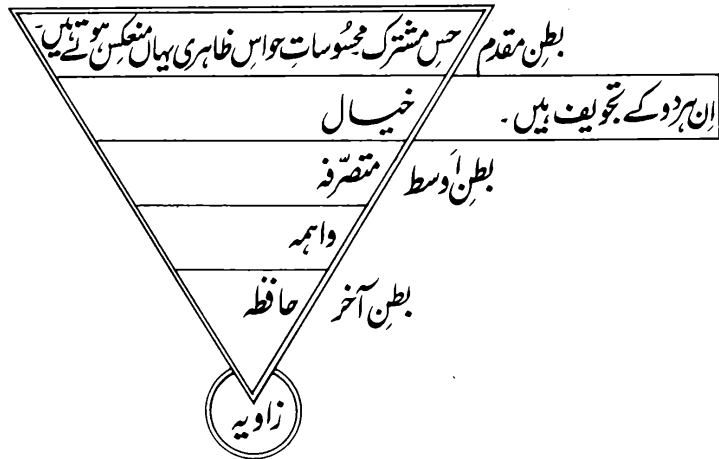
متصرّفہ۔ اگر صور جزئیات محسُوسہ خیالہ میں متصرّف ہو تو اُس کو متخیّلہ کہتے ہیں۔ اَور یہ قوّتِ واہمہ کے عالم صوریہ شہادیہ میں اِستخدام سے ہوتا ہے۔ اَور یہ مُوجبِ بُعد وحجاب ہے۔ اَور اگر معانی معقولہ صرفہ میں متصرّف ہو۔ تو اس کو مفکرہ کہتے ہیں۔ اَور یہ نفسِ ناطقہ کے اِستخدام سے ہوتا ہے۔ اَور یہ مُوجبِ قرُب ومعرفت وحضُور ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ویتفکرُّون فی خلق السمٰوات والارض۔ اَور فی السمٰوات والارض نہ فرمایا۔ حضرت سیّد عارفؒ کہتے ہیں۔ اعلم ان الدقیقۃ الفکریۃ احد مفاتیح الغیب الذی لایعلم حقیقتھا الا اللہ یعنی دقیقہ فکریہ مفاتیح غیب میں سے ہے جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں الوھم ھوالسلطان الاعظم فی ھذہ الصورۃ الانسانیۃ الکاملۃ۔ یعنی وہم صورتِ انسانیہ کاملہ میں شہنشاہ ہے۔

صاحبِ خاتمؒ اِس کی شرح میں کہتے ہیں۔ یہاں وہم سے مُراد قوّتِ متخیلہ ہے کہ اس کا ادراک عقل سے فوق ہے۔ نہ وہم بمعنیٰ مرجوح الوقوع کہ مقابلِ ظن ہے۔ بلکہ وُہ کشفِ تام نفس الامری ہے کہ جب کِسی شخص کا عرفان بمرتبۂ کمال پہنچے۔ اس کا خیال صحیح نفس الامری ہو جاتا ہے۔ اَور اس سے پہلے جو وہم تھا وُہ کشف ہو جاتا ہے۔ اَور اِس کو وہم کہنا باعتبار ماسبق ہے۔ سیّد عارفؒ کہتے ہیں کہ جب اِنسان صورِ فکریہ میں ترقی کرتا ہے تو صورِ رُوحانیہ کو عالمِ احساس میں نزُول دیتا ہے۔ اَور امُورِ کتمانیہ (چھپے ہُوئے) کا بغیر قیاس کے استخراج کرتا ہے۔ اَور سمٰوات میں عرُوج کرتا ہے اَور ان کے ملائکہ سے باختلافِ لغات کلام کرتا ہے۔

صاحبِ خاتمؒ کہتے ہیں۔ الوھم نور من انوار العقل الکلی المتنزل الی العالم السفلی مع الروح الانسانی تَصَغَّرَ و تضَعَّف نورانیته و ادراکه لبعده من منبع الانوار العقلیة فسمی بالوھم فاذا رجع و تنور بحسب اعتدال المزاج الانسانی قوی ادراکه و صار عقلا من العقول یعنی وہم انوارِ عقل کلّی سے ایک نُور ہے جو رُوحِ اِنسانی کے ساتھ عالمِ سفلی کی طرف متنزّل ہوًا۔ اُس کی نُورانیّت اَور ادراک بوجہ منبعِ انوارِ عقلی سے دُور ہو جانے کے ضعیف اَور حقیر ہو گئی۔ پس وہم سے موسُوم ہوًا۔ پھر جب اِعتدالِ مزاجِ اِنسانی کے مطابق متنوّر ہو کر اصل کی طرف رجُوع کرتا ہے تو اس کا ادراک قوی ہو جاتا ہے۔ اَور عقل کا رُتبہ پا لیتا ہے۔ ١٢

واہمہ۔ یہ صورِ محسُوسہ خیالیہ سے معانی جُزئیہ کی دریافت کرتی ہے۔ بلکہ ہر اُس امر میں مداخلت رکھتی ہے جو محالات و ممتنعاتِ عقلی تصوّر کر سکتی ہے پس عقل کا منتہیٰ نقیض اَور ضِد کے توہم سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ قوتِ واہمہ وساوسِ شیطانیہ و ہواجسِ نفسانیہ کی مظہر اَور محلّ خطرات ہے اَور سب حواس سے مذمُوم ترین ہے۔ جب کِسی شخص کی معرفت حدِّ کمال کو پہنچے تو اس کا وہم نفس الامری کشف ہو جاتا ہے۔ ١٢

حافظہ۔ یہ وہم کا خزانہ ہے۔ اِس کے مُدرَکات کو نگاہ رکھتا ہے۔ ١٢

مترجم کہتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالمؒ کے تشریحاتِ مذکُورہ سے قارئینِ کرام اندازہ کر سکتے ہیں کہ آنجنابؒ کو اللّٰہ تعالٰے نے علُومِ دینیہ کے علاوہ علمِ حقائق الاشیاء میں بھی یدِ طوُلیٰ عطا فرمایا تھا۔ محترم معاصر سیّد رئیس احمد صاحب جعفری اپنی کتاب مسمّیٰ بہ "انوارِ اَولیاؒ" ص ٤٨٢ پر حضرت قبلۂ عالم گولڑوی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے حالات کے ضمن میں رقمطراز ہیں "شیخِ اکبرؓ کے نظریۂ وحدت وجُود پر جو عبُور ان کو حاصِل تھا اس کی اِس صدی میں نظیر نہیں ملتی فصُوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اَور اس کے رمُوز و اسرار کو خُوب سمجھتے تھے۔ علّامہ اِقبالؒ نے ایک مرتبہ شیخِ اکبرؓ کے فلسفہ کے متعلق ان کو خط لکھّا تھا جس میں اُن سے عقیدت و ارادت کا اِظہار اِس طرح کیا تھا (خط کشیدہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ مترجم)

لاہور۔ ٨۔ اگست ١٩٣٣ء

مخدُوم و مکرّم حضرت قبلہ السّلامُ علیکم

اگرچہ زیارت اَور اِستفادہ کا شوق ایک مدّت سے ہے۔ تاہم اِس سے پہلے شرفِ نیاز حاصِل نہیں ہوًا۔ اَب اِس محرومی کی تلافی اِس عرِیضہ سے کرتا ہُوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اِس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہو گی۔ بہرحال جناب کی وُسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہُوئے یہ چند سطُور لکھنے کی جرأت کرتا ہُوں کہ اِس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اَور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گذشتہ سال اِنگلستان میں حضرت مجدّد الفؒ ثانی پر ایک تقریر کی تھی۔ جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبُول ہُوئی۔ اَب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اَور اِس سفر میں حضرت محیُ الدّینؒ اِبنِ عربیؒ پر کچُھ کہنے کا اِرادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امُور

دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاقِ کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اوّل یہ کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقتِ زمان کے متعلق کیا کہا ہے۔ اور ائمہ متکلّمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کونسی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں۔ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اوّل کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقالات کا مطالعہ کر سکوں۔

۳۔ حضرات صُوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقتِ زماں پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔

مولوی سیّد انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا "درایۃ الزمان" جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے مگر چُونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے۔ اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

مَیں نے سُنا ہے کہ جناب نے درس تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامّل تھا لیکن مقصود چُونکہ خدمتِ اسلام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اِس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے۔ اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے باقی التماسِ دُعا۔

مخلص محمد اقبال[1]

خَتم شُد ملفُوظات حِصّہ اوّل جمع شُدہ حضرت مولانا گُل فقیر احمد صاحب پشاوری

---

[1] اقبال نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۴۲ - ۴۴۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حصّہ دُوم ملفُوظات

(جمع کردہ مولانا مولوی عبدالحق صاحب مرحوم سکنہ سسرال)

ملفُوظ ۔ ۵۹

محرّر سطور نے عرض کیا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدّین ابن عربیؒ نے اپنی تفسیر "فتوحاتِ مکّیہ" میں ایسی روش اختیار کی ہے جو باقی تفاسیر سے بالکل مختلف ہے ۔ وُہ اکثر تاویل کے درپے ہُوئے ہیں ۔ مثلاً اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا جہاں بھی قرآن مجید میں آیا ہے اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ ای نظروا الی ذواتھم وترکوا النظر الی الواحدۃ الذاتیۃ (یعنی اپنی ذاتوں پر نظر کی اور وحدتِ ذاتیہ کی طرف توجہ نہ کی)

حضُورؑ نے فرمایا "شیخؒ کی تفسیر اشاراتِ دقیقہ و اسرارِ حقیقت کی تفسیر ہے ۔ ورنہ تفسیر تو وُہی ہے جو قرونِ اولیٰ مشہود لھا بالخیر و زمانۂ ائمہ مجتہدین واکابر مفسّرین میں کی گئی ۔ جس سے احکام اور خطاباتِ شرعیہ ثابت ہُوئے ہیں ۔ شیخؒ نے اشارات بیان کیے ہیں تفسیر کے مقدمہ میں حضرت الشیخؒ نے خود بھی تصریح کی ہے کہ تفسیر وُہی ہے جس کے ساتھ ظاہر آیات سے امر و نہی ثابت ہُوئے ہیں میرا کلام اشارات پر مشتمل ہے معترض اسی وجہ سے غلطی میں پڑتے ہیں ۔ وُہ مشائخ کے احوال سے آگاہ نہیں ۔ نہ ہی اُن کی کُتب پر وُسعت سے نظر کرتے ہیں ۔ اس لیے حقیقت کو نہ سمجھتے ہُوئے اعتراض کرتے اور اپنی خرابی کا سامان پیدا کرتے ہیں ۔"

ملفُوظ ۔ ٦٠

فرمایا کہ میرے کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" لکھنے کا باعث اِس بات کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جیسے تحلیل ما حرم اللہ کفر ہے ایسا ہی تحریم ما احل اللہ بھی کفر ہے ۔ اور اس مسئلہ میں لوگوں کے درمیان اختلافاتِ کثیرہ واقع ہُوئے ہیں ۔ اور اتنے اختلافات و روایات میں حق کا سُراغ لگانا ہر ایک کا کام نہیں ہے ۔ بلکہ عوام النّاس ایسے امُور میں حلال چیزوں کی تحریم و تکفیر کے باعث ناحق گمراہی اور عقائد فاسدہ میں پڑ جاتے ہیں ۔ پھر اسی موقعہ پر فرمایا کہ سُبحان اللہ جانور کی جان جو امُورِ شرعیہ کی مکلّف بھی نہیں اگر بوقتِ ذبح والہلال خالقِ جان کے نام پر نہ نکلے تو شرع میں حرام شمار کی جاتی ہے ۔ حیف ہے کہ انسان اپنے انفاس کو باوجودیکہ ہر ایک نفس دُرِّ بے بہا ہے ، یادِ خالق کے بغیر ضائع کرے ۔ اور حفاظتِ انفاس و احتیاط کو عمل میں نہ لادے ۔ دُنیا روزے چند و آخر کار با خداوند ۔ کیا معلوم کہ یہ نفس آخری نفس ہو ۔

ملفُوظ ۔ ٦١ ۔ الف

ایک روز مجلس میں ارشاد فرمایا کہ مجھے ابتدا میں سیر و سیاحت اور آزادی بہت پسند تھی ۔ حجازِ مقدّس کے سفر میں میری مُلاقات

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ مکرمہ میں ہُوئی۔ حضرت حاجی صاحبؒ صحیح کشف کے مالک تھے۔ اُنہوں نے میرے مزاج کی طرز اور روش پہچان لی کہ یہ بہت آزاد منش انسان ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد انہوں نے مجھے نہایت اصرار اور تاکید تام کے ساتھ فرمایا کہ ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے۔ لہٰذا آپ ضرور اپنے ملک ہندوستان میں واپس چلے جائیں۔ وہاں اگر آپ خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی وُہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا۔ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے اس کشف کو اپنے یقین کی رُو سے مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتا ہُوں۔

نیز میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلّم نے مجھے فرمایا کہ یہ مرزا قادیانی اپنی تاویلاتِ فاسدہ کی مقراض سے میری احادیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اُور تم خاموش بیٹھے ہو۔ پس اِس فرمان کے بعد جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے وُہ کافۂ اہلِ اسلام کی خیرخواہی اُور نصیحت کے لیے کیا ہے۔ اُور مرزا کے عقائدِ باطلہ کا فساد جو اثر میں سمِ قاتل ہے کتاب و سُنت اُور عُلمائے اُمّتِ مرحُومہ کے عقائدِ صحیحہ کی روشنی میں ظاہر کر دیا ہے۔

محرّرِ سطور کہتا ہے کہ بعض بزرگان اُور ان کے معتقدین نے حضرتؒ کی مرزا صاحب کے خلاف سعی اُور جہاد پر اعتراض کیا تھا کہ صُوفی کو ایسے مباحث اُور جواب وسوال سے کیا واسطہ لیکن ؎

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست

ان کے خیال وگمان اُور علم وہمّت کی وُسعت محدُود تھی۔ اگر یہ حضرات علماء وصلحاء متقدّمین کے حالات سے آگاہ ہوتے تو ایسا ہرگز ہرگز نہ کرتے۔ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی سعی کو دیکھئے اُنہوں نے فرقۂ باطلہ اور طائفہ ہائے ضالہ براہمہ، فلاسفہ و دہریہ کے خلاف ایسا جہاد کیا کہ اُس کا اثر ابھی تک موجُود ہے۔ اسی طرح ہزارہا اُولیاء اللہ ایسے ہی عظیم الشان مشاغل میں مصرُوف رہے۔

مترجم کہتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃُ اللہ کی پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اُور تاریخ و واقعات شاہد ہیں کہ فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کے سدّباب کے لیے حضرت قبلۂ عالم گولڑویؒ کے کارہائے نمایاں کی مثال آج تک کوئی پیش نہیں کر سکا۔ تفصیل کے لیے علامہ رفیق دلاوری کی مشہُور کتابیں ائمۂ تلبیس اُور رئیسِ قادیان وغیرہ ملاحظہ ہوں نیز آپ کی سوانح حیات مہرِ منیر میں تو پُوری تفصیل ہے۔

ملفوظ ۔ ۶۱ ب

فرمایا "سُبحان اللہ کعبۃ اللہ کی شان کتنی عظیم ہے کہ خواص اُولیاء بھی وہاں عام لوگوں کی طرح معلُوم ہوتے ہیں۔ ان کے انوار بباعث غلبۂ انوار وجلالِ کعبہ گم ہو جاتے ہیں۔ وہاں ولی غیر ولی سے پہچانا نہیں جاتا۔ وہاں ہزارہا اُولیاء اللہ کی قبوُر ہیں جنہیں کوئی نہیں پہچانتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اُور یہ امر بباعثِ کمالِ اِستیلاء اُور غلبۂ جلالِ کعبہ کے ہے۔"

ملفوظ ۔ ۶۲

فرمایا "اُولیاء اللہ کی حیات وممات عام لوگوں کی طرح نہیں سمجھنی چاہئیں۔ ان کا مقصُودِ زندگی بجز رضائے حق سُبحانہ اُور کچھ نہیں ہوتا ؎

عاشقاں را شادمانی وغم اوست　　دست مُزد و اُجرت وخدمت ہم اوست

عشق آں شعلہ است کو چُوں برفروخت　　ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(یعنی عاشقوں کی شادمانی اور غم وہی ہے۔ خدمت، مزدوری، اُجرت سب وُہی ہے۔ عشق وُہ شعلۂ آتشین ہے کہ جہاں بھڑک اُٹھا معشوق کے بغیر سب کچھ جلا دیا۔ انتھٰی)۔ (مترجم)

اولیاء اللہ کا مرغِ رُوحانی قفسِ جسمانی سے رہائی کے وقت بھی دولتِ دیدارِ حق تعالےٰ پر رحلت فرماتا ہے ؎

طلب الحبیب من الحبیب رضاۂ   و منی الحبیب من الحبیب لقاۂ

(یعنی حبیب سے حبیب ہی کی طلب اس کی رضا ہوتی ہے اور حبیب سے حبیب ہی کی آرزو اس کا لقا ہوتا ہے)

"روایت ہے کہ ایک ولی اللہ کو احتضارِ موت کے وقت نعیمِ جنّات کے دیدار سے مشرّف کیا گیا۔ اُس نے کمالِ تأسّف و تلہف سے ٹھنڈا سانس لے کر عرض کیا کہ الٰہی میرا مقصد یہ تو نہ تھا اور نہ ہی یہ اُمید تھی کہ مجھے میرے مطلوب کی بجائے کوئی اور چیز دی جائے گی۔ یہ سُن کر ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ تو ہم سے اور کیا چاہتا ہے۔ اس نے کمال عجز و نیاز سے رو کر عرض کیا کہ بارِ خدایا آپ اچھی طرح جانتے ہُوئے بھی مجھ سے یہ پُوچھتے ہیں۔ پس بمجرد مشاہدۂ جلوۂ انوارِ شاہدِ غیب جان بجاناں تسلیم کر دی۔ اور جہانِ فانی کو الوداع کہا" ؎

اَنَا اِنْ مُتُّ فھواہ حشو قلبی   وَبِدَاءِ الھویٰ یموت الکرامُ

(میری موت کے وقت اُس کی محبت میرے دل میں ہوگی۔ عشاق محبّت کی بیماری سے مرا کرتے ہیں)

ملفوظ ۔ ۶۳

فرمایا کہ میں مردمانِ باوفا اور صفا اندیش کے ساتھ رہ کر خُوش ہوتا ہُوں۔ یُوں سمجھئے کہ میں کُشتۂ محبّتِ محبّان و مخلصان ہُوں۔ برخلاف اس کے کج مزاج و غرض پرور لوگوں سے کہ جن کا مقصد صرف اپنی اغراض کا حصُول ہوتا ہے اور جو اُس کے بعد بالکل اجنبی بن جاتے ہیں میں کنارہ کشی کرتا ہُوں۔ اور ایسے لوگ جو سامنے آتے وقت تو بڑے حلیم بن جاتے ہیں۔ مگر پیٹھ پیچھے گرگِ مردم در کی طرح ہوتے ہیں۔ اُن سے دُور ہی رہنے کو جی چاہتا ہے کہ "شما بکارِ خویش و ما بحالِ خویش" (تم اپنے کام میں اور ہم اپنے حال میں)۔ مجر رسطُو کہتا ہے کہ آپ کا یہ فرمان مستفیضوں کے لیے عین تادیب ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے بھی اپنی کتاب "بدایۃ الھدایۃ" میں اسی طرح فرمایا ہے۔ "ایاك وصدیق العافیۃ فانه اعدی الاعداء" اور حضرت امیر خسروؒ دہلوی نے اس مضمون پر ان ابیات میں تصریح کی ہے ؎

ہر کہ حقِ صُحبتِ یاراں شناخت   عُمرِ ہم اندر رہِ ایشاں بباخت
جس نے دوستوں کی صُحبت کا حق پہچانا اُس نے عمر اُن ہی کی راہ میں گذار دی
دوست مگو آں کہ زِ دو پوستی   باز نداند ادبِ دوستی
اس دو رُخ کو دوست نہ سمجھ۔ جو دوستی کے آداب نہیں جانتا
ہم نفس ہائے کہ دریں عالم اند   بیشتریں محرمِ صحبت کم اند
اِس زمانے میں اکثر لوگ صُحبت کے آداب نہیں جانتے
تا توئی از رُوئے تو باشند شاد   چُوں تو شوی پیش نیارند یاد
جب تک تُو سامنے ہوگا تجھ سے خوش ہوں گے اور جب چلا جائے گا تو پھر یاد بھی نہیں کریں گے

سفلہ ز دُشمن بتر است اَے عزیز — کو نبود با دِلِ خُود راست نیز
کمینہ دوست دُشمن سے بھی بُرا ہے کیونکہ وُہ دِل کی سچائی سے محرُوم ہوتا ہے
دیدۂ بد دُور ازاں ارجمند — کو شود اندر سرِ یاراں سپند
اس نیک بخت سے نظرِ بد دُور ہو جو یاروں کے خیال میں سپند کی طرح سوزاں ہو
پس مجہ از پیش نشینانِ خویش — رُوئے مگرداں ز قریبانِ خویش
اپنے رفیقوں اور ساتھیوں سے مُنہ نہ موڑ اَور دُور نہ ہو
یار چُناں باش کہ نامت برند — بُوئے سلامت بسلامت برند
ایسا دوست بن کہ تیرا نام لیتے رہیں اَور تیرے سلام سے بُوئے سلامتی آئے

ملفُوظ - ٦٤

دوازدہم ربیعُ الثّانی ایامِ عُرس شریف میں ایک شخص حاضر ہوُا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی سی سارنگی تھی۔ ایک بزرگ زادہ نے جسے خیال تھا کہ حضرتؒ کو اس کی رعایت منظوُر ہے۔ اس شخص کو چنگ بجانے کا اِشارہ کیا۔ ابھی اُس نے شروع نہیں کیا تھا کہ حضرتؒ نے اس کو منع فرما دیا کہ اگر میری خوشی چاہتے ہو تو میں ہرگز اِس بات پر راضی نہیں ہُوں۔ کیونکہ میں اپنے پیر و مُرشد حضور سیالویؒ کا پسندیدہ طریقہ ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ اَور انہوں نے یہ کام نہیں کیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اِس سے حضرت قدس سرّہٗ کا کمال تقوٰی [illegible] عامہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کے شیخ طریقت اِس معاملہ میں مشہُور تھے۔ تاکہ عام لوگ اِن حضرات کے فعل کو سند نہ بنا لیں۔ ورنہ اِس میں شک نہیں کہ یہ حضرات بعض مخصُوص حالات میں اربابِ ذوق وعشق کے لیے سماع اَور مزامیر کو کسی حد تک جائز بھی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اِن حضرات اَور دیگر مشائخ کرام کے سوانح اَور حالات سے واضح ہوتا ہے۔ آپ نے بھی ایک دفعہ فرمایا تھا کہ شوقیہ اشعار کا تخلیہ میں مطالعہ کرنا مزامیر وغیرہ کے سماع سے بہتر ہے۔ اِس فرمان کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے عوام غلطی میں نہ پڑیں۔

ملفُوظ - ٦٥

پاک پتن شریف کے عُرس سے واپسی پر ایک روز فرمایا کہ آج صاحبزادہ محمُود صاحب تونسوی کا نوازش نامہ آیا ہے۔ شاید تم لوگوں کو معلُوم نہ ہو کہ وُہ حضرت غوث الزّمان حضرت خواجہ محمد سُلیمان تونسویؒ کی اَولاد امجاد سے ہیں اَور ہمیشہ مجھے اکرام مزید سے نوازتے ہیں۔ اِس عنایت نامہ میں یہ شعر لکھا ہے ؎

مثلِ پُتلی کے میں آنکھوں میں بٹھاؤں تجھ کو — نہ کسی غیر کو دیکھوں نہ دکھاؤں تجھ کو

ہمیشہ اِسی طرح کے اشعار سے دریافتِ سلامت و عافیت اَور خاطرِ حزیں کی تسلّی فرماتے رہتے ہیں۔

ملفُوظ - ٦٦

"فصُوص الحکم" کا سبق دینے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ "اِنسان کو جاہل صُوفیوں کی طرح عذاب کا منکر نہ ہونا چاہیئے۔ اَور نہ ہی اللہ

اور اُس کے رسُولؐ کی تصریحات چھوڑ کر فضُول تاویلات کے درپے ہونا چاہیئے۔ شاطحین (شطحیات کہنے والے) رفعِ تکلیفاتِ شرعیہ کے لیے بے محل حیلے تراشتے ہیں بعض مشائخ مثلاً شیخ اکبر رحمۃُ اللہ علیہ وغیرہ نے رحمتِ الٰہیہ کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ رحمانیتِ الٰہی عام ہے۔ اور تقاضائے سبقت رحمت اور فائدہ غلبۂ رحمت اس طرح ظاہر ہوگا کہ آخر الامر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عام مخلُوقات کی دستگیر ہوگی۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ بالکلیہ عذاب نہ ہوگا کیونکہ یہ عقیدہ مُلحدانہ اور گمراہ کُن ہے۔"

ملفُوظ ۔ ۶۷

ایک روز فصُوص کے سبق کی تعلیم کے بعد فرمایا کہ شقاوت دو قسم کی ہے۔ ایک اصلی اور دُوسری عارضی۔ شقاوتِ عارضی تو انبیاء اور اُن کے خلفا یعنی صُلحاء و علماء کی صُحبت کے فیض سے زائل ہو جاتی ہے مگر شقاوتِ اصلی زوال پذیر نہیں اسی لیے اِنسان کو اپنے خاتمہ کے متعلق ہر وقت مشوّش رہنا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا خاتمہ کیسے ہوگا۔ اور قسّامِ ازل نے اُس کے حق میں سعادت لکھی ہے یا شقاوت۔ واللہ اعلم۔

بر عمل تکیہ مکُن خواجہ کہ در روزِ ازل تُو چہ دانی قلمِ صنع بہ نامت چہ نوشت

یعنی محض عمل پر بھروسہ نہ رکھو۔ کیونکہ معلُوم نہیں قلمِ ازل نے تمہارے نام کے آگے کیا لکھا ہے۔ (مترجم)

ملفُوظ ۔ ۶۸

ایک روز وعظ و نصیحت کا ذکر آیا۔ فرمایا "واعظ حضرات نیک لوگ ہوتے ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں لیکن وعظ و نصیحت دعوت الی اللہ ہے اور یہ انبیاء کا وظیفہ ہے جو مخلُوقات کو خُدا کی طرف بُلانے والے تھے۔ اور اسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے۔ پس یہ کام سہل نہیں ہے۔ ایک خُود بین اور دینی غرض سے بے غرض واعظ کا خُطبہ آرزُوئے نفس و ہوا کا زینہ ہے۔ کسی کام کو محض رسماً کرنے اور اُسے اخلاص سے کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اخلاص کے بغیر ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ ریاء اعمال کو باطل کرتی ہے۔ اور اخلاص مردِ متقی اور بے طمع سے ہی صُورت پذیر ہوتا ہے جیسا کہ آیۃ کریمہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا میں بیان کیا گیا ہے۔"

اس موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار حاصل ہو تو سب کفّار کو جبراً دائرۂ اسلام میں داخل کر دُوں فرمایا "تمہارا ارادہ بھی عجیب ہے۔ خُدا تعالیٰ کا تو باوجُود اختیارِ کُلّی اور ہر چیز کے خالق و حافظ ہونے کے یہ ارادہ نہیں ہے۔ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (الآیۃ) (اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت نصیب فرما دیتے) جُملہ مِلل اور مذاہب کے جُداگانہ رنگ اور شکلیں مشیّتِ ایزدی ہی سے ہیں۔ وُہ اپنی مخلُوقات کی مصلحتیں ہم سے بہتر جانتا ہے۔ اور ہر دو اوصاف یعنی ہدایت و ضلالت کا ظہُور اُسی کے مقتضیاتِ کمال سے ہے۔" عزّ اسمہ

پھر فرمایا "بعض آدمیوں کے دل میں یہ خیال فاسد جاگزیں ہوا ہے کہ صُوفیوں میں اتباع نہیں ہوتا۔ یہ خیال مشائخ کی صحبت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں راہ پا گیا۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ صُوفیائے کرام کُشتگانِ عشقِ محمّدی اور سوختگانِ شعلۂ محبتِ احمدی ہیں۔ ان کی مانند اتباع کسی اور فرقہ میں نہیں ہے البتّہ جب وُہ وادئ شریعت کو طے کر کے حقیقت کی منزل میں پہنچتے ہیں تو اُن کا قدم بزمِ ہستی سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت عشق کی پائیگاہ مذہب سے بلند ہے۔ اور عشق کے بغیر ایمان معرضِ خطر میں ہوتا

ہے۔ وُہ لوگ جو قال و مقالِ اربابِ کمال کے سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ اور قابلیّت سے معذور اور کوشش سے بہت دُور ہیں۔ وُہ سرشارانِ بادۂ حق اور جانبازانِ رمزِ الست کے حالات سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اس لیے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کے حق میں اعتقاداتِ فاسدہ کا اظہار کرتے ہیں۔"

بعدہٗ ماکولات اور ملبوسات کا ذکر ہوا۔ فرمایا "خداوند تعالےٰ نے کسی ماکول لذیذ اور ملبوس نفیس کو حرام نہیں کیا جب تک کہ مکسوب مالِ حرام سے نہ ہو یا شرع نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (اے حبیبؐ فرما دے کہ اللہ کی وُہ زینت جو اُس نے بندوں کے لیے ظاہر فرمائی اور پاکیزہ رزق کس نے حرام کیا) اظہارِ نعمتِ حق تو سُنّتِ انبیاء و صُلحاء ہے۔ جاہل اور بدنصیب لوگ اس میں بھی غلط روش اختیار کرتے ہیں۔ اور لباس کے متعلق طعن کی زبان کھول دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں عُمدہ لباس پہننا فقیروں کا کام نہیں۔ ان کی عقل پر پردہ پڑا ہے کیونکہ صدہا خواص اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو استعمالِ اغذیہ نفیسہ و لباس بے بہا میں اپنے وقت کے امیروں سے کم نہ تھے مثلاً انبیاء میں سے داؤد و سُلیمان و یُوسف علیہم السّلام بادشاہ گُذرے ہیں۔ خُداوند تعالےٰ کا ہر مزاج میں مختلف رنگ اور کاروکشت ہے۔ ایک کو دُوسرے پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں شیوۂ فقرِ محمّدیؐ کفایت شعاری ہے اور ترکِ تکلّف" مترجم کہتا ہے کہ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خُوب فرمایا ہے ؎

حاجت بکلاہِ بر کی داشتنت نیست　　درویش صِفت باش و کُلاہِ تتری دار

(درویش بننے کے لیے تجھے برکی ٹوپی سر پر رکھنا ضروری نہیں۔ صرف درویشوں کی صفات حاصل کرے چاہے سر پر ٹوپی تاتاری ہو)

ملفوظ۔ ۶۹

فرمایا "اوراد، وظائف اور قرآنی سُورتیں محض برائے حصُولِ اغراضِ دُنیوی پڑھنا اچھا کام نہیں بلکہ نفاق ہے۔ اسی لیے فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور عُمر بھی ضائع ہوتی ہے۔ کلامِ الٰہی کو محض ثواب و رضائے حق کی غرض سے پڑھنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ خُود مسبّبُ الاسباب و کارساز ہے۔ اپنی مہربانی سے کام آسان کرے گا۔ حدیث میں آیا ہے۔ من کان للّٰہ کان اللہ لہٗ (جو خُدا کا ہوا خُدا اس کا ہوا)

کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ بندہ تو خُدا کا ہو رہے اور خدا اس کی حاجات اور مُرادیں پُوری نہ کرے۔ حافظ علیہ الرحمۃ دیوان میں فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکُن　　کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

(تو گداگروں کی طرح مزدُوری کی شرط پر بندگی نہ کر۔ کیونکہ خواجہ خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے۔")

ملفوظ۔ ۷۰

اہلِ بیتِ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فضائل میں تذکرہ ہوا۔ فرمایا "اہلِ بیتِ نبیؐ کے ساتھ ہرگز عداوت نہ رکھنی چاہیئے کیونکہ اس گروہِ پاک کی مخالفت مُوجبِ بے برکتی اور خلافِ ارشاداتِ قرآن و حدیث ہے۔ ہمیں کسی کے نسب اور کسب کے

متعلق تجسس سے کام نہیں ہمیں تو صرف حضور پاکؐ کے نام کا ادب اور سلام ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ کسی کو دُوسرے کے اعمال مکسُوبہ سے نہ پُوچھا جائے گا لیکن فلاتدخل بین اللہ وبین العباد یعنی اللہ اور اُس کے بندوں کے معاملہ میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم میں مُوَدَّۃَ قُربٰی کا حکم ظاہر ہے۔ اِس لیے اہلِ بیت کرامؑ کی خدمت اور اُن کے ساتھ احسان کرنا بہ نسبت دُوسرے لوگوں سے احسان کرنے کے مردمانِ اُمّت کے حق میں بہتر و احسن ہے۔

صاحبِ" فصُوص" لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ عاکفانِ کعبہ سے تھا اور عرصہ دراز سے مکّہ معظمہ میں رہائش پذیر تھا۔ وُہ شریفِ مکّہ کے ساتھ (جو ہمیشہ قومِ سادات سے ہُوا کرتے ہیں) اُس کی چند خامیوں کی بنا پر دِل میں مخالفت رکھتا تھا۔ ایک دِن اپنے وارداتِ رُوحانی میں کیا دیکھتا ہے کہ سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس کی طرف توجّہ نہیں فرمائی۔ اور اس سے اعراض کر کے گذر فرمایا۔ اُس نے کمال عجز و نیاز سے عرض کیا کہ اِس بندہ سے کیا خطا صادر ہُوئی ؟ حضرت سیّدۃ النساءؓ نے فرمایا کہ تو میرے فرزند سے جو شریفِ مکّہ ہے نزاع رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ معاملہ میری نفسانیّت کا نہیں بلکہ اس کی بعض غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ہے۔ فرمایا، اگرچہ خطاکار ہے لیکن میری ذُرّیّت سے ہے۔ تجھ کو میری اولاد کی پاسداری ضروری تھی۔ پس وُہ بزرگ تائب ہو کر معافی کا خواستگار ہُوا۔"

پھر فرمایا" میں دُوسری جانب سادات کو یہ مشورہ دیا کرتا ہُوں کہ وُہ محض اپنے نسب پر بھروسہ نہ کیا کریں۔ اور محض اس امر کو اپنا ذریعۂ نجات نہ جانیں۔ اور مسئلہ عدم سوال از انتساب اور روزِ حساب میں سوال اعمال و اکتساب سے بھی اُنہیں بخُوبی تنبیہ کرتا ہُوں"

ملفُوظ۔ ۷۱

ایک روز جب آپ اورادِ ضُحیٰ سے فارغ ہو چکے تھے اور مجلس شروع ہونے والی تھی۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اولیاءاللہ اعدامِ موجُود اور ایجادِ معدُوم پر قادر ہوتے ہیں یا نہیں ؟ فرمایا" یہ اللہ تعالےٰ کا کام ہے لیکن قُطب کا سینہ اُمورِ مقدّرہ کے ظہُور کے لیے برزخ ہوتا ہے"

ملفُوظ۔ ۷۲

فرمایا کہ باہم اخلاص کا برتنا اور اُلفت و محبّت رکھنا اوصافِ اہلِ اِسلام سے ایک اعلیٰ ترین وصف ہے بلکہ آپس میں سلسلۂ اخلاص اور شفقت رکھنا اوّل اوّل اِسلام ہی نے سکھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوستوں اور احباب کی خاطر داری ہمارے نبی سیّد الکونین محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں بہ نسبت باقی انبیاء علیہم السّلام کے زیادہ ہے۔ چُنانچہ دُنیا میں افرادِ اُمّت کے لیے کثرتِ استغفار اور آخرت میں اُن کے لیے شفاعت، یہ باتیں آپؐ کے کمال شفقت و عنایت سے خبر دیتی ہیں۔ اور پُلصراط پر بھی جب کہ جُملہ انبیاء رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہیں گے۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم "اُصیحابی واُمّتی" فرمائیں گے۔ لیکن افسوس کہ موجُودہ زمانہ میں بباعثِ غُربتِ اِسلام یہ صِفت مُسلمانوں سے بہت حد تک مفقُود ہو چکی ہے۔

ملفُوظ۔ ۷۳

ایک شخص نے عرض کیا کہ مزاراتِ متبرّکہ کے آگے سجدہ کرنا، ان پر رُخسار ملنا اور ان کے گرد طواف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا "شرعِ ظاہر اِن امُور کی اِجازت نہیں دیتی۔ اِس لِیے مَیں کیسے اِن کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہُوں"۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ مَیں نے سُنا ہے۔ اِن امُور کی اِجازت حضُور سیالوی سے ان کے ملفُوظات میں ثابت ہے۔ فرمایا کہ وُہ میرے پیرِ و مُرشد ہیں۔ مَیں اُن کے حال سے تُم لوگوں کی نسبت زیادہ واقف ہُوں۔ اللہ تعالےٰ کا جو فرمان ہے۔ اَور اس کے رسُول پاکؐ نے جو بیان فرمایا ہے وُہ ہمارے لِیے شرِیعت ہے ہمیں اس پر محکم اِعتقاد رکھنا چاہیئے۔ مجھے میاں فضل الدین صاحبؒ کلیامی کی زندگی میں گاہے گاہے اُن کے ساتھ صحبت کا اِتفاق ہوّا ہے۔ جس قسم کی نفسانی راحت کو توڑنے والی ریاضاتِ شاقہ اُنہوں نے اُٹھائی ہیں۔ اہلِ زمانہ نے ان کی نظیر نہیں دیکھی لیکن اہلِ ظاہر ان کے اندرُونی درد اَور شغلِ باطن سے بے خبر ہونے کے باعث ان پر قِسم قِسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا کوئی سانس اِسم ذات کے ذِکر سے خالی نہ گزرتا تھا۔ اَور بوجہ کمال اِستغراقِ حال کے اشغالِ ظاہری کی طرف توجّہ کرنے سے معذُور تھے۔ ممکن ہے ایسا کرنے سے اُن کے ربط و اِرتباط میں فرق پڑتا ہو۔ ایک دِن ان کی مجلس میں عبادات کا ذِکر آیا۔ ان کا قوّال ان کی مجلس میں ایک فارسی غزل پڑھا کرتا تھا۔ جس کا مضمُون یہ تھا کہ جب اصل مقصُود فنا و اِستہلاک سے حاصِل ہو گیا پھر عبادتِ ظاہری کی کیا ضرورت ہے۔ اُنہوں نے وُہ اشعار پیش کر کے اپنی معذُوری کے لِیے حجّت قائم کی۔ مَیں نے کہا کہ قرآنِ مُبین جو بواسطۂ رُوح الامین بحکمِ ذو القوۃ المتین خاتم المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مُبارک پر نازل ہوّا۔ ہم اُسے دیکھیں یا آپ کی اِس غزل کو۔ قرآن میں سینکڑوں بار حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ آئندہ اِنصاف آپ پر ہے۔ غزل کے آخر میں یہ مِصرع تھا:۔

جاں فخرِ جہاں نظام تنش   تننا تننا تننا تننا

شاید لفظ نظاؔم سے میاں صاحب کو یہ خیال ہوّا تھا کہ یہ غزل حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کی ہے۔ مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ غزل بھی تو آپ ہی کے سِلسلہ سے ہے۔ مَیں نے جواب دِیا کہ ایسا نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ نظام ایک درویش کا نام ہے۔ جو خواجہ فخر الحق والدّین دہلویؒ کے مُریدوں سے تھے۔ یہ اُن کی غزل ہے اَور وُہ وجد کے اِظہار میں کہتے ہیں کہ میرا وُجُود بمنزلۂ تن ہے اَور تن کی زِندگی چُونکہ جان سے ہوتی ہے۔ پس اِس تن میں جان میرے پیر و مُرشد فخرِ جہاں ہیں۔ گویا اِستیلائے تصوّر اَور اپنے شیخ کے خیال سے تعبیر کیا ہے۔ اَور کلمہ تنّنا کا تکرار آخر میں بحرِ شعر کی جانِب اِشارہ ہے۔

ملفُوظ۔ ۷۴

محرّرِ سطُور کو حضُور قبلۂ عالمؒ کی اوّل بار قدمبوسی شہر راولپنڈی میں قاضی اِلٰہی بخش مرحُوم کی مسجد میں حاصِل ہُوئی۔ نمازِ عشاء کے بعد مسند آرائے حلقۂ اِرشاد ہُوئے۔ فرمایا کہ وسواس کے خنّاس نے اپنا مُنہ غافل آدمی کے قلب کے گِرداگرد کھول رکھّا ہے اَور اُس کا کوئی دروازہ فارغ نہیں چھوڑتا۔ جب کوئی شخص بوجہ سعادتِ ازلی یادِ حق میں مشغول ہو جاتا ہے تو خنّاس کا مُنہ تدریجاً اُس یادِ الٰہی کی برکت سے اُکھڑ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وُہ شخص رفتہ رفتہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اَور اُس کی سب تشویشات رفع ہو جاتی ہیں۔

ملفُوظ۔ ۷۵

محرّرِ سطُور کو یاد ہے کہ جب وُہ دُوسری بار خدمتِ والا میں حاضر ہوّا تو عین مجلس کے وقت ایک بُوڑھا شخص آیا۔ اَور اُس نے

عرض کیا کہ یا پیرِ خُدا کے لیے مجھے فقیری دو۔ میں نے ستّر روپیہ فقراء پر برباد کیا ہے۔ اَور کسی نے فقیری نہیں دی۔ حضرت قبلۂ عالم رح نے قدرے تبسّم فرمایا اَور کہا کہ لوگوں نے فقر کو عبارت سمجھ رکھا ہے جو روپے سے خریدا جا سکے۔ حالانکہ یہ سعادت دیوان فطرت سعیدہ سے بہ عطائے الٰہی آتی ہے نہ بزور و زر اَور نہ بکسب و اختیار حصول امور میں توفیق موفق خیر (حق سبحانہ وتعالےٰ) شرط ہے ؎

مے خور کہ عاشقی نہ بکسب است و اختیار — کیں موہبت رسید زِ دیوان فطرتم

(شرابِ محبّت پی کیونکہ یہ کسب و اختیار سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ فطرتِ ازلیہ کے دفتر سے عطا ہُوئی ہے۔)

ملفُوظ ۔ ۷۶

ایک شخص نے خواجہ حافظ رح کے اِس شعر کا مطلب حضرت قبلۂ عالم رح سے پُوچھا ؎

تسبیح و خرقہ لذّتِ مستی نہ بخشدت — ہمّت دریں عمل طلب از مے فروش کُن

(تسبیح اَور خرقہ درویشی کی لذّت نہ بخشے گا۔ اِس کے لِیے پیرِ طریقت سے ہمّت اَور توجّہ طلب کر)

فرمایا "تسبیح اَور خرقہ سے مُراد عباداتِ ظاہری ہے۔ "مے فروش" اہلِ وجد کی اصطلاح میں پیر کو کہتے ہیں۔ خواجہ کا مقصد یہ ہے کہ عبادات سے سلوک حاصل ہوتا ہے لیکن اصل مقصُود کہ جذب ہے وُہ صرف شیخ کی عنایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ پس یہ مقصُود اِنسان کامل (شیخ) سے مانگنا چاہیئے۔"

ملفُوظ ۔ ۷۷

فرمایا کہ اہلِ اِسلام کی تکفیر میں بلا وجہ زبان نہ کھولنا چاہیئے۔ یہ بہت ہی ناپسندیدہ امر ہے۔ کیونکہ کُفر آخری حد کا نام ہے کہ اِس کے بعد کوئی مقامِ خُدا سے دُوری کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا تکفیر کا فتوےٰ دینے میں کافی تامّل کرنا چاہیئے۔ اکثر کتابوں اَور اشعار وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اہلِ وجد اپنے آپ کو کافرِ عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرع مشہُور ہے ؎

کافرِ عشقم مُسلمانی مرا درکار نیست

اَور خواجہ حافظ رح نے فرمایا ؎

کافریارم مرا با کُفر و با ایماں چہ کار

اِن کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہم کمالِ عشقِ حقیقی میں اِس درجہ کو پہنچے ہیں کہ اس کے آگے کوئی حد نہیں ہے۔ گویا آخری حد پر آن کھڑے ہیں۔ ہمیں صرف رسمی اِسلام سے کام نہیں اَور نہ یہ ہمیں درکار ہے۔ بلکہ ہمارا اِسلام وُہ ہے کہ بسبب انصباغ عشق معرضِ خطر سے آزاد ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اِس بارے میں حضرت قدس سرّہٗ کا مسلک نہایت محتاط رہا ہے اَور دیگر اِسلامی فرقوں کے ساتھ بعض مسائل میں اِختلاف کے باوجُود آنجناب رح نے کبھی کسی معیّن شخص یا فرقہ پر کفر کا فتویٰ صادر نہیں فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اِسلامی فرقے جن کے اصُول اَور ضرُوریاتِ دِین میں کوئی اختلاف نہیں فروعی مسائل میں تعصب اَور تشدّد ترک کر دیں اَور مسائلِ اجتہادیہ فقہیہ کی طرح اپنے مسلک کو زیادہ قرینِ صواب سمجھتے ہُوئے دُوسرے مسلک والوں کو بھی مسلمان سمجھیں اَور فروعی اِختلاف کو مُوجبِ تکفیر و تفسیق نہ بنائیں تو یہ سب باہمی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں آنجناب رح کی کتاب "اعلاءِ کلمۃ اللّٰہ" کے آخر میں لزُومِ کفر و التزامِ کفر کے درمیان تفریق پر ایک مضمون بھی ہے۔ البتّہ جہاں آپ نے اصُولِ دین میں کسی شخص کو تحریف کرتے ہُوئے دیکھا وہاں پُوری قوّت

کے ساتھ اُس کے خلاف میدان میں اُتر آئے۔ چنانچہ قادیانیوں کے انکارِ ختمِ نبوت پر آپ کی مساعی جمیلہ اظہر من الشمس ہیں۔ اِس کے ماسوا آپ نے جہاں بھی کوئی جوابی اقدام فرمایا اُس کا منشا یہی تھا جو آپ کے متعدد ملفوظات سے واضح ہے۔ یعنے محض فروعی مسائل کی بنا پر اہلِ اسلام کی تکفیر و تفسیق سے گریز کرنا چاہیئے۔ اور اِس مسلک سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ فریقِ مخالف بھی تشدد کو ترک کر کے اعتدال کی راہ اختیار کرے۔

ملفوظ۔ ۷۸

فضائلِ اہلِ بیتِ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا "ائمہ اہلِ بیتِ کرام کی نعمتیں موہُوبی ہیں اور باقی لوگوں کی کسبی کارخانہ کسبی کبھی موہُوبی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اب بھی اگر اس پاکیزہ نسل کا کوئی فرد اشغال و اذکارِ الٰہیہ میں مشغول ہو تو اللہ کے فضل سے وُہ دُوسرے لوگوں کی نسبت بہت جلد اور زیادہ فائز المرام ہوگا۔ صحابہ کرامؓ کے عہد میں مشکل مسائل کے حل میں سب کو مولائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ حضرت علیؓ کے قضایا مشہُور ہیں۔ جب گروہِ خوارج حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بحث کے لیے آئے۔ تو قرآن مجید سامنے لا کر حیلہ بازی سے اُس میں سے غلط استدلال کرنے لگے۔ حضرت مولائے علیؓ نے فرمایا کہ یہ قرآن جو آپ نے اُٹھا رکھا ہے صامت یعنی محتاجِ تفسیر ہے اور علیؓ قرآنِ ناطق یعنی قرآن کی تفسیر تم لوگوں کی نسبت ہم زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ قرآن مجید خاندانِ نبوّت میں نازل ہوا ہے نہ خارجیوں کے گھر۔ پس اہلِ تفسیر ہم ہیں نہ کہ تم۔ بالآخر جُملہ خوارج بحث میں عاجز آ کر رہ گئے۔

ایک دن سیّد الشہدا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ طیّبہ میں بارادۂ تفریح پاکیزہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار جنگل کی طرف جا رہے تھے۔ ایک یہُودی نے جو کہ ذلت اور مسکنت میں مبتلا تھا عرض کیا کہ اے حسنؓ مجھے آپ کے نانا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ فرمان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر (دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے) کیونکہ میری حالت دیکھیں۔ میں آپ کے مذہب کی رُو سے کافر ہُوں۔ مگر مجھے یہ غربت اور مسکینی دامن گیر ہے۔ اور آپ جو اپنے آپ کو مومن جانتے ہیں ایسی رفاہیت اور آسُودگی میں زندگی گذار رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ میرے نانا کا فرمُودہ عین حق ہے لیکن تم پر چُونکہ کُفر اور جہالت محیط ہے اور فہم و علم نہیں۔ اِس لیے اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اب اِس فرمان کا مطلب میری زبان سے سُن۔ تو مجھے جس فانی آسُودگی میں دیکھتا ہے یہ بہ نسبت نعمت ہائے جاودانی اُخروی جو میرے لیے تیار کی گئی ہیں ہیچ ہیں۔ اور دیدارِ الٰہی کی نعمتِ عظمےٰ اور انواع و اقسام کے منازل و مقامات کے مقابل یہ جہان گویا قید خانہ ہے۔ اور کفار کے لیے جو طبقاتِ جہنّم عالمِ اُخروی میں طیّار ہُوئے ہیں از قسمِ عذابِ شدید دمار، صدید و غضبِ خدا و حرمانِ مدیدؔ اُن کی نسبت تمہاری یہ موجُودہ حالت تمہارے حق میں بہشت کی مانند ہے۔ یہ سُن کر یہُودی خاموش ہو گیا۔ حضرت علیؓ اور آپ کی اولادِ طاہر کے اِس طرح کے کئی فضائل و کمالات اہلِ کشف و شہُود پر ثابت ہیں ؎

اعلیٰ جو علیؓ کی ہے امامت کا مقام	کیا جانیں گے اے ذوقؔ بجُز خاص عوام
پُوچھے کوئی اُن سے کہ وُہ کیسا تھا امام	جو لوگ صفِ اوّلِ میثاق میں تھے

اہل اللہ کے بیشتر فتوحات اور کرامات حضرت علیؓ کے دستِ کرامت کی عطا ہیں۔ لیکن چُونکہ نورانی ظلمت کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ ایسا ہی تبرا و بغضِ صحابہؓ کو حُبِّ علیؓ سے کیا نسبت۔ محبّت ایک معنی ہے جو اہلِ ایمان کے سویدائے دل میں جاگزیں ہوتا ہے"۔

مترجم کہتا ہے کہ ذوقؔ دہلوی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

اے ذوق نہ کر نُور سے آمیزشِ ظُلمت   کیا کام تبرّا کو تولّائے علیؓ سے

ملفوظ - ۷۹

ایک مرتبہ کسی اِمام مسجد نے مقتدیوں کی عدم اطاعت اَور بے اَدبی کی شکایت کی۔ فرمایا "دُنیا بے عدلی اَور ناحق شناسی سے پُر ہوگئی ہے۔ جہاں جاؤ اَور جدھر دیکھو یہی روش نظر آتی ہے۔ صبر کرو کیونکہ یہی اچھا ہے۔ روزی کا اِنتظام بارگاہِ علّام الغیُوب سے بندوں کی پیدائش سے پہلے کا کیا ہوا ہے۔ وقت گذارنا مقصُود ہے خواہ آدھی روٹی پر ہو۔ ہم خود بھی لوگوں کی اذیت رسانی سے محفوظ نہیں ہیں مگر خُدا کا فضل ہے کہ ہم اُن کے خلاف دُنیوی ذرائع سے کوئی اِنتقامی کاروائی نہیں کرتے بلکہ خلق کے نیک و بد کی جزا خالق پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ظُلم کا ہاتھ ہمیشہ دراز نہیں رہتا۔"

ملفوظ - ۸۰

ضلع راولپنڈی میں کثرتِ طاعُون کے دِنوں میں حضرتؒ کی عادت مُبارک تھی کہ حاضر ہونے والے مہمانوں اَور زائرین کو فرماتے تھے کہ یہاں شہر گولڑہ میں بھی اِس وبا کی شکایت ہے۔ جو شخص اپنے دِل کی جمعیت سے یہاں رہنا چاہے بخوشی ٹھہرے اُسے ہماری طرف سے یہاں لنگر پر ٹھہرنے کی اجازت ہے لیکن جو نہ ٹھہرنا چاہے اُس کو واپس جانے کی بھی اجازت ہے۔ ایک دن ان ایّام میں ایک شخص سرائے کالا سے آیا اَور عرض کیا کہ ہمارے گھروں میں چُوہے مرے پڑے ہیں۔ مکانوں میں بدبُو کی وجہ سے رہنا دُشوار ہوگیا ہے اَور دِل گھبراتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو عارضی خیمے بنا کر اپنے گاؤں کے باہر کھُلی ہوا میں وقت گذاریں۔ فرمایا "نیّت درست ہو تو کیا حرج ہے۔ اپنے گھروں کے صحن یا اپنی زمینوں میں باہر نکل کر رہو۔ اَور اپنے مریضوں کو بھی کُشادہ ہوا میں رکھو تاکہ ان کی خبرگیری ہوسکے۔ اَور مُردوں کے دفن وغیرہ سے بھی غافل نہ رہو۔" اِس اثنا میں ایک بوڑھی عورت نے شہر گولڑہ سے آکر عرض کیا کہ ہم چند روز سے بدبُو کے سبب اپنے گھروں سے باہر نکلے ہُوئے تھے۔ دُعا خیر اَور اجازت فرمائیں کہ اب اپنے گھروں میں واپس جائیں اَور مال و اسباب کی حفاظت کریں۔ فرمایا "اِن شاء اللہ تعالےٰ خیر کرے اجازت ہے۔ گھروں میں جاؤ۔ یہ امر آپ کی اپنی مصلحت پر موقوف ہے ہماری جانب سے کِسی پر گھروں میں جانے یا نکلنے کی کوئی پابندی ہرگز نہیں ہے نہ ہم یہاں طاعون کے اِنتظام کے لِیے متعیّن ہیں۔ مگر مخلُوق کی حالت اس داہیۂ کبریٰ (بھاری مصیبت) میں قابلِ رحم ہے۔ جو کچھ کہا جاتا ہے صرف مُصیبت زدہ لوگوں کی دِلداری کے لِیے کہا جاتا ہے۔" مترجم کہتا ہے کہ طاعُون اَور وبا سے نِکلنے کے متعلق آنجنابؒ کا مفصّل فتویٰ آپ کے فتاویٰ مطبُوعہ المعرُوف "فتاویٰ مہریہ" میں مُلاحظہ کریں۔

ملفوظ - ۸۱

ایک شخص ضلع مُلتان سے حاضر خدمتِ اقدسؒ ہوکر قدمبوس ہوا۔ حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے اَور کس غرض سے آئے ہو۔ عرض کیا کہ میں وُہی شخص ہُوں جو اس سے پہلے چند عریضے عملِ تسخیر کے حاصل کرنے کے لِیے خدمتِ اقدس میں ارسال کرچکا ہے۔ اَور اَب بھی اِسی کام کے لِیے حاضر ہوا ہُوں۔ فرمایا "کچھ تعلیم پائی ہے یا نہیں؟" عرض کیا "تعلیم یافتہ ہُوں"۔ فرمایا "بوستانِ سعدیؒ میں تم نے نہیں پڑھا ۔

تُو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

تُو خُدا کے حُکم سے گردن نہ موڑ تاکہ کوئی چیز تیرے حکم سے گردن نہ موڑے

ہمارے پاس تو یہی عمل ہے۔ اَور جو بات تم سمجھتے ہو وُہ غلط ہے۔ ذکرِ خُدا میں مشغُول رہنا ہی درویشوں کے لیے اکسیر و تسخیر ہے۔ اگر چاہتے ہو تو مُطابق دستُورِ مشائخ طریقت تمہیں وظیفہ کی تلقین کرسکتا ہُوں۔ بہتر ہے کہ اپنی عمُر سعی باطل میں نہ ڈالو۔"

ملفُوظ - ۸۲

ایک روز ایک شخص نے حلقۂ اِرشاد میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مرض طاعُون سے جو لوگ مرجائیں وُہ شہید ہوتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں فرمایا۔"ہاں شہید ہوتے ہیں بشرطیکہ بُزدلی نہ کریں۔ اَور راضی بہ قضاءِ الٰہی ہوں۔ بُزدل مرد کے دل میں وسواس اپنا کام کرتا ہے اَور اِستقامت نہیں رہتی۔ پھر فرمایا کہ بعض مولوی مصیبت زدگان طاعُون پر بے وجہ کفر و تکفیر کا دروازہ کھول دیتے ہیں اَور ان کا یہ فتویٰ قاعدہ کے مُطابق نہیں۔ کیونکہ گھر سے خرُوج بقصدِ علاج اَور چیز ہے اَور خرُوج بہ قصد فرار اَور چیز۔ چنانچہ شیخ الاسلام طحاویؒ نے اس پر تصریح کی ہے کہ موت سے فرار نفع نہیں کرتا۔ اور [illegible] سے فرار کی صُورت متصوّر نہیں ہوسکتی۔ مولویوں کا اِستدلال آیت اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ[1] پر مبنی ہے۔ کلمہ حَذَرَ الْمَوْتِ سے ظاہر ہے کہ وہاں خرُوج بقصدِ فرار از موت تھا نہ بوجہ دیگر۔ اُنہوں نے قصّۂ طاعون عمواس جو بعہدِ خلیفۂ ثانی فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ واقع ہُوا تھا بُھلا دیا ہے۔ شاید ان کی سمجھ اُن کے اپنے زعم میں حضرت عمُر رضی اللہ عنہ کے تفقہ اَور توکّل سے زیادہ ہو۔ حضرت عمُرؓ کی تشدید اَور دین میں اِحتیاط رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت سے بہ صیغۂ تفضیل پہنچی ہوئی ہے۔" محرر سطُور کہتا ہے کہ قولِ سلیم کو طبعِ سقیم سے تکلیف ہوتی ہے لیکن حضرتؒ کا یہ فرمُودہ عین حق ہے۔ علاج طبّی کے بارہ حدیث میں ذٰلک من قدر اللّٰہ آیا ہے۔ اَور تنزہ اَور آب وہوا کی تبدیلی بدنی تکالیف اَور بیماریوں کے لیے علاج کی ایک قسم ہے بعض کُتُب حدیث میں مذکُور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ تداووا یا عباد اللّٰہ فان اللّٰہ تعالیٰ ما انزل داءً الا وقد انزل لہ الدوا (اے خدا کے بندو علاج کیا کرو۔ کیونکہ خُدا نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں فرمائی جس کی دوا نہ ہو) لہٰذا طاعون کے متعلّق آب وہوا کی تبدیلی کو ناجائز قرار دینا تعصّب اَور بے سمجھی ہے۔

ملفُوظ - ۸۳

فرمایا"مردانِ خُدا اپنے ایثار کے باعث اَوروں پر سبقت لے گئے ہیں۔ اُنہوں نے دُوسروں کے حقوق کو اپنی بھلائی پر مقدم رکھا۔ اَور محض اپنے ہی کار مدار میں مصرُوف نہ رہے اَور نہ ہی وُہ بے مروّت تھے۔ ایک دفعہ خواجۂ بزرگ اجمیری قدس سرّہٗ اپنے پیر خواجہ عثمان ہارونی قدس سرّہٗ کے ہمراہ جب اپنے دادا پیر حضرت خواجہ مخدُوم حاجی شریف زندانی قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوئے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تو حضرت مخدُومؒ نے حضرت خواجۂ بزرگؒ کو قابل اظہار اسرار وافاضہ انوار سمجھ کر [illegible]ت میں فرمایا کہ فلاں روز فلاں وقت ہمارے مکان کے فلاں دریچہ کے نیچے جو اُس وقت کُھلا ہوگا ہماری نظر کے سامنے حاضر ہونا۔ ایسا کرنے سے دوزخ

---

[1] آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہُوئے۔

کی سُموم تم پر حرام ہوجائے گی اَور جنّت کی رُوح وریحان حلال مگر یہ رازکسی اَور کو ہرگز نہ کہنا۔ ورنہ نتیجہ اس کے بالکل برعکس ہوگا خواجہؒ بزرگؒ نے اِس تاکید کے باوجُود اِس خبر کو تمام شہر میں مشتہر کردیا۔ تاکہ نظرِ رحمت کے اثر سے سارے لوگ بہرہ مند ہوں۔ جب مقررہ روز حضرت مخدُومؒ نے کھڑکی کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہزارہا لوگ انتظار دید میں نیچے کھڑے ہیں۔ اُنہوں نے اُن سے وہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے خواجہ بزرگؒ کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا کہ یہ درویش چند روز سے شہر میں منادی کررہا تھا کہ جو شخص مخدُوم صاحبؒ کی نظر میں فلاں وقت آ سے گا اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہوجائے گی۔ ہم اِسی لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کی نظرِ کرم سے مستفید ہُوں۔ یہ سُن کر حضرتِ مخدُومؒ نے رازِ افشا کرنے پر خواجہ بزرگؒ سے خفا ہوکر فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اَور کیوں اپنے آپ کو مستحقِ عتاب بنایا ہے۔ خواجہؒ نے عرض کیا کہ اگر اتنی مخلوقِ خُدا دوزخ سے رہائی پاکر بہشت میں چلی جائے۔ تو صرف ایک معین الدین کے ان پر قربان ہوجانے اَور ان کے عوض دوزخ چلے جانے میں کیا حرج ہے۔ حضرت مخدُومؒ یہ جواب باصواب سُن کر خواجہؒ کی مروّت و ایثار سے بہت متاثر ہُوئے اَور فرمایا کہ مشائخِ طریقت کے شایانِ شان یہی ہے جیسا تم نے نفع رسانیٔ خلق کے لیے کیا ہے۔ جاؤ تم بھی اہلِ بہشت سے ہو۔"

ملفُوظ ۔ ۸۴

فرمایا "معجزات وکرامات کے مسائل عقلِ فلسفی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ جہان میں دو قسم کے احکامِ الٰہی جاری ہوتے ہیں۔ ایک موافقِ عادت جو اکثر ہوتا ہے۔ اَور ایک خلافِ عادت جو کم ہوتے ہیں تصرّفات اہل اللہ کی حقیقت کو جاننا ہر ایک کا کام نہیں۔ اَور اگر کوئی شخص انہیں نہ سمجھ سکے تو اُسے چاہیئے کہ اِنکار کے درپے بھی نہ ہو۔ ننانوے اسمائے حسنیٰ الٰہیہ سالک کی صفت ہو جاتے ہیں پس وُہ بھی رحمانیّت ورزّاقیّت وقہّاریّت وغیرہ صفات سے بطورِ ظلیّت متصرّف ہوتا ہے۔ تقلیبِ اسبابِ عالم (اسباب کا پھیر دینا) ان کے آگے سہل امر ہے۔ سالک پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس وقت اس کی نظر مُوجبِ حُرمتِ سمُومِ دوزخ ہوتی ہے۔" کاتب الحرُوف کہتا ہے کہ حضُورِ انورؒ کا فرمُودہ اِس حدیث کا بیان اَور تفسیر ہے جو بہ مضمون حتی اکون یدہ الذی بہ یبطش الخ وارد ہے اَور حکیمُ الاُمّت مولانا رُومؒ کے فرمُودہ کے مُطابق ؎

اِیں دُعائے شیخ نے چوں ہر دُعا ست　　نائب است و دست او دستِ خُدا است

(شیخ کی دُعا عام دُعاؤں کی طرح نہیں ہے بلکہ شیخ خُدا کا نائب ہے اَور اس کا ہاتھ خُدا کا ہاتھ ہے) (مترجم)

ملفُوظ ۔ ۸۵

سیدنا حضرت غوث الاعظم قدس سرّہ العزیز کے شانِ بے پایان میں سخن شروع ہوا۔ فرمایا "جو لطافت دُوسرے اَولیاء اللہ کی رُوحوں کو حاصل ہے وُہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے بدن مُبارک کو حاصل ہے۔ گویا آپؓ کا بدن مُبارک دُوسروں کی رُوحوں کے مرتبہ میں ہے۔ حضرتؓ کے عہد بابرکات میں ایک سوداگر نے ایک دِن حضرتؓ کے خادم کو آپؓ کے لیے نہایت قیمتی لباس خریدتے دیکھ کر خیال کیا کہ اِس درویش کا مرتبہ کہاں تک پہنچا ہے کہ ایسا بیش قیمت کپڑا جو اس درویش کے خادم نے طلب کیا ہے۔ شاہانِ وقت بھی نہیں پہنتے۔ اِس خیال کے دل میں آتے ہی اس شخص کو ایسا مرض لاحق ہوا جو کسی علاج سے اچھا نہ ہوتا تھا۔ بالآخر حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؓ نے متبسّم ہوکر فرمایا کہ جو شخص عبدالقادرؓ سے غیرت برتے وُہ ایسی ہی سزا کا مستحق ہے۔ حضرتؓ کے ایک

قصیدہ میں اِس مضمون کا بیان ہے ۔ کہ ہم کوئی چیز از قسمِ ماکولات و ملبوسات ہرگز استعمال نہیں کرتے ۔ تا آنکہ عالمِ غیب سے اس کے استعمال کا ارشاد نہیں ہوتا ۔ یہ شعر اسی قصیدہ کا ہے ۔

وما قلت حتی قیل لی قل ولا تخف   فانت ولی فی مقام الولایۃ

(میں نے کوئی بات نہیں کہی مگر اُس وقت جب کہ ارشاد ہوا کہہ اور خوف نہ کر کیونکہ تو مقامِ ولایت میں میرا مخصوص ولی ہے)

ملفوظ ۔ ۸۶

دسویں ربیع الثانی کو حضرت غوث صمدانی کے عُرس شریف کے ایّام میں دو عربی شخص حاضر ہوئے حضورؒ نے خادمانِ لنگر کو ارشاد فرمایا کہ انہیں ٹھہرنے کے لیے کمرہ دو ۔ اور ان کے خورد و نوش کا خیال رکھو ۔ حاضرینِ مجلس میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ اصل میں عرب نہیں ہوتے ۔ اور لوگوں سے چیزیں مانگ کر انہیں تنگ کرتے ہیں ۔ فرمایا "ہمیں اس سے کیا مطلب کہ یہ اصل میں کون ہیں ۔ یہ لوگ اپنا نشان اُس جگہ کا دیتے ہیں جہاں سے اسلام شروع ہوا ہے اور جو حبیبِ خدا رسولِ انس و جنّ کا وطن ہے ۔ جن کی نعت ذکرِ کلمۂ طیّبہ توحید کے ساتھ چسپاں ہے جو ہم ہمیشہ پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمّد الرسول اللہ ۔ اس لیے ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیئے" مترجم کہتا ہے کہ آنجنابؒ کا یہ ارشاد اُس ارشادِ نبوی[۱] کی زندہ مثال ہے جس میں فرمایا کہ اہلِ عرب کو تین وجہ سے دوست رکھو ۔ اس[۱] لیے کہ میں اہلِ عرب سے ہوں ۔ قرآن[۲] عربی میں ہے اور اہلِ جنّت[۳] کی زبان بھی عربی ہے ۔

ملفوظ ۔ ۸۷

خواجہ غریب النّوازؒ کے عُرس پر چند کلمات ارشاد فرمائے جن سے تعریضاً کسی کو نصیحت فرمانا مقصود تھا ۔ ایمان[۱] بے عشق معرضِ خطر میں ہوتا ہے ۔ اسی طرف دوڑنا جہاں[۲] کچھ نفع نظر آئے اہلِ استقامت کا کام نہیں ۔ یقین[۳] عمدہ چیز ہے اور اعتقادِ محکم کے بغیر انتفاع مسلّم نہیں ۔ اہلِ غرض[۴] مروّت سے خالی ہوتے ہیں ۔ طمع بگسل و ہر چہ خواہی کُن ۔

ایک بوڑھا کابلی حاضرِ خدمت ہوا ۔ نمازِ ظہر سے فراغت پا کر آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے اور کس کام کے لیے آئے ہو ۔ وُہ نہایت تضرّع وزاری سے فریاد کرنے لگا کہ میرا دادا ولی گذرا ہے ۔ اور میرا باپ بھی لنگر دیتا تھا ۔ لیکن میرے حالات خراب ہیں اور میں کمال احتیاج اور مسکنت کو پہنچ گیا ہوں ۔ فرمایا "اس سے پہلے کوئی وظیفہ پڑھا کرتے ہو" عرض کیا "جی ہاں ۔ اسم یَا غَائِرُ چار سو بار پڑھتا ہوں" حضرت قبلۂ عالمؒ نے قدرے تبسّم کر کے فرمایا ۔ کہ "اس کے معنی بھی جانتے ہو" عرض کیا "جی ہاں ۔ جانتا ہوں یعنی اے خداوندِ پاک تو خود ہماری حاجات میں غور کرنے والا ہے" حضورؒ نے فرمایا کہ اسماء صفات توقیفی ہیں پس جس طرح قرآن اور حدیث سے ثابت ہو ، اُسی طرح پڑھنا چاہیئے ۔ تاکہ ثواب اور فائدہ ہو ۔ اسماء میں اپنا اجتہاد نہ کرنا چاہیئے ۔ بعدہٗ اُس شخص کو وظیفہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور یَا وَدُوْدُ ہزار ہزار بار پڑھنے کی تلقین فرمائی ۔

ملفوظ ۔ ۸۸

فرمایا "ذوق و مواجید کے مسائل محض زبان سے نہیں سمجھائے جا سکتے بلکہ ایسے مسائل کی اصل معلّم ... میں ہوتی ہیں جو اپنے تصرّفاتِ خاصہ سے دوسری رُوحوں کو تعلیم دیتی ہیں یعنی رُوح ہی رُوح کو تعلیم دیتی ہے اور رُوح ہی رُوح سے تعلیم لیتی ہے ۔ لیکن

اِس معمّہ کا مکمل بیان اَور شرح نہیں ہو سکتی۔ جب اِنسان آسیب جنّی کی حالت میں جنّ کی حقیقت نہیں سمجھتا تو تصرّفاتِ واصلانِ حق کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے ؎

از آب دیدہ خود غرقِ قام چہ چارہ کنم　　　که در محیط نہ ہر کس شناوری داند

(میں اپنی آنکھوں کے دریائے آب میں غرق ہوں۔ کیا کروں کہ ہر شخص بحرِ محیط کی تیراکی نہیں کر سکتا)

ملفوظ ۔ ۸۹

فرمایا "اِس سال پاک پتن شریف کے عُرس میں مجھے ہچکی سے بہت تکلیف ہُوئی۔ اَور اُس نے اِتنا طُول پکڑا کہ رُفقا میری زندگی سے مائُوس ہو گئے۔ دیوان صاحب نے علاج کے لیے اِتنی کوشش کی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ متعدّد حکیم اَور ڈاکٹر ان کے حکم سے ملاحظہ اَور معالجہ کرتے رہے مگر فائدہ نہ ہُوا۔ اس کے بعد واپسی پر شہر قصُور میں ٹھہرنے کا اِتفاق ہُوا۔ وہاں ایک بُلّھا شاہی قوال نے غزل کہی۔ جس سے ایسی کیفیّت پیدا ہُوئی کہ ہچکی فوراً رفع ہو گئی۔ صاحبزادہ محمُود صاحب کو اِس واقعہ کی اِطلاع ملی۔ تو کمال لُطف سے عیادت نامہ تحریر فرمایا جس کا مضمُون یہ تھا کہ سماع سے مرض کا دُور ہونا بیمار کی خصُوصیّت ظاہر کرتا ہے۔ ایسا معاملہ ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتا۔ کہتے ہیں ہچکی دوستوں کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر وُہ شخص کیسے بیمار نہ ہو جسے ایک جہان یاد کرنے والا ہو۔ اَور یہ شعر بھی لکھا" ؎

آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں　　　بھُولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

مترجم نے قبلہ بابُوجی سے سُنا ہے کہ قصُور میں محفلِ سماع مزامیر کے ساتھ ہوئی تھی۔ بُلّھے شاہی قوال دُھنّا جو خُود بھی ایک صاحبِ ذوق آدمی تھا۔ طبلہ بجانے میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اَور بعض اَوقات غلبہ حال میں طبلہ بجاتے ہُوئے اس کی اُنگلیوں کے پور چِر جاتے اَور خُون کے چھینٹے اُڑنے لگتے۔ حضرتؒ اعلیٰ کو بُلّھے شاہؒ صاحب کی جس غزل پر کیفیّت طاری ہُوئی تھی۔ اُس کا مطلع یہ تھا ؎

میں نہ مُڑدا عشق اوہڑا شہ نال پیتاں لایاں نی

بہت رات گئے تک اِسی مصرعہ کی تکرار جاری رہی۔ مجلس کے بعد آپ نے اِرشاد فرمایا کہ اِس مجلس سے دو فائدے تو ظاہری حاصل ہُوئے۔ ایک یہ کہ میری بیماری دھواں بن کر ناک کے راستے نکل گئی۔ دُوسرا یہ کہ آج صبح کی نماز کی سُنّتیں پڑھنے کے بعد بحالتِ بیداری حضرت بُلّھے شاہؒ اَور آپ کے پیر حضرت شاہ عنایت صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔

ملفوظ ۔ ۹۰

مسئلہ سماع کا ذکر شرُوع تھا۔ فرمایا کہ سماع صُوفیائے کرام کے لیے لوازمِ ضروریہ سے نہیں۔ ہمارے خواجہؒ نے بھی فرمایا ہے کہ سماع اہل اللہ کے لیے مقصُود بالذّات نہیں لیکن سماع سے اِنکار بھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے اکابر اہل اللہ اہلِ سماع گذرے ہیں۔ اَور اُن کا مُقتدا ہونا بدرجۂ تواتر پہنچا ہُوا ہے۔ سماع کے متعلّق شاہ نقشبندؒ بھی فرماتے ہیں۔ "نہ ایں کار مے کنیم نہ اِنکار مے کنیم" پھر اَور کسی کے کہنے کی کیا حاجت ہے۔ اصل طریقہ بَین بَین ہے اَور اِدھر اُدھر ہونے سے افراط و تفریط پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں اِنصاف کا راستہ چلنا چاہیئے۔ اَور زبانِ طعن بند رکھنی چاہیئے۔ مستانِ ذوق و شوق خلقِ نامحرم کی گفتگو کی پروا نہیں رکھتے ؎

دی پیرِ مے فروش کہ ذکرش بخیر باد　　　گفتا کہ مے بنوش دگر ہر چہ باد اباد

کل رات پیرِ مے فروش نے فرمایا کہ شرابِ محبت پیئے جا جو ہو سو ہو

لیکن سماع کے لیے اہلیت کا ہونا بڑا ضروری ہے ؎

در گلستاں ہر ورقے دفتر حال دگر است | حیف باشد کہ زحال ہمہ غافل باشی
چنگ در پردہ دہدت وعظ ولے | وعظ آنگہ دہدت سُود کہ قابل باشی

(باغ میں ہر پتّہ ایک حال کا دفتر ہے افسوس ہو گا کہ تو اُس سے غافل ہو۔ چنگ ورباب تیرے لیے مفید وعظ ثابت ہو گا۔ بشرطیکہ تجھ میں اس امر کی اہلیت ہو) مترجم کہتا ہے کہ حضرتؒ اعلیٰ کا یہ ملفوظ سابقہ ملفوظات میں میری بیان کردہ توجیہ کی تائید کرتا ہے یعنی آنجنابؒ سماع وغیرہ کو نہ تو سالک کے لیے مقصود بالذّات اور نہ ہر شخص کے لیے موزُوں سمجھتے تھے۔ اور نہ اربابِ سوز و گداز کے سماع پر معترض تھے اور حق بھی یہی ہے۔ والحمدللہ۔

ملفُوظ۔ ۹۱

فرمایا کہ مدینہ طیّبہ میں کلمہ الصلوۃ والسلام علیک یا محمدؐ اس قدر کثرت سے پڑھا جاتا ہے کہ ہر طرف سے یہی آواز کانوں میں سُنائی دیتی ہے۔ ہمارے ملک کے بعض [illegible] قسم کی ندا و استغاثہ و استشفاع کو شرک کہتے ہیں۔ وُہ اگرچہ نماز بظاہر اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں لیکن حدِّ ادب بہت کم نگاہ رکھنے کے باعث بے برکت رہتے ہیں۔ کمالاتِ محمدیہ ایسے نہیں کہ نطق وبیان کی حد میں آسکیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعظیم شعائرِ اہلِ ایمان اور نشانِ اہلِ اسلام سے ہے سُورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ یعنی جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ایمان لائے۔ آپؐ کی تعظیم و توقیر کی اور آپؐ پر نازل شدہ نُور کی تابعداری کی وُہی لوگ کامیاب ہیں۔ یہاں مفسّرین نے عَزَّرُوْهُ کا معنے عظموہ وفخموہ لکھا ہے جس کا معنی تعظیم و تکریم ہے۔ ایک اور مقام پر وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ فرمایا۔ اسی طرح تعلیم ادب کے لیے حکم فرمایا کہ آں جنابؐ کو ایسے نہ بُلاؤ جیسے ایک دُوسرے کو بُلاتے ہو۔ اور نیز فرمایا ہے کہ اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور اُنؐ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ حدِّ ادب نگاہ رکھو۔ اُنؐ کے سامنے کسی چیز کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھو۔ یہ سب احکام تعلیمِ ادب کے لیے فرماتے ہیں۔ مگر یہ لوگ جن کے اعتقاد میں خلل ہے کہتے ہیں کہ جب ایک شخص مر گیا خواہ وُہ نبی ہو یا ولی، تو وُہ معدُوم ہو گیا۔ افسوس اُنہوں نے آثارِ فیوضِ حق تعالیٰ کو بہت ہی کم سمجھا ہے۔ محررِ سطور کہتا ہے کہ ایسی ندا و استغاثہ کیسے منع ہو سکتی ہے جس کے معنی ہوں اغثنا یارسول اللہ تشفعنا بك یارسول اللہ۔ اور جو مشائخ کاملین کا معمُول ہے۔ عاشقِ آثارِ نبوّت شیخ محمد بوصیریؒ "قصیدہ بُردہ" میں کہتے ہیں ؎

يا اكرم الخلق مالی من الوذ به | سواك عند حلول الحادث العمم

اَے سب خلق سے زیادہ کریم سخت حوادث کے نزُول کے وقت آپؐ کے بغیر میرا کون ہے جس کے ساتھ پناہ لُوں

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کہ منبع سندِ علم حدیث ہیں قصیدۂ ہجریہ میں کہتے ہیں ؎

رَسُوْلَ اللهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا | نَوَالَكَ اَبْتَغِيْ يَوْمَ الْقَضَاءِ
اَے اللہ کی بہترین مخلوق اور اُس کے رسُولؐ | یومِ حشر میں تیری عطا کا طالب ہُوں
اذا ما حل خطب مدلهم | فانت الحصن من كل البلاء
جب کوئی خطرناک حادثہ نازل ہوتا ہے | تو تیری ہی ذات ہر مُصیبت کے لیے حصن حصین ہے

"اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" میں فرماتے ہیں ؎

وصلی علیک اللہ یاخیر خلقہ ‌ ‌ ویاخیر مأمول ویاخیر واہب

صلوٰۃ و سلام تم پر اے اللہ کی بہترین مخلوق ‌ ‌ اور بہترین مأمول اور بہترین داتا

ویاخیر من یُرجی لکشف رزیۃٍ ‌ ‌ ومن جودہ قد فاق جود السحائب

اے اُن سب سے بہتر جن سے رفع مصائب کے لیے اُمید کی جاسکتی ہے اور جس کا جُود بادلوں کے جُود سے فوقیت لے گیا

فاشھد ان اللہ راحم خلقہ ‌ ‌ وانک مفتاح لکنز المواہب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرماہے اور تیری ذات عطائے الٰہی کا خزانہ ہے۔

وانک اعلی المرسلین مکانۃً ‌ ‌ وانت لھو شمس وھم کالثواقب

اور آپؐ سب رسُولوں سے بلند شان والے ہیں ‌ ‌ گویا آپؐ شمس ہیں اور وُہ ستارے ہیں

مترجم کہتا ہے کہ اس قسم کے مسائل کے متعلق آنجنابؒ کی کتاب اعلاء کلمۃ اللہ قابلِ دید ہے۔

ملفوظ ۔ ۹۲

فرمایا کہ درویشی خلافِ نفس کو کہتے ہیں یعنی جو کچھ نفس کہے اس کے خلاف کیا جائے اور اس کے ساتھ ہرگز موافقت نہ کی جائے۔ پاک پتن شریف میں میاں فضل الدین صاحب کلیامیؒ نے ایک دن میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی پیٹھ پر رکھا۔ ہاتھ رکھنے سے معلوم ہُوا کہ ان کی پیٹھ کی ہڈیاں قدرے ٹوٹی ہُوئی ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر آہستہ سے میرے کان میں تین بار مکرر یہ کلمہ فرمایا "پیرجی درویشی خلافِ نفس ہے"۔ میاں صاحب موصُوف ظاہر بینوں سے اپنے آپ کو نہایت ہی مستور رکھتے تھے۔ ایک دن ان کی مجلس میں ایک شخص بابا صاحبؒ گنج شکر کا تذکرہ کرنے لگا۔ جُونہی اس شخص کی زبان سے لفظ "فرید" نکلا میاں صاحبؒ کی ہڈیوں سے تڑاق تڑاق کی آواز آنے لگی۔ ہم نے دِل میں کہا سُبحان اللہ مُردہ بدن میں جان آگئی۔ اگر اس مجلس میں کوئی وجد کا منکر ہوتا تو وُہ بھی ضرور حیران ہوتا میاں صاحبؒ کی نظر میں ناموسِ ظاہری کی کوئی وقعت نہ تھی۔ بے باکانہ جمالِ مطلق کو مظاہرِ صوریہ میں ملاحظہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ نیّت مستقیم ہو تو انسان منزل کو جالیتا ہے۔

اپنے قوّال کو وصیّت کی تھی کہ میری نعش قبر میں رکھنے کے بعد میرے کان کے قریب چنگ بجانا اور کسی کے منع کرنے پر بھی ہرگز نہ رُکنا۔ پس وُہ قوّال ان کی وصیّت بجالایا۔ اور عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ حافظؒ فرماتے ہیں ؎

میا رید بر گورِ من جُز رباب ‌ ‌ مریزید بر خاکِ من جُز شراب

میری قبر پر رباب کے بغیر کچھ نہ لانا اور میری خاک پر شراب کے بغیر کچھ نہ بہانا

ولیکن بشرطیکہ بر مرگِ من ‌ ‌ ننالد بجُز نالۂ چنگ زن

اور میری موت پر چنگ بجانے والے کے بغیر کوئی دُوسرا آواز نہ کرے

ملفوظ ۔ ۹۳

ایک دِن بعد نمازِ ظہر ایک حکیم صاحب نے افغانستان کے بادام مقشّر خدمت میں حاضر کیے۔ فرمایا "حکیم صاحب یہ کیا

ہے"۔ حکیم صاحب نے عرض کیا "یہ اعلیٰ قسم کے افغانی بادام ہیں"۔ فرمایا "اِن کی خاصیت کیا ہے"۔ عرض کیا "اگر معدہ درست ہو تو ان کا اِستعمال مُوجبِ تقویّتِ دِل و دِماغ ہے"۔ فرمایا کہ تمہاری یہ مشرُوط بات تسلّی بخش نہیں ہے۔ کیونکہ بشرطِ تقویّت وصحتِ معدہ جو دانہ کہ ہمارے باپ آدم علیہ السّلام کھا کر بہشت سے باہر نکلے تھے وُہی سب چیزوں سے زیادہ مقوّی اَور بے نظیر ہے۔ اُن کا بہشت سے گرنا حکمت سے خالی نہ تھا۔ کوئی گراں قدر چیز کھا کر ہی گرے تھے۔

ملفُوظ۔ ۹۴

فرمایا کہ مزاجوں کا ایک دُوسرے سے ربط وارتباط اَور ایک چیز کی دُوسری چیز کی طرف کشش عجیب کیفیت دِکھاتی ہے یہ نسبت تحت الثریٰ سے فوق سمٰوٰت العلیٰ تک ہر چیز میں موجُود اَور ثابت ہے۔ اہلِ اِرادت کا اپنے مُرشد سے تعلّق ومحبّت بھی اِسی قسم سے ہے۔ جب حق سُبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو محبُوب اَور دوست رکھتا ہے تو جبرائیلؑ کو حکم فرماتا ہے کہ آسمانوں میں مُنادی کر دو کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہُوں۔ پس جبرائیل علیہ السّلام بحکم خداوند تعالیٰ آسمانوں میں منادی کرتے ہیں اَور ساکنین سمٰوٰت اس سے آگاہ ہوتے ہیں۔ بعد ازاں اُس عالمِ علوی کا عکس عالمِ سفلی پر بھی پڑتا ہے۔ اَور جُملہ جہان اُس بندہ کی مقبُولیّت کا قائل ہو جاتا ہے۔ اَور ہر کوئی اپنے جاذب کی جانب کھینچا جاتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ اِس مضمُون کی مختلف احادیث کُتبِ حدیث میں وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے ثم یوضع له القبول فی الارض یعنی سموی جہان میں مقبُولیت کے بعد عالمِ سفلی میں اس کی مقبُولیت سرایت کر جاتی ہے۔

ملفُوظ۔ ۹۵

محرِر سطُور نے عرض کیا کہ مسبّعاتِ عشر ورد سابع میں کلمہ اللھم یارب افعل بی وبھم میں ضمیر ھم کا مرجع کون ہے فرمایا "مرجع اِس کا مذکورین جو اللھم اغفرلی میں گذرے ہیں یعنی والدین ومومنین ومومنات"۔ پھر فرمایا "جو لوگ لغت سے نا آشنا ہیں مسبّعاتِ عشر دُعائے اَخیر انك غفورٌ حلیمٌ جوّادٌ میں جَوَّادٌ بہ تشدیدِ واؤ پڑھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اسماء الٰہی توقیفی ہیں۔ لہٰذا اسماء الٰہی میں صحیح لفظ جَوَادٌ بہ تخفیفِ واؤ ہے"۔

ملفُوظ۔ ۹۶

ایک دِن دو شخص جن میں سے ایک تحصیلدار تھا اَور دُوسرا تھانہ دار حاضرِ خدمت ہُوئے اَور اپنی ملازمت کی تکالیف بیان کیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِس عالمِ اسباب میں دُنیاوی اِنتظام جیسا بھی ہے بہت مناسب وزیبا ہے اَور ایسا ہی چاہیئے۔ کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے خالقِ اسباب کی مرضی سے ہے۔ اَور حکمرانی کی رُموزِ مصلحت جس طرح سے بادشاہ جانتے ہیں۔ وُہ ایک گدائے گوشہ نشین کیسے جان سکتا ہے لیکن سب گروہوں میں سے جو لوگ اپنے دِل کو ہر چیز سے فارغ کر کے یادِ حق میں مشغول ہو جاتے ہیں وُہی آسانی میں رہتے ہیں کہ نہ اُونٹ پر سوار ہیں اَور نہ اُونٹ کی طرح زیر بار ہیں۔ اَور اگرچہ جہان سے خلاصی حاصل کر کے خُدا کی محبت میں گرفتار ہیں لیکن یہ گرفتاری اپنے حق میں لذّت بخش پاتے ہیں اَور اُس سے رہائی نہیں چاہتے۔

خلاص حافظؔ ازاں زلفِ تابدار مباد　　　　کہ بستگانِ کمندِ تو رُستگارانند

ترجمہ:۔ اُس زُلفِ تابدار سے حافظؔ کی خلاصی نہ ہو کیونکہ تیری زُلف کے اسیر ہی حقیقت میں خلاصی یافتہ اور کامیاب ہیں۔

ملفوظ ۔ ۹۷

ایک روز مجلس کے وقت ایک عریضہ آیا جس میں قصیدہ بُردہ قصیدہ غوثیہ اور دیگر قصائد کی اجازت مطلوب تھی۔ فرمایا "میری جانب سے تو اجازت ہے لیکن عجیب بات ہے کہ لوگ اللہ اللہ کرنے کی رغبت نہیں رکھتے اور قصائد و عملیات کے درپے ہوتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان قصائد کے ناظمین کیا کام کرتے تھے۔ اُن حضرات نے یادِ حق سے یہ درجات حاصل کیے تھے۔ نہ یہ کہ محض سقانی الحب الخ وغیرہ کے پڑھنے سے لوگوں کی آنکھوں میں عزیز اور مقبول بارگاہ ہوئے طلب رضائے پروردگار و انتظار بہ رحمتِ کردگار نہایت اچھا کام ہے"۔ مترجم کہتا ہے سُبحان اللہ اس قسم کے ارشادات واقعی ایک مجدّدِ طریقت ہی کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں۔ ورنہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے مدعیانِ مشیخیت اسی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ راقم الحرُوف کی اِستخراج کردہ حضرتؒ کی تواریخ ولادت و وفات بھی اسی چیز پر دلالت کرتی ہیں۔ شائقین حضرات پنج گنج عرفان میں تفصیلاً ملاحظہ کریں۔ یہ تواریخ مختصراً یہاں بھی درج کی جاتی ہیں:۔

تاریخ تولّد:۔ تولّد مجدّدِ طریقۃ اللہ (مجدّد طریقۂ الٰہیہ پیدا ہوا)

۱۲۷۵ھ

تاریخ وفات:۔ توفّی ودُودُ اللہ مجدّدِ طریقتہ (اللہ کا دوست طریقہ الٰہیہ کا مجدّد فوت ہوا)

۱۳۵۶ھ

آنجنابؒ کی تاریخ ولادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ اور تاریخ وصال ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ ہے۔

ملفوظ ۔ ۹۸

حضرت امیر خسروؒ دہلوی کی فصاحت و زبان دانی کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ حضرت امیرؒ محض شاعر نہ تھے بلکہ اُن کی شاعری بھی کسی خاص مقام سے ہے۔ ایک دِن وُہ حضرت خضر علیہ السّلام سے ملاقی ہوئے۔ حضر علیہ السّلام نے کہا کہ اَے خسروؒ مجھ سے کچھ مانگو۔ خسروؒ صاحب نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں جو کچھ طلب کرتا ہُوں اپنے پیر سے طلب کرتا ہُوں۔ میرے شیخ کی بارگاہ ہی میری حاجت گاہ ہے۔ ہاں شعر گوئی کا شوق ہے۔ مگر اس کے متعلق شیخ کی خدمت میں عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ ایک ادنےٰ کام ہے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ یہ فیض مجھ سے قبل ازیں سعدیؒ نے لے لیا ہے۔ اور میں نے سب اسی کو دے دیا ہے۔ کوئی اور چیز طلب کرو۔ کہا۔ بس اور کوئی چیز طلب نہیں کرتا۔ یہ ماجرا حضرت محبُوبؒ الٰہی کی خدمت میں پہنچا تو اُنہوں نے خود امیر خسروؒ کو شعر گوئی کی اجازت فرمائی۔ پس اس دن سے اُن کے اشعار علمِ سلوک میں بہت مقبُول ہُوئے۔ اور بہت ہی حلاوت و لطافت رکھتے ہیں۔

ملفوظ ۔ ۹۹

ذکرِ جہر کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا "مشائخ طریقت نے ذکر کے جو قواعد بیان فرمائے ہیں۔ اگر ان کے مطابق ذکر کیا جائے تو بہت ہی مؤثر ہوتا ہے۔ اور دِل میں سرایت کرتا ہے۔ ورنہ جہر محض تو آب در غربال کی مانند ہے۔ حضُورِ قلب کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اُس کے بغیر نہ

زبان کی آلائش رفع ہوتی ہے اور نہ دِل کی۔ محض ذِکرِ زبان مثل قالب بے جان کے ہے۔ اور ذِکر مشائخ کے اِرشاد کے مُطابق کرنا چاہیئے ؎

خانۂ خالی نما تا منزلِ جاناں شوی کایں ہوسناکاں دِل وجاں جائے دیگر می کنند

(دِل کا گھر غیر سے خالی کر تاکہ یہ منزلِ جاناں بن جائے ہوسناک لوگوں کے دِل وجان غیروں کا ہی مسکن ہوتے ہیں)

ذِکرِ جہر مشرُوع ہے اور بلحاظِ شرائط وآداب مورثِ ذِکرِ خفی ہے۔ اور یہی اصل مقصُود ہے۔ ذِکرِ جہر بے قاعدہ خُوب نہیں"۔

ملفُوظ ۔ ۱۰۰

فرمایا "بہت دِن ہُوئے ایک ہندوستانی مولوی صاحب نے جو بہت ہی خلوت پسند اور اہلِ شغل سے تھے۔ یہاں چند روز اقامت کی۔ ایک دِن یہ دو شعر مجلس میں میری زبان سے سُن کر اُنہیں بہت کیف حاصِل ہُوا۔ شعر یہ ہیں ؎

ما از میانِ خلق کنارے گرفتہ ایم وانْدر کنارِ خویش نگارے گرفتہ ایم

ہم لوگوں سے کنارہ کش ہو کر محبُوبِ حقیقی کو سینہ سے لگائے ہُوئے ہیں

دامن نخست بر ہمہ عالم فشاندہ ایم وانگہ بصدق دامنِ یارے گرفتہ ایم

پہلے جہان کو خیر باد کہا پھر صِدق و اخلاص سے یارِ حقیقی کا دامن تھام لیا

وُہ مولوی صاحب خود بھی شعر کہتے تھے اور ذوق دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے ساتھ اُن کا اپنا ایک شاگرد بھی تھا۔ اور وُہ بھی شاعِر تھا۔ مجلس کے بعد اپنے مکان پر واپس جا کر دونوں نے اِن ہر دو اشعار کی تضمین کہی۔ اُن کے شاگرد کی تضمین یہ ہے :-

از دو جہاں رمیدہ و یارے گرفتہ ایم خطِّ وفا کشیدہ حصارے گرفتہ ایم
پائے ہوس شکستہ قرارے گرفتہ ایم ما از میانِ خلق کنارے گرفتہ ایم
وانْدر کنارِ خویش نگارے گرفتہ ایم

اقلیمِ ہوش از کفِ غفلت ستاندہ ایم برجان وعقل و دیدہ و دِل حکم راندہ ایم
از کائنات توسنِ ہمت جہاندہ ایم دامن نخست بر ہمہ عالم فشاندہ ایم
وانگہ بصدق دامنِ یارے گرفتہ ایم

مولوی صاحب کی اپنی تضمین یہ ہے :-

ماوابتغوا الیہ وسیلہ شنیدہ ایم دامانِ غوث قطب مدارے گرفتہ ایم
وازصحبتِ جنابِ علی مہر شاہؒ پیر ما ترکِ خویش وغیر شعارے گرفتہ ایم
"ما از میانِ خلق کنارے گرفتہ ایم وانْدر کنارِ خویش نگارے گرفتہ ایم"
گرچہ پیادہ ایم براہِ طلب ولے دُنبالِ مہر شاہ سوارے گرفتہ ایم
واں اِضطرابِ ظاہر و باطن کُجا کہ ما در گولڑہ شریف قرارے گرفتہ ایم
"دامن نخست بر ہمہ عالم فشاندہ ایم وانگہ بصدق دامنِ یارے گرفتہ ایم"

اِس دُوسری تضمین کا مختصر مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالٰے کا ارشاد وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ سُن کر قطب مدار اور غوث وقت سیّدنا مہر علیؒ شاہ کی ذات سے وابستہ ہوگئے ہیں۔ اور اگرچہ سیر و سلوک میں پیادہ یعنی بے سامان ہیں لیکن حضرتؒ جیسے شاہسوار کامل کے زیرِ سایہ اور صحبت میں ہونے کے باعث ہمیں ظاہر و باطن کا اضطراب کہاں ہو سکتا ہے ہم گولڑہ شریف میں قرار رکھتے ہیں۔ اور سارے جہان سے ہاتھ دھو کر بصدق قلب ایسے رفیق شفیق کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔" سُبحان اللہ جس ذات کے متوسّلین کی ایسی بلند ہمّت ہو اس ذات کی اپنی بلندیٔ ہمّت کا کیا کہنا ہے۔ (مترجم)

ملفوظ - ۱۰۱

فرمایا "حضرت شیخؒ "فتوحات" میں فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز با جماعت میں امام نے قرأت میں یہ آیتِ کریمہ پڑھی کہ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ الخ (ترجمہ: جس دن متّقیوں کو خدا کے پاس جمع کریں گے) حضرت بایزید بسطامیؒ مقتدیان میں تھے۔ یہ آیت سُن کر نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں کے دریافت کرنے پر جواب میں فرمایا کہ مجھے اِس آیت سے ہجر کی بُو آئی ہے یعنی متّقین کی رحمٰن کی طرف روانگی اُسی وقت ہی متصوّر ہو سکتی ہے جب پہلے متّقین اور رحمٰن کے درمیان تفارق اور جُدائی ہو۔ پس اِس جُدائی کے خیال سے میں متألّم اور بے ہوش ہوا۔ حضرت شیخؒ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو بسطامیؒ کو تسلّی دیتا اور کہتا کہ اس آیت سے رحمت اور وصال کی بُو آتی ہے نہ ہجر اور فراق کی۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اوّل بہ اسمِ منتقم متجلّی ہوں گے۔ اور بعد ازاں بہ اسمِ رحمٰن۔ پس یہ آیت بُوئے وصال پیدا کرتی ہے۔ اور اس سے تجلّیٔ انتقامیہ سے تجلّیٔ رحمانیہ کی طرف انتقال مُراد ہے اور کلمہ رحمٰن اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حافظؒ نے فرمایا ہے ؎

ہست اُمّید علی الرغم عدو روزِ جزا ۔ فیضِ عفوش ننہد بار گنہ از دوشم

(مجھے دُشمنوں کے خیال کے خلاف دوست سے یہی اُمّید ہے کہ اس کے عفو کا فیض میرے گناہوں کا بوجھ میرے کندھے سے اُتار دے گا)"

ملفوظ - ۱۰۲

ایک دن مجلس برخاست ہونے کے وقت ایک برہمن فال بین حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا "جو کہنا ہے جلدی کہو۔ کیونکہ میں اُٹھنے لگا ہوں"۔ اِس پر اُس برہمن نے اپنی حسبِ عادت ستاروں کی باتیں شروع کر دیں۔ اور کہا کہ حضُور کا طالع اَوج کمال پر ہے اور ستارہ تیسرے پایہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا "یہ بتاؤ کہ آخر موت نے آنا ہے یا نہیں؟" برہمن نے کہا کہ اِس سے تو فرار نہیں۔ فرمایا کہ ہماری شریعت نے اسی وجہ سے ایسی باتوں کو فضول کہا ہے۔ کہ نہ حصُولِ خیر کسی کے ہاتھ میں ہے نہ دفعِ ضرر کسی کے اختیار میں۔ جو کچھ ہے خُداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر سعادت یا اس کے خلاف جاننے سے کیا فائدہ۔ جب انجام فنا ہی ہے تو پھر شادی و غم برابر ہیں ؎

بر لبِ بحرِ فنا منتظرم اے ساقی ۔ فرصتے داں کہ زلب تا بدہاں ایں ہمہ نیست

(اے ساقی میں بحرِ فنا کے کنارے پر منتظر ہوں کہ کب عُمر کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے اسی وقت کو فُرصت جان کہ یہ سب حقیر سلسلہ فنا پذیر ہے)

پھر فرمایا "اور کچھ کہنا ہے تو کہو"۔ برہمن نے کہا "شمال مغربی گوشہ میں غوغا و فساد نظر آتا ہے"۔ فرمایا کہ تمہارا اندازہ بھی قرائن کی تقریب سے درست ہے کیونکہ شمال مغرب میں افغان رہتے ہیں۔ اور افغان لوگ ہمیشہ فساد کرتے ہیں۔ البتّہ پٹھوار کے رہنے والوں میں ایسے کاموں

کی تاب و طاقت نہیں ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ اِن باتوں سے حضرتؒ کا کمال اتباعِ شریعت ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ عام طور پر لوگ اِن نجومیوں کی باتوں کو معیارِ کمال خیال کرتے ہیں۔

ملفوظ - ۱۰۳

فرمایا کہ جب ہمارے خواجہؒ نے وقتِ سعید میں ہم پر مہربانی و عنایت فرمائی اور ہم اپنے گھر آئے تو خدا سے دُعا مانگی کہ الٰہی ہمارے اِس عمل کو دُنیائے دُوں کے لیے ہرگز دام نہ بنانا۔ اور ہمارے سب کام اپنی رضا کے مُطابق کرنا۔ اُس کے بعد ہم نے اپنے دُنیاوی اُمور کے لیے کبھی دُعا نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ ہمارے سوال کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے ہماری ضروریات پُوری فرماتا ہے۔

ملفوظ - ۱۰۴

ایک دِن سیّدی و مولائی قاضی محمد علی [illegible] نے حضرت قبلۂ عالمؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض دفعہ حاجاتِ دُنیوی میرے خشُوع و خضُوع میں مُخل ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے ذِکر کی لذّت دُنیاوی ہُموم و غمُوم سے خراب ہوتی ہے۔ ایسا وظیفہ عنایت فرماویں کہ اس کی برکت سے حوائج دُنیوی کی طرف اِشتغال کم ہوجائے۔ حضُورؒ نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا۔ (جن لوگوں نے خُدا کو اپنا رب کہا اور پھر اسی پر مستقیم ہو گئے) اور حدیث من جعل الھموم ھمًا واحدًا ھمّ اٰخرته کفاه الله ھموم الدنیا (جس شخص نے سب غموں کی جگہ ایک آخرت کا غم ہی دِل میں رکھا اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا کے غموں سے کفایت فرما دیتا ہے۔) میں فکر کر [illegible] ہوگی لیکن اِنسان کو چاہیئے کہ خالِق پر توکّل کر کے اسباب میں بھی سعی کرے۔ دوبارہ جب آئیں تو حزب البحر ساتھ لائیں اس کی اِجازت دی جائے گی۔ بعدہٗ قاضی صاحب نے حسب الحکم حزب البحر و ہوامع شرح حزب البحر خدمت میں حاضر کر کے اِجازت حاصل کی۔ حضرتؒ نے فرمایا "جو کچھ شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی نے ہوامع میں لکھا ہے بہت خُوب لکھا ہے اِس کا لحاظ رکھ کر پڑھو۔"

ملفوظ - ۱۰۵

فرمایا اُوائل حال میں میرا دِل چاہتا تھا کہ سیر و سیاحت ہی میں رہُوں۔ اور ایک جگہ مستقل بیٹھنے سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ لوگوں سے دُور خلوت اور تنہائی بھی اچھی لگتی تھی۔ کبھی کبھار گھر آجاتا تھا۔ اُن دنوں ایک سیّاح شخص سُرخ رنگ فراغت کے وقت میرے پاس آبیٹھتا۔ اور کیمیاگری کی باتیں کرتا تھا۔ ایک دِن اپنے تجربوں سے ایک کامیاب تجربہ میرے سامنے بھی کیا۔ لیکن میں نے اپنی توجہ اور شوق کو قابُو میں رکھا۔ تجربہ کے بعد کہنے لگا۔ اگر آپ کہیں تو یہ چیز میں آپ کو بھی سکھا سکتا ہُوں میں نے جواب دیا۔ مجھے تمہارے کیمیا کی ضرورت نہیں ہے، اِس میں قبح اور عیب ہے کیونکہ یہ زوال پذیر ہے۔ اور میرے پاس جو کیمیا ہے وُہ زوال پذیر نہیں۔ اور مجھے [illegible]ل ہونے والی چیزوں سے اِرتباط نہیں۔ نیز جو کیمیا میرے پاس ہے اُسے حاصل کرنے کے لیے کوئی پابندی نہیں۔ نہ اِس کے اِظہا[illegible] میں کچھ خوف ہے۔ اور وقتِ آخر جہانِ فانی کے ترک کرنے پر کچھ تأسف بھی نہ ہوگا۔ پس میرا کیمیا تمہارے کیمیا سے بدرجہا بہتر ہے۔

حاصلِ کارگہِ کون و مکاں این ہمہ نیست   بادہ پیش آر کہ اسبابِ جہاں این ہمہ نیست

جہان کا سب کارخانہ نیست ہے شرابِ محبت کا جام لاکہ اسبابِ جہاں سب ہیچ ہیں"۔

ملفوظ - ۱۰۶

خواجہ صاحب سیالوی کے عُرس پر حاضری کے لیے تیاری کے دَوران ایک شخص نے عرض کیا کہ آج کل آپ کی طبیعت کمزور ہے اَور سفر کے قابل نہیں پھر بھی آپ سیال شریف کے سفر کی تیاریاں فرما رہے ہیں۔ فرمایا "ہاں بخوشی نہ کہ کسی جبر کے تحت ؎

حافظ صبُور باش کہ در راہِ عاشقی ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نے رسد

(اَے حافظ صابر بن کیونکہ راہِ عشق میں جس نے جان نہ دی وُہ جاناں تک نہ پہنچ سکا)

اَور ہمیں اِس سفر کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ سیال شریف سے ہم نے خُدا کا نام حاصل کیا ہے۔ اَور جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ عُرس شریف پر وہاں کی حاضری نصیب رہے۔ آخر دیگر دُنیوی کام بھی تو تکلیف کے بغیر نہیں کیے جا سکتے۔ اَور اگرچہ ہم بوجہ جسمانی کمزوری وہاں زیادہ خدمت نہیں کر سکتے لیکن خلاصہَ جان حضرت کے آستانہ کی خاک ہے ؎

دُورم بظاہر از درِ دولت سرائے دوست لیکن بجان و دِل ز مُقیمانِ حضرتم

(اگرچہ بظاہر دولت سرائے دوست کے دروازے سے دُور ہُوں لیکن جان و دل سے اُس بارگاہ کے حاضرین سے ہُوں)

اَیسے مسائل یعنی عُرس شریف میں حاضری کے متعلق لوگوں کے اپنے اپنے نظریات ہیں بعض اسے بدعت کہتے ہیں بعض مباح جانتے ہیں۔ اَور بعض ہماری طرح واجب و لازم جانتے ہیں اَور نامحرم لوگوں کی باتوں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے ؎

مائیم و آستانش تا جاں ز تن برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

(ہمیں اُس کے آستانِ عالیشان کی طلب ہمیشہ رہے گی۔ یا تن اُس تک پہنچ جائے گا یا جان تن سے جُدا ہو گی)"

ملفوظ - ۱۰۷

فرمایا "ہمیں مُجتہدینِ اُمّت کا اِحسان مند ہونا چاہیئے کیونکہ اُن کی فی سبیل اللہ کوششیں عامۃ المُسلمین کو راہِ حق پر لانے کا مُوجب بنتی ہیں۔ اِس کے برعکس غیرمقلدین [illegible] کی بابت طعن و تشنیع کے در پے ہوتے ہیں مثلاً وُہ کہتے ہیں کہ ادائے نمازِ جُمعہ کی شرطیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں حنفیوں نے معتزلہ سے لی ہیں۔ نعوذ باللہ۔ وُہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ شرائط قرآن مجید سے مستنبط ہیں۔ کیوں کہ آیت مثبت فرضیّت جمعہ بقول مفسّرین مکّی ہے۔ پھر وُہ کہتے ہیں کہ جمعہ مکّہ شریف میں نہیں پڑھا گیا بلکہ بعد از ہجرت مدینہ شریف میں پڑھا گیا۔ اس لیے کہ مکّہ میں غلبۂ کُفّار تھا۔ ان کی یہ بات بھی قابلِ تسلیم نہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مکّہ شریف میں تمام نمازیں باجماعت پڑھی جاتی تھیں اَور قرأت کے پڑھنے سے بھی کچھ خوف نہ تھا۔ اَور جمعہ میں خطبہ اَور جماعت ہی تو ہے نہ کوئی اَور چیز جو کُفّار سے زیادہ خوف کھانے کی مُوجب ہوتی پس مکّہ میں جُمعہ پڑھے جانے کی وجہ موجہ ظاہر ہے کہ مکّہ معظّمہ میں آنحضرتؐ کو ساکنینِ مکّہ پر ظاہری تسلّط حاصل نہ تھا اَور مدینہ منوّرہ میں نفوذِ احکام و اقامتِ حدُود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھے طعن کرنے والوں کو چاہیئے تھا کہ پہلے اپنا پایۂ علم پہچانتے پھر زبانِ طعن مقتدایانِ اُمّتِ مرحُومہ پر کھولتے"۔

ملفوظ - ۱۰۸

ایک شخص دعوتِ اسماءِ الٰہی کا شوق رکھتا تھا۔ اُس نے دعوت اَللّٰہُ الصَّمَدُ کی اجازت طلب کی۔ فرمایا "اجازت ہے لیکن کامیابی

کا ذمہ دار نہیں ہُوں کیونکہ میں نے کبھی عملیات و چِلّہ نشینی وغیرہ بغرضِ تسخیر نہیں کیے۔ تم لوگوں کا زعم اِس کے خلاف ہے۔ عملیات کے درپے ہونا اپنے حلق پر چھُری رکھنے کے مُترادف ہے۔ اَور بالآخر فائدہ کی اُمّید بھی کم ہے۔ کلامِ الٰہی خالصتاً رضائے حق کے لِیے اَور بغرضِ ثواب پڑھنی چاہیئے لیکن لوگ اِس سے دُنیوی اغراض حاصل کرنے کے لِیے اپنی عُمریں ناحق ضائع اَور برباد کرتے ہیں میں ایسے کاموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ مخلُوق کے دِل خالق کے اِختیار میں ہیں۔ تسخیر کے عمل سے اُنہیں تابع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تقلیبِ قلوب حق تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔" مترجم کہتا ہے کہ حضرتؒ کے اِس اِرشاد کی روشنی میں اِس روایت کا غلط ہونا واضح ہو جاتا ہے جو آپ کے ایک ہمعصر بزرگ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب چھوہروی کے کسی عقیدت مند نے اُن کے حالات لکھتے وقت نقل کی ہے کہ حضرت قبلۂ عالم گولڑویؒ نے خواجہ صاحب موصُوف کو حصُولِ مال و جاہ کے لِیے ایک وظیفہ بتایا لیکن خواجہ صاحب نے قبول نہ کیا۔ جب آپ ایک عام آدمی کو اِس قسم کے وظائف سے منع فرما رہے ہیں تو ایک شیخِ طریقت کو ایسا عمل کہاں تلقین فرما سکتے تھے جس کا مقصد حصُولِ مال و جاہ ہو۔

ملفُوظ - ۱۰۹

جن ایّام میں حضرت صاحبزادہ قبلہ بابُوجی اپنے ہم سبقوں کے ساتھ ترجمہ شریف کا سبق حضرت قبلۂ عالمؒ سے پڑھتے تھے اُن دنوں قواعدِ صرف کا اجراء بھی اِستعمال ہوتا تھا۔ آیت وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ کی تفسیر میں حضرت نے طلباء سے پُوچھا کہ مواخر کیا صیغہ ہے؟ چُونکہ یہ کلمہ بظاہر بروزنِ مفاعل ہے اَور میم بھی اوّل میں موجُود ہے۔ سب نے کہا کہ مضارب کی طرح جمع ظرف ہے۔ حضُورؒ نے فرمایا کہ اِس صیغہ میں مبتدی کو غلطی لگتی ہے۔ مواخر ضوارب کی طرح جمع ماخرٌ ہے بمعنی شگافندہ۔ میم زائد نہیں بلکہ بمقابلہ فا کلمہ ہے۔ پھر سبق ختم ہونے کے وقت فرمایا کہ اِس لفظ کا لغوی معنی رمی ہے یعنی چیز کا پھینکنا۔ اَور لغوی اَور اِصطلاحی معانی میں قدرے تناسب ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جہاں الفاظِ قرآن کہنا مقصُود ہو وہاں نظمِ قرآن کہنا چاہیئے۔ نظم لُغت میں موتیوں کی بایکدیگر پیوستگی کو کہتے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ اِس ملفُوظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ بابُوجی اَور چند دیگر خوش نصیبوں نے حضرت قبلۂ عالمؒ سے ترجمہ قرآن شریف بھی حاصل کیا ہے سُبحان اللہ کیا سعادتِ عظمیٰ ہے۔

ملفُوظ - ۱۱۰

بعض اَوراد کے متعلّق ارشاد فرماتے ہُوئے فرمایا کہ قصیدہ بُردہ شریف کے اِس شعر کو جنابِ نبوّتؐ میں مقبُولیّت ہے ؎

هوالحبيب الذی ترجی شفاعته لكل هول من الاهوال مقتحم

اِسے نمازِ فجر کے بعد سات بار اگر کوئی صِدق اَور محبّت سے پڑھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس کے لِیے بالضرور شفاعت فرمائیں گے۔

امراضِ مزمنہ مثلاً کُہنہ بُخار وغیرہ کے رفع کرنے کے لِیے سُورۃ فاتحہ معہ بسم اللہ شریف صُبح کی سُنّت و فرض کے درمیان پڑھنا مجرّب فرمایا ہے۔ وجع المفاصل اَور کرمِ دماغ کے لِیے سات بار فاتحہ شریف پڑھ کر دائیں ہاتھ پر ہر نماز کے بعد دم کر کے مقامِ مرض پر ملنا اَور دم کرنا بھی بہت دفعہ اِرشاد فرمایا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے سینہ میں سوزش رہتی ہے۔ فرمایا "نماز کے بعد تین بار سُورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا کرو۔" وُہ شخص اِس پر عمل کرنے سے اچھا ہو گیا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں بہت عرصہ سے بیمار ہُوں۔ اَور علاج معالجہ سے نااُمید ہو چکا ہُوں۔ فرمایا سات بار اَعُوْذُ بِعِزَّةِ

اللہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّمَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ۔مقامِ دردومرض پر اُنگلی سبابہ رکھ کر پڑھ کر دم کرنا۔انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہوگی۔"

ضلع کوہاٹ کا ایک صُوفی عالِم حاضر خدمت ہُوا۔اور عرض کیا کہ ایک ایسا تعویذ عنایت فرمائیں جو برائے جملہ امراض واوجاع و حاجات مُفید ہو۔فرمایا۔"اِسم ذات کا نقش مثلّث بایں صُورت بنایا جائے۔اِنشاء اللہ ہر مرض کے لِیے مفید ہوگا۔"

نقش یہ ہے ←

یاالله	یاالله	یاالله
یاالله	یاالله	یاالله
یاالله	یاالله	یاالله

ایک شخص نے فراغتِ معاش کے لِیے عرض کیا۔

فرمایا"سُنّت اور وتر عشاء کے درمیان اِسم یَاوَهَّابُ ہزار دفعہ پڑھنا۔اِنشاء اللہ خُدا کا فضل ہوگا۔"اور فرمایا کہ دُرودشریف مُستغاث کو ہرگز قضا نہ کرنا چاہیئے۔اِس کلام میں عجیب اثر ہے اور بہت مفید۔سُورۂ یُوسف بعض لوگ ثروت وجاہِ دُنیاوی کے لِیے پڑھتے ہیں لیکن بوجہ فسادِ نیّت فائدہ کم ہوتا ہے۔سوروآیاتِ قرآنی کا اِقتضاء حال محض دُنیا کی حاجت برآری نہیں۔رضائے حق اور ثواب کی نیّت رکھنی چاہیئے۔پھر اِنشاء اللہ خاطر خواہ فائدہ حاصِل ہوگا۔

ملفُوظ۔ ۱۱۱

سمع موتٰی کا ذکر آیا۔زبانِ غیب ترجمان سے فرمایا"شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے آیت اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اسماع اور چیز ہے اور سمع اور چیز یعنی اے محمدؐ تُو ان کا مُسْمِع (سُنانے والا) نہیں بلکہ اِن کا مُسْمِع حق سُبحانہ وتعالیٰ ہے۔شیخؒ کے اِس فرمُودہ کو مخالفین نے تاویلِ ضعیف سے منسُوب کیا ہے لیکن حضرت شیخؒ جیسے ذی قدر اِنسان کا فرمُودہ بے محل کس طرح ہوسکتا ہے۔ یہاں ایک اور امر بھی قابلِ غور ہے جس کی وجہ سے اِس فرمُودہ کا اِنکار کرنا تصریح کا اِنکار ہے وُہ یہ ہے کہ اِس آیت میں سمع سے مُراد سمع اجابت ہے نہ سمع مطلق کیونکہ یہاں کُفّار کو موتٰی سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے درمیان وجہِ تشبیہ عدم سمع ہے اور عدم سمع علی الاطلاق کُفّار میں متصوّر نہیں۔بلکہ وُہ سمع جس میں اجابت نہ ہو۔ایسا ہی موتٰی میں بھی عدم سمع علی الاطلاق متصوّر نہیں ہے لقولہٖ علیہ السّلام ما انتم [illegible] منهم غیر انهم لایستطیعون ان یردوا علیّ شَیْئًا (تم میری بات کو اُن سے زیادہ سُننے والے نہیں مگر اِس قدر ضرور ہے کہ وُہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے) یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کُفّار قلیب بدر کے متعلّق اُس وقت فرمائے جب بعض صحابہ کرامؓ نے اِستفسار کیا کہ یارسُولؐ اللہ آپ اِن بے جان لاشوں سے کیوں خطاب فرمارہے ہیں"۔محررِ سطور کہتا ہے کہ مؤیدِ مضمونِ بالا قرآن مجید میں بہت سی آیتیں موجُود ہیں۔مثلاً آیت اِنَّكَ لَاتَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ سے یہ مُراد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جن کو دِل سے چاہتے تھے اُن کے لِیے ہادیٔ خیر نہ تھے بلکہ یہ کہ مستفید بالہدایۃ کرنا خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے ایسا ہی مستفید بالسمع کرنا بھی خاصۂ حق تعالیٰ ہے۔اِسی طرح عدم سمع کُفّار اور ان کے نابیناپن کے متعلق آیت ذَالِكَ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (یہ اس کے لِیے ہے جس کا دِل ہو اور جو سمع کو متوجّہ کرکے حاضر ہو) اور آیت فَاِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینے میں دِل اندھے ہوجاتے ہیں) میں غور کرنا چاہیئے۔نیز تلقینِ مسنُون بعدالدفن جو احادیث میں وارد ہے۔اُس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اور قبرستان جاکر زائر کا السلام علیکم یا اھل القبور و یا دار قوم مؤمنین کہنا بھی اِسی بات کو ثابت کرتا ہے۔اور حدیث انه یسمع قرع نعالهم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ مرنے والا اپنے دفن کرنے والوں کے جُوتوں کی آہٹ بھی سُنتا ہے)

اسی کی مؤید و مثبت ہے۔

جس کو اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو وُہ حضرت کی تصنیف اعلاء کلمۃ اللہ کا مطالعہ کرے جس میں آپ نے مسائل نذر و نیاز۔ ذبح فوق العقدہ۔ سماع موتیٰ، علمِ غیب و استمداد و نداءِ غیب وغیرہ کو محققانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔

ملفوظ ـ ۱۱۲

فرمایا کہ انبیاء و شہداء کی حیاتِ برزخی پر اکابرین و محققین اُمت کا اتفاق ہے۔ جن لوگوں کو برزخ کا کچھ علم ہے۔ وُہ مسئلہ نداءمیں خشک مولویوں کے نظریہ سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بعض ایسے مولوی ہیں کہ جہاں کسی نے الصّلوٰۃ والسّلام علیك یارسول اللہ کہا وُہ فوراً اُسے مشرک قرار دے دیتے ہیں حضرت ساریہؓ کو حضرت عمرؓ کی نداء بھی نداءِ غائب تھی۔ مگر حضرت ساریہؓ کا نداءِ حضرت عمرؓ سے مطلع ہو جانا ثابت کرتا ہے کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ غیب کو ظاہر کر سکتا ہے اور اپنے بندوں پر فی الواقعہ ایسا کرتا ہے۔

محرر سطور کہتا ہے کہ کلمہ الصلوٰۃ والسلام علیك بطریق نداء کو کسی بھی وجہ سے شرک نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس نداء میں چونکہ صلوٰۃ بھی شامل ہے اس لیے اس سے آنحضرت صلی [illegible] آلہٖ وسلّم خود مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ اعتقاداتِ اہلِ یقین سے قطع نظر کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس کلمہ کا اصل مقصد صلوٰۃ بر رُوحِ پاک آنحضرتؐ ہے۔ اور صلوٰۃ چاہے جس طرح سے بھی کہی جائے اُس کا بواسطہ ملائکہ بارگاہِ محمدیؐ میں پہنچانا ثابت ہے۔ (حدیث ان للہ ملائکۃ سیّاحین فی الارض الخ اور حدیث صلوا علیّ فان صلوٰتکو تبلغنی حیث ماکنتم (مجھ پر دُرود بھیجو کیونکہ تمہارا صلواۃ و سلام مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو) میں غور کریں۔

اِس سے بھی قطع نظر عربی زبان کے قواعد کے مُطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نداء بمقام مدح میں ہے اور مدح کا فائدہ دیتی ہے۔ نداء کے بہت سے [illegible] ہیں۔ حاشیہ جمل بر جلالین تفسیر آیت یَااَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا میں ان اقسام کو دیکھنا چاہیئے۔ پس الصلوٰۃ والسّلام علیك یارسُول اللہ کہنا کس طرح علی الاطلاق شرک ہو سکتا ہے۔

ہم تو کہتے ہیں کہ ان تاویلوں کی بھی حاجت نہیں۔ کیونکہ امام مستند جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ "کتاب الرحمۃ" باب "صلوٰۃ الحاجۃ" میں لکھتے ہیں کہ یرکع رکعتین یقراء فی کل واحد منھما اٰیۃ الکرسی وسورۃ الم نشرح بعد الفاتحۃ ویمشی بعد الفراغ احدیٰ وعشر خطوات ویقول احدی وعشر مرات یا شیخ عبد القادر جیلانی ثم یدعوا فیستجاب ان شاء اللہ تعالیٰ (یعنی دو رکعت نماز نفل پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی وسورۃ الم نشرح پڑھے۔ بعد فارغ ہونے کے گیارہ قدم چلے اور گیارہ دفعہ یا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کہہ کر دُعا مانگے انشاء اللہ تعالیٰ مستجاب ہوگی) اور ایسا ہی شیخ محقق عبد الحق دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں تحریر فرمایا ہے۔ اور رئیس المحدثین فی الشافعیۃ امام شمس الدین الجزریؒ نے "حصن حصین" میں صلوٰۃ الحاجۃ معمُولاتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بایں طور بیان کیا ہے کہ دوگانہ کے بعد کہے یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔ یہ حدیث صحیح ترمذی میں موجود ہے اور محدثین سے اس کی تصحیح دُوسری کتب میں موجود ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ میں ہوا تھا لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے راوی عثمانؓ بن حنیف سے ثابت ہے کہ اِس صلوٰۃ کی تلقین صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ظاہری وفات کے بعد کی گئی۔ مترجم کہتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام نداکے ساتھ کہنے پر اُمتِ مُسلمہ کا اتفاق ہے۔ چنانچہ تشہ[illegible] السّلام علیك ایھا النّبی کا جُملہ تمام شرق و غرب کے اہلِ اسلام پڑھتے آئے ہیں۔ لہٰذا نداء کو مطلقاً ممنوع کہنا صحیح نہیں [illegible] اور اہلِ اسلام کی اس قسم

کی نداء کو کفّار و مشرکین کی بُتوں کو نداء سے مِلانا صریح غلطی ہے۔

ملفوظ۔۱۱۳

پیران کلیر کے عُرس سے مراجعت کے بعد فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ علاءُ الحق والدّین صابر صاحبؒ کے مزار شریف پر جلال کی جو کیفیت معلُوم ہوتی ہے وُہ عقل و حواس کو حیران کر دیتی ہے۔ ایسا جلال سوائے مدینہ منوّرہ کے اَور کہیں نظر نہیں آتا مگر وہاں جلال و جمال ہر دو وارد ہوتے ہیں۔ اَور یہاں جلال غالب ہے کسی کے حواس بجا نہیں رہتے اَور سوائے گریہ وزاری اَور آہ و نالہ کے کچھ سُنائی نہیں دیتا۔ سبھی سوز و گداز سے پُر نظر آتے ہیں۔ اَور یہ سب کچھ حضرت خواجہؒ کے جذبۂ عشق کا اثر ہے۔

ملفوظ۔۱۱۴

فرمایا "مُرید کو چاہیئے کہ جو فائدہ بھی اُسے دین و دُنیا میں حاصل ہو وُہ اُسے اپنے شیخ ہی کی جانب سے سمجھے اَور اُن کے کرم پر یقین محکم رکھے تکالیف میں اضطراب و شکایت کا دروازہ نہ کھول دے۔ اَور شیخ کی خدمت میں غیر مہذب تحریریں نہ بھیجے۔

اگرچہ دوست بچیزے نے خرد مارا بعالمے نہ فروشیم مُوئے از سر دوست

(اگرچہ دوست ہمیں کسی قیمت پر نہیں لینا چاہتا مگر ہم تو سارے جہان کے عوض اُس کی زلف کا ایک بال بھی دینے کو تیار نہیں)

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کے مُریدوں سے ایک شخص مُلکِ افغانستان کا باشندہ تھا۔ اس علاقہ کے لوگوں نے کسی وجہ سے اپنی رسم و عادت کے مُطابق اُسے سخت سُست کہا حتّٰی کہ اُن کے درمیان مخاصمت پیدا ہو گئی۔ اس مُرید کو بباعثِ تنہائی و بیکسی تکلیفات بھی پیش آئیں۔ اُس نے حضُور خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ جس دن سے بیعت ہو کر آپ کے سلسلہ میں داخل ہوا ہوں مصیبت اَور تکلیفوں میں مُبتلا ہُوں۔ خواجہ صاحبؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم درویشوں کا طریقہ شور و بلیّات سے خالی نہیں ہے۔ اگر تجھے [illegible] نہیں تو ہماری بیعت سے فارغ ہو کر اپنی جان کی سلامتی میں مشغول رہ۔ خواجہ صاحبؒ بہت ہی رحم دِل تھے۔ لیکن آپ نے ناراضگی بھرا یہ جواب اِس لیے لکھا کہ مُرید نے اپنا ا[illegible] نامناسب طریقہ اَور الفاظ میں آپ کے پاس پہنچایا تھا۔ ورنہ اُس کے حال پر بہت ہی کرم فرماتے۔"

ملفوظ۔۱۱۵

فرمایا "حکُومت و ریاست درحقیقت ابتلاء و آزمائش کا دُوسرا نام ہے۔ اَور طبائع کی خاصیّت ظاہر کرنے کے لیے ایک عجیب معیار ہے۔ اس سے انسان کے مزاج کی نوعیّت فی الفور معلُوم ہو جاتی ہے۔ شریف آدمی جب حاکم بنتا ہے تو حکُومت کے فرائض زیرِ نگاہ رکھتا ہے۔ اَور شریف آدمیوں کی عزّت و آبرُو پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ اِس کے برعکس رذیل و خسیس جب مسندِ حکُومت پر بیٹھتا ہے تو رعایا کی آبرُو کو آبجُو بنا دیتا ہے بعض اشخاص جو خاندانی طور پر پست اَور غیر معرُوف ہوتے ہیں اگر حکومت و جاہ سے نوازے جائیں تو اَپنے تمام اختیار ظُلم و ستم میں صرف کرتے ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ وقت شاید پھر ہاتھ نہ آئے۔ بچھّو سردی کے چھ ماہ خلوت میں گذارتا ہے اَور مخلُوقات اس کے گزند سے محفُوظ رہتی ہے مگر باہر نکلتے ہی وُہ سوائے ڈنک مارنے کے اَور کچھ نہیں کرتا۔

نہ ہر کہ طرفِ کُلہ کج نہاد و تند نشست کُلاہ داری و آئینِ سروری داند"

(یہ ضروری نہیں کہ ہر وُہ شخص جو ٹیڑھی کلاہ سر پر رکھ کر تُند ہو کے بیٹھا ہے وُہ کُلاہ داری اَور آئینِ سرداری سے بھی واقف ہو)
مترجم کہتا ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ کا یہ اِرشاد نہایت حکیمانہ ہے اَور نہ صرف برطانوی دورِ حکومت کے دَوران بلکہ اَب بھی جب بفضلہٖ تعالیٰ ہماری اپنی حکومت ہے۔ اِس چیز کا تجربہ اَور مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ کاش! ذاتی، خاندانی اَور جماعتی مفادہی کو سامنے رکھنے کی بجائے اگر ہر شعبۂ زندگی میں ذاتی شرافت اَور اہلیت کو پیشِ نظر رکھا جاتا تو یہ موجُودہ مفاسد اِس قدر ترقی نہ کرتے حضور سرکارِ دو عالم علیہ السّلام نے سچ فرمایا کہ اذاوسد الامرالی غیراھلہ فانتظرالساعۃ (جب معاملات نااہلوں کے ہاتھ آجائیں اُس وقت قیامت کی توقع رکھنا) والی اللہ المشتکیٰ۔

ملفُوظ - ۱۱۶

مجلِس شرُوع ہونے سے پہلے کمال سوزوگداز سے یہ شعر پڑھا ؎

ماو مجنُوں ہم سبق بُودیم در دیوانِ عشق او بصحرا رفت و ما در کُوچہ ہا رُسوا شدیم

(ہم اَور مجنُوں دِیوانِ عشق میں ہم سبق تھے [illegible] میں آوارہ ہوُا اَور ہم کُوچہ گردی میں رُسوا ہُوئے) (مترجم)
پھر طویل خاموشی کے بعد اہلِ علم حاضرین سے اِستفسار فرمایا کہ شاہ نیاز احمد صاحبؒ بریلوی چشتی کے اس شعر کا مطلب بیان کرو ؎

اسبابِ دوجہاں کے بُنیاد ہیں تو ھم ہیں غم ہائے دوجہاں سے آزاد ہیں تو ھم ہیں

سب کے معذُوری ظاہر کرنے پر خود اِس کا مطلب یُوں بیان فرمایا کہ دُنیا و آخرت کی پیدائش کا منشار بجز تجلّیِ اسمار کے اَور کچھ نہیں ہے۔ اَور ساری مخلُوقات میں اُس کی ذات کا مظہرِ اتم آدم کا وجُود ہے۔ اَور حضرت شیخ اکبرؒ نے بھی زیرِ آیت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [illegible] کا مظہر بنایا) اِسی معنی کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے اِس شعر میں اِسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ اپنی ایک اَور غزل میں فرماتے ہیں ؎

گر حرفِ بے نیازی سرزد نیاؔز سے ہو پُتلے میں خاک کے ہے پیارے غرُور تیرا

پس مظہرِ جمیع اسمار بجز آدم کے اَور کوئی نہیں۔ اَور مسمّی الاسمار کا نشان اِسی میں پایا جاتا ہے۔ عارف جامیؔ فرماتے ہیں ؎

مُندرَ رہِ صُورت و معنی بہم مجمع بریں جُملہ حدُوث و قدم
علّم الاسمار رقمِ دفترش خمرت طینۃ صدفِ گوہرش
گونۂ گندم بآدمیش سپرد نامش ازاں رُوئے جُز آدم نبرد
کشورِ اسمائے الٰہی گرفت مملکتِ نامتناہی گرفت

یعنی جُملہ حدُوث و قدم از راہِ صُورت و معنی اس پر جمع ہُوئے۔ اس کے دفتر پر علّم آدم الاسمار لکھا گیا۔ اس کے گوہر کا صدف یہ فرمانِ الٰہی ہے کہ "خمرت طینۃ اٰدم بیدی اربعین صباحًا" یعنی آدم کی مٹّی کا خمیر دستِ قدرت سے چالیس روز میں تیار کیا گیا۔ اس کی جلد کو گندم کا رنگ عطا ہوُا۔ اِسی لیے اس کا نام آدم رکھا گیا یعنی گندمی رنگ والا اُس نے اسمارِ الٰہی کی کشور (ولایت) حاصل کی اَور لامحدُود سلطنت کا مالک ہوُا۔ مترجم کہتا ہے کہ کسی شاعر نے اُردُو میں کیا خُوب کہا ہے ؎

آدم کو مت خُدا کہو آدم خُدا نہیں
لیکن خُدا کے نُور سے آدم جُدا نہیں

ملفوظ - ۱۱۷

فرمایا "مسئلہ توحید کو جس طرح کامل لوگ سمجھتے ہیں اُس طرح مبتدی نہیں سمجھ سکتے۔ اور نامحرموں کو تو چونکہ دستِ غیب خُود ہی رازکی مجالس سے باہر رکھتا ہے۔ اس لیے وُہ انکار کے درپے ہوتے ہیں۔ مگر طالبِ حق کو تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں ایسے مسائل میں بحث و مباحثہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مشاہداتِ نفوسِ قدسیہ کو دلائل نظریہ سے دیکھا اور سمجھا نہیں جا سکتا۔ صُوفی سالک کو امرِ مقصود بالذات اور غرضِ مفید کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ جن لوگوں کو غیب سے تعلیم ملتی ہے۔ وُہ جانتے ہیں کہ بعض آیات و احادیث ایسی ہیں جن سے مسئلہ توحید بغیر تاویل کے ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض دُوسری آیات ایسی ہیں کہ ان میں غور کرنے سے بالکل متضاد مضمون ثابت ہوتا ہے۔ اس سے وُہ لوگ جو عالمِ اسرار سے ناواقف ہیں وُہ بھٹک جاتے ہیں۔ ہر شخص کو قدرت نے یکساں قابلیت عطا نہیں فرمائی۔ اس لیے حق سُبحانہ و تعالیٰ کی طرف میلان اور کثرتِ ذکر رکھنا چاہیئے کیونکہ یہ موصل بہ سعادت ہے اور انسان کو گمراہی سے بچاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنِ۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنِ۔

ایک عارف فرماتے ہیں ؎

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرارِ غیب   واقفِ ایں سرِّ معنی دار علوی جانِ ماست

ہر دل کو اسرارِ غیب پر اطلاع نہیں۔ سرِّ معنیٰ کی واقف ہماری ہی جان ہے

نیز ذکر کے ثبات و قیام کا مقام دل ہے نہ کوئی اور جگہ نقش لوحِ دل پر ہی محکم ہوتا ہے نہ زبان پر۔ ہاں اگر زبان سے ذکر بہ حضور و خشوع کیا جائے تو وُہ مورثِ ذکرِ قلب بن جاتا ہے۔ ذکر کرنے میں شرُوط و آداب ملحُوظ رکھنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ مسئلہ توحیدِ وجُودی کی کماحقّہٗ تفصیل اور فنا و بقا اور دیگر مقاماتِ سیر و سلوک کے بیان میں حضرتؒ کی کتاب "تحقیق الحق" خاص طور پر قابلِ دید ہے۔

ملفوظ - ۱۱۸

فرمایا "رابعہ عدویہؒ سے کسی نے پُوچھا کہ کیا آپ کو خلقِ خُدا میں سے کسی کے ساتھ بُغض یا عداوت ہے؟ رابعہؒ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس شخص نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ پس بہ اقتضائے آیت، شیطان کی عداوت تو ضروری ہے۔ رابعہؒ نے کہا خُدا کا کلام حق ہے۔ لیکن مجھے عداوت کی فرصت نہیں۔ کیونکہ میرے پاس صرف ایک ہی دل ہے اور میرا محبُوب بھی ایک ہی ہے۔ اور میں نے اپنا دل صرف محبُوب کے لیے فرش بنایا ہوا ہے اور محبُوب نے بھی بحکم اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى دل پر ایسا استیلا پایا ہے کہ ہرگز کسی اور کام کے لیے مجھے فارغ نہیں چھوڑا۔

ایسا ہی حضرت خواجہ فخر الحق والدّینؒ دہلوی کے ایّام میں شیعہ اور سُنّی کے درمیان باہمی نزاع اس شدّت کو پہنچا کہ ایک دُوسرے پر کفُر کا فتویٰ صادر کیا۔ دونوں فتاوے جب حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش ہُوئے تو آپ نے یہ شعر کہا ؎

مُریدِ حضرتِ عشقم دگر نمیدانم   کدام بر سرِ باطل کدام بر سرِ حق

(یعنی میں تو حضرتِ عشق کا مُرید ہُوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ سچّا کون ہے اور جھُوٹا کون) اور حضرتِ عشق کا اقتضاء تو ملاپ و اتحاد ہے نہ نزاع و خلاف۔ (مترجم)

میرا اپنا نظریہ بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اوّل تو میں ایسے جھگڑوں میں دخل ہی نہیں دیتا لیکن بعض امُور میں مجھے ایسا کرنا پڑا۔ کیونکہ چند ناانصاف اَور ناحق شناس لوگوں نے کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کے خلاف بلاوجہ کفر کے فتاوے لگا دیئے تھے اَور مجھے اُن مظلوم اہلِ اِسلام کی طرفداری میں زبان کھولنا پڑی اَور بتانا پڑا کہ اس طرح سے تحریم و تکفیر صحیح نہیں۔"

ملفوظ ۔ ۱۱۹

اپنے خاندان کے ایک نوجوان کو بیعت و تلقین و وظائف سے مشرّف فرما کر ہدایت فرمائی کہ جب تک بزرگی کا غرور سر سے باہر نہیں نکالو گے بزرگِ حقیقی کی بارگاہ میں بار نہیں پا سکو گے۔ بنی آدم کے شرف کا اِعتبار اُس کے احساب (اعمال) سے ہے نہ محض اِنتساب (نسب) سے۔ درویش خودبین نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر ادنیٰ اعلیٰ کو اپنے سے اچھا جانتے ہیں۔ پاسداریِ حقُوقِ شرعیہ کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ نمازِ پنجگانہ اَور وظائف کو قضا نہ کرنا۔ اکثر لوگ اسی وجہ سے خشک اَور خالی رہتے ہیں کہ بزرگی اَور خودی کا فخر اپنے سر سے نہیں نکالتے ؎

درشاہراہِ جاہ و بزرگی خطر بسے — آں بہ کزیں گروہ سبکسار بگذری

(مرتبہ اَور بزرگی کا راستہ سخت خطرناک ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اِنسان اس بلندی سے سبکسار ہو کر گزر جائے)

ملفوظ ۔ ۱۲۰

فرمایا کہ اَولیاء اللہ کو معراجِ رُوحانی حسبِ درجات ہوتا ہے جب سُلطان العارفین بایزید بسطامیؒ معراجِ رُوحانی میں سدرۃ المنتہیٰ کو پہنچے تو ولولۂ عشق و طلبِ محبُوبِ حقیقی کو ضبط نہ کر سکے اَور ملائکہ سے سوال کیا کہ اگر تمہیں محبُوب کی خبر ہو تو مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔ ملائکہ نے جواب میں کہا کہ ہم بھی زمانہ ہائے دراز سے اس کی طلب میں شب و روز حیران و سرگردان ہیں۔ اَور ہم نے تو یہ سُنا ہے کہ او سُبحانہٗ تنزہ و تعالےٰ مومن کے دِل میں رہتا ہے۔ اسی باعث کہا ہے کہ ؎

پرتوِ حُسنت نہ گنجد در زمین و آسماں — در حریمِ سینہ حیرانم کہ چُوں جا کردۂ

(تیرے حُسنِ حقیقی کا پرتو زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا۔ مقامِ حیرت ہے کہ حریمِ سینہ میں کیسے سما گیا) (مترجم)

محرر سطُور کہتا ہے کہ شاہ نیاز احمدؒ صاحب نے اِسی مضمُون کے بیان میں فرمایا ہے ؎

ڈھونڈتا ہے تُو کدھر یار مرے کو اَے ماہ — منزلش در دلِ ما ہست لب بام نہیں
پھانسنے کو دلِ عشّاق بس اُلفت بس ہے — گھیر لینے کو یہ تسخیر کم از دام نہیں

ملفوظ ۔ ۱۲۱

پشاور کی طرف سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے علاقہ میں چند مسائل کے متعلق علماء میں خلاف ہے۔ میں انہی کے اِستفسار کے لیے حاضر ہوا ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ نمازِ مغرب کا وقت قریب ہے مسائل کو مختصراً بیان کرو۔ عرض کیا کہ اوّل مسئلہ رفعِ سبّابہ ہے۔ دُوسرا مسئلہ کرامتِ اولیاء ہے تیسرا مسئلہ آمین بالجہر اَور رفع یدین کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کے حکم کا ہے۔ آپ نے جواباً فرمایا "رفعِ سبابہ سُنّت ہے۔ اِس کا کرنا مُوجبِ ثواب ہے۔ زندہ ولی کی کرامت میں تو سب کو اتفاق

ہے۔ اور جو اولیاء کہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں سب سلاسلِ طریقت کے مشائخ اور بڑے بڑے علماء محققین ان کی کرامت اور افاضہ کے بھی قائل ہیں۔ صرف وُہ لوگ جو برزخ سے ناآشنا ہیں وُہ اس سے انکار کرتے ہیں مسئلہ رفع یدین و آمین بالجہر واضح کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ اور نماز قریب ہونے کی وجہ سے اس کی گنجائش نہیں۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ رفع یدین و آمین بالجہر اگر صرف حنفیوں کی مخالفت کی وجہ سے کیے جائیں تو اُن سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حصولِ ثواب کا مدار نیّت پر منحصر ہے۔ اور ہر ایک کو اپنی نیّت کے مطابق ہی ثمرہ ملتا ہے۔"

مترجم کہتا ہے سُبحان اللہ کلامِ معجز نظام میں کس قدر جامعیّت اعتدال اور حق پسندی کا جلوہ رُونما ہے۔ کاش! اِس دَور کے مدّعیانِ علم ان حکیمانہ ارشادات پر بنظرِ انصاف غور کرتے اور تفرقہ اندازی و فرقہ دارانہ تعصب کا بیج عوام اہلِ اسلام میں نہ بوتے۔ والی اللہ المشتکی۔

ملفوظ ۔ ۱۲۲

فرمایا کہ ایک فقیر نے خط بھیجا ہے کہ ذکرِ پاس انفاس سے میرے بدن میں بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ اس کا جواب مشتمل بر علاج اُس کی طرف تحریر کر دیا گیا ہے۔ بے شک ذکرِ پاس انفاس صفائی باطن میں عجیب اثر رکھتا ہے۔ ابتداء امر میں تو ذاکر کو اس کے شغل میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اجراء کے بعد ذکر خود بخود قلبِ ذاکر پر ایسا استیلا پا لیتا ہے کہ اس کو نہیں چھوڑتا۔ مثلاً اگر کسی وقت ذاکر اپنے ضعف اور ناتوانی کے باعث ذکر کو چھوڑنا بھی چاہے تو ذکر اس کو نہیں چھوڑے گا۔ ایسی حالت میں مرض کے پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ مگر یہی ذکر وظیفۂ مردانِ حق اور اُن کی جان ہے ؎

نفس کی آمد و شُد ہے نمازِ اہلِ حیات　　　جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو

ملفوظ ۔ ۱۲۳

فرمایا "بعض اہلِ تشیع افراط و تفریط میں پڑ کر صحابہ کرامؓ کے متعلق بُرا ظن رکھتے ہیں۔ اُن کی یہی بات نہایت ناشائستہ ہے۔ ورنہ محبتِ اہلِ بیت تو تخمِ ایمان ہے۔ ان کے شعراء کی مبالغہ سرائی اور مُوشگافی سخنوری سے مضمونِ محبت تازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دبیر لکھنوی واقعۂ کربلا کے بیان میں لکھتا ہے ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے　　　رَن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؓ کے پسر کو　　　جبرئیل لرزتا ہے سمیٹے ہُوئے پر کو

ہمیں بقاعدہ خذ ماصفا اور کلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکیم کسی کی غلو و افراط سے کیا غرض۔"

محررِ سطور بہ اجازت حضرت قبلۂ عالمؒ اسی مضمون کے دو اور شعر بھی یہاں درج کرتا ہے ؎

سبطینِ نبیؐ یعنی حسنؓ اور حسینؓ　　　زہراؓ و علیؓ دونوں کے وُہ نُور العین
عینک ہے تماشائے دو عالم کے لیے　　　اے ذوق لگا آنکھوں سے ان کی نعلین

محررِ سطور کو یاد ہے کہ اس مجلس سے پہلے ایک شخص نے مرثیہ خوانی اور حالاتِ کربلا سُننے کا مسئلہ پُوچھا تھا۔ فرمایا کہ سچے حالات اور واقعات اہلِ علم واعظین کی زبان سے سُننا اچھی بات ہے۔ اور جس مجلس میں یہ وعظ ہو رہا ہو وُہ عُرس کی صُورت ہو جاتی ہے

بشرطیکہ اِس مجلس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جیسے مُنہ پر طمانچے مارنا، گریبان پھاڑنا وغیرہ۔ درد اَور چیز ہے اَور رسم اَور چیز۔ ایسی باتیں کرنا درد و محبّت کے اِظہار کے لِیے لازم نہیں۔ (جزاك الله عنا وعن جميع المسلمين يا مجدد الشريعة والطريقة مترجم عفی عنہ (اَے شریعت و طریقت کے مجدّد خُدا آپ کو ہم سب اہلِ اِسلام کی طرف سے جزا عطا فرمائے)

ملفُوظ ۔ ۱۲۴

فرمایا "مقبولانِ خُدا اَور اہل اللہ کے ساتھ برابری کا دم مارنا خیالِ خام ہے اَور ازبس محال۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا۔ ان کے اِنتقال کے بعد دُوسرے مُسلمانوں نے اس کو اِسلام کی دعوت دی اَور حضرت بایزیدؒ کے حُسنِ خاتمہ کو اِسلام کی فضیلت پر شاہد بنایا۔ اُس نے جواب میں کہا "جو اِسلام بایزیدؒ میں تھا اُس کے حقُوق ادا کرنا مشکل ہے۔ اَور میں بجا نہیں لا سکتا۔ مجھے اس کا اچھی طرح علم ہے۔ کیونکہ میں اُن کا ہمسایہ تھا۔ اُن کا مکان میرے مکان کے نیچے ہے۔ میں ہمیشہ اپنے گھر کا کُوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے اُن کو ایذا دینے کے لِیے اُوپر سے اُن کے صحن اَور راستے میں پھینک دیتا تھا۔ مگر کبھی اُنہیں غصّہ آتے نہیں دیکھا۔ ایک دِن تو مَیں نے نجاست کی بالٹی بھی اُن پر پھینک دی۔ اَور اُن کا سر، داڑھی اَور کپڑے سب آلُودہ ہو گئے۔ مگر بلا شکایت حکایت حمام میں جا کر غسل کِیا اَور پھر اپنے شغل میں مشغول ہو گئے۔ اِس کے برعکس تم لوگوں کا جو اِسلام ہے اس میں سوائے دُوسروں کی دِل آزاری کے اَور کچھ نہیں۔ ایسے اِسلام کا حلقہ بگوش ہونے سے میں گبر ہی بہتر ہُوں" پس مُہر بہ لب ہو کر خونِ جگر کھانا اَور اُف نہ کرنا اِن سلف صالحین کا کام رہا ہے ؎

خُونِ دِل پینے کو اَور لختِ جِگر کھانے کو　　　یہ غذا مِلتی ہے جاناں ترے دِیوانے کو"

ملفُوظ ۔ ۱۲۵

فرمایا "اِنصاف کی حقیقت اَور اس کی قدر و منزلت لوگوں کے ذہنوں سے مفقُود ہو گئی ہے۔ اَور سچائی پر عمل درآمد بہت کم رہ گیا ہے۔ وُہ لوگ جن کے لِیے دُوسروں کے ساتھ تعلّقات رکھنا ناگزیر ہے۔ اُنہوں نے زمانہ سے یہ سبق سیکھا ہے کہ اپنے معاملات میں میانہ روی اِختیار کرنی چاہیئے۔ نہ اِتنا شیریں بنے کہ مخالف ہڑپ ہی کر جائے اَور نہ اِتنا تلخ کہ دوست بھی بدمزہ ہو کر چھوڑ جائے۔ معاش کے لِیے دُنیاداری ضروری ہے مگر اہلِ دُنیا سے اِتنا اِختلاط نہ کرنا چاہیئے کہ دِینی ذوق ہی جاتا رہے۔ دُنیا و آخرت دونوں کو زیرِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اسبابِ معاش کو بالکلیہ چھوڑ دینے اَور بیکار رہنے کو توکّل نہیں کہتے۔ لیکن اسباب ہی میں ہمہ تن مُستغرق ہو جانا اَور مسبّب سے غفلت برتنا بھی صحیح نہیں بلکہ یہ ایک ناشاد اَور بے کیف زندگی کی علامت ہے۔ مسبب الاسباب پر توکّل رکھنا اَور پھر اسباب کی جستجو کرنا یہی ایک کامیاب زندگی کا راز ہے"۔ مترجم نے قبلہ بابُوجی سے سُنا ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت قدس سرّہٗ نے انہیں نصیحت فرماتے ہُوئے اِرشاد فرمایا تھا کہ نہ تو لوگوں سے ایسا علیحدہ ہونا چاہیئے کہ تنقید کا نِشانہ بنے اَور نہ ایسا مِل کر رہنا چاہیئے کہ اپنی اِنفرادیت ہی کھو بیٹھے۔ سُبحان اللہ! کیا حکیمانہ وصیّت ہے ؎

نمے گویم کہ از عالم جُدا باش　　　ولے ہر جا کہ باشی با خُدا باش

(میں یہ نہیں کہتا کہ عالم سے جُدا ہو جاؤ۔ بلکہ یہ کہ جہاں بھی رہو خُدا کے ساتھ رہو)

؎ ہتھ کار وَل دِل یار وَل

ملفوظ۔ ۱۲۶

فرمایا کہ اہلِ دل کی زبان سے نکلی ہوئی بات دلپذیر ہوتی ہے پنجابی زبان میں علی حیدر صاحبؒ کے اشعار اہلِ ذوق و شوق کے لیے گویا دل میں اُترنے والے تیر ہیں حضرت موصُوف چشتی مشرب اور حضرت مولانا فخرالدّین دہلویؒ کے مُرید تھے ان کے کلام سے درد و محبّت کی بُو آتی ہے۔ ان کا مزار نہایت ہی پاکیزہ اور پُرانوار مقام ہے۔

پھر فرمایا "صاحبزادہ محمُود صاحب بھی شعر و شاعری میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی تقریر بھی رنگین مضامین سے پُر ہوتی ہے حال ہی میں اُن کا ایک منظُوم نوازش نامہ موصُول ہوا ہے۔ اگرچہ میں شاعر نہیں ہُوں لیکن یہ چند اشعار اُن کی خدمت میں جواباً تحریر کیے ؎

صبا ز طُرّۂ شبرنگ مہوشِ طنّاز　　کشُود نافۂ مُشکیں بروئے اہلِ نیاز
کسی مہوش کی زُلفِ سیاہ سے صبا نے اہلِ نیاز پر نافۂ مُشکیں کھولا

رکیم گدائے درِ مفلسی و کوتاہ دست　　کجُا ایں غالیہ عطری و قصّہ ہائے دراز
کہاں مجھ جیسا ایک مُفلس درویش اور کہاں یہ غالیہ اور عطر اور دراز قصّے

تُوئی کہ ذرّہ صِفت را بہ آسماں بُردی　　چگُونہ شُکرِ تو گوید کمینہ بندہ نواز
تُو ہی ہے جس نے ذرّہ کو آسمان پر شرف بخشا۔ اے بندہ نواز یہ کمترین کیسے تمہارا شکریہ ادا کرسکتا ہے

غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست　　کمالِ حشمتِ محمُود را بعجزِ ایاز
(ان اشعار کہنے سے) مجھے صرف ادائے نیاز ہی مطلُوب ہے ورنہ حشمتِ محمُود کو عجزِ ایاز کی کیا حاجت ہے

رہینِ ساقئ چشمم کہ جُرعہ بخشاند　　ز جامِ چہرۂ ترکانِ مہوشانِ حجاز
میں چشمِ ساقی کا رہینِ منّت ہُوں کہ وُہ حجاز کے ترک مہوشوں کے چہرہ کے جام سے جُرعۂ شرابِ عشق پلاتا ہے

بہ بزمِ بادہ فروشاں بہ نیم جو نخرند　　متاعِ زاہدِ طمّاع چہ حج و صَوم و نماز
بادہ فروشانِ جنت [illegible] زاہد کا متاعِ حج و صَوم و نماز نیم جو پر بھی نہیں خریدتے

مرا ز پیرِ مُغاں رازہائے سربستہ است　　فغاں ز واعظِ خوُدبیں کجُا است محرمِ راز
مجھے پیرِ مُغاں سے سربستہ راز حاصل ہیں واعظِ خوُدبیں سے پناہ یہ بھلا کہاں محرمِ راز ہوسکتا ہے

اگرچہ حسُنِ تو از مہرِ غیر مستغنی است　　من آں نیم کہ ز ایمانِ خویش آیم باز
اگرچہ تیرا حسُن غیر کی مہر و محبت سے بے پرواہ ہے لیکن میں وُہ نہیں کہ اپنے ایمان سے باز آجاؤں"

ملفوظ۔ ۱۲۷

فرمایا "آثار و برکاتِ اہل اللہ سے کوئی زمانہ خالی نہیں گذرا اور نہ آئندہ خالی ہوگا۔ حدیث شریف میں مروی ہے کہ قیامت اُسی وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ انشاءاللہ مشائخ چشت کی برکت زمین پر قیامت تک باقی رہے گی۔ اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ ہاں یہ ضرُور ہے کہ معرفتِ توحید میں ان حضرات کو زمانہ اور وقت کے مُطابق درجات نصیب ہوں گے کیونکہ جُوں جُوں عہدِ نبوّت دُور ہوتا جاتا ہے برکت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور بحکمِ الرجل غیر الرجل فرق آتا جارہا ہے۔

لیکن کوئی ذی عقل شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر گندم اور چرب روٹی کھانے کو نہ ملے تو خشک روٹی اور باجرہ بھی نہ کھایا جائے۔ جان کو فاقہ سے ہلاک ہونے سے بچانے کے لیے جو کچھ مل جائے اُسی پر کفایت کرنا پڑتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اہل اللہ کے بالکل مفقود ہو جانے کا مطلب دُنیا کی ہلاکت ہے۔ اس لیے یہ غنیمت ہے کہ کوئی اللہ اللہ کرنے والا باقی ہے چاہے وُہ عالی مرتبت نہ بھی ہو۔

مولانا رُومؒ فرماتے ہیں۔ کوئی بشر صفائی یا کثافت سے خالی نہیں ہے۔ خُدا کی مخلوق دو قسم کی ہے۔ ایک گروہ سعدا دُوسرے اشقیا۔ سعید کی نظر صفائی پر پڑتی ہے اور وُہ اپنا حصّہ اُٹھا لیتا ہے۔ اور شقی کی نظر اپنے مقسُوم ازلی کی وجہ سے ہزار ہا صفائیوں کو چھوڑ کر کثافت ہی پر پڑتی ہے اور وُہ بےنصیب رہتا ہے۔ اہل اللہ سے بدگمانی رکھنا وسوسۂ شیطانی ہے۔ حافظ فرماتے ہیں ؎

پاک بیں از نظر پاک بمنزل برسید　　　احول از چشم دو بیں در طمع خام اُفتاد

پاک بین اپنی پاک نظری سے منزل تک پہنچ گیا لیکن یک چشم دو بینی کی وجہ سے خام طمع ہی میں رہ گیا"

ملفوظ - ۱۲۸

فرمایا "علماء اور واعظین کا کلام اور تقریر ایسی ہونی چاہیئے جو سُننے والوں کے لیے دلپذیر ہو۔ اُنہیں فرمانِ الٰہی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (خُدا کی راہ کی طرف حکمت اور بہتر پند و موعظت کے ساتھ بُلاؤ) پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور بشری اور نفسانی جوش میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ عام اہلِ تشیع، فضائلِ صحابہ کرامؓ سے بےخبر ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ان حضراتؓ کا اپنے باہمی اختلافات کے معاملہ میں چشم پوشی کرنا کس مصلحت کا حامی تھا۔ اور نہ وُہ عقیدۂ مسئلۂ خلافت سے واقف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے واعظ اور عالم حضرات اپنی تقاریر کو فتاوے دینے اور تکفیر تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ تو اس حد تک کہہ دیتے ہیں کہ اہلِ تشیع کی توبہ بھی منظور نہیں۔ اگر وُہ اس کی بجائے فضائل اہل بیت پاک جیسا کہ آثار سے ثابت ہیں بیان کرتے اور اپنے آپ کو اسیر محبّت خاندانِ نبوّت گردانتے تو انشاء اللہ تعالےٰ دُوسرے بھی نیک ظن سے اُن کی مجالس میں حاضر ہو کر عقیدہ صحیحہ سُنّیہ سے واقف ہوتے۔ یہ ہماری غیر دانشمندی کا نتیجہ ہے کہ فریق مخالف کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ سُنّی وُہ ہوتا ہے جس کے دل میں اہل بیت پاک کی محبّت نہ ہو۔

"ایام سفر میں ایک جگہ ہر دو فریق سُنّی و شیعہ مجھے ملنے کے لیے آئے۔ مجھے خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر اس وقت اُن سے ایسی باتیں کی جائیں کہ ان کے دل سے صحابہ کرامؓ کا بُغض نکل جائے۔ اگرچہ وُہ کوئی مجلس مناظرہ یا مباحثہ نہیں تھی لیکن میں نے دیکھا کہ وہاں جو علماء حاضر تھے اُنھوں نے حسبِ عادت اپنا کام شرُوع کر دیا۔ ان کا امیر ایک عالم تھا جسے فریقین کی کتابوں کی عبارتیں نوکِ زبان یاد تھیں۔ اور بحث و تردید کے فن میں بھی بڑا ماہر تھا۔ اُس نے بلا تمہید اور آدابِ مجلس کو ملحُوظ رکھے بغیر تقریر شروع کر دی۔ میں نے کچھ دیر تو تامّل کیا۔ مگر جب دیکھا کہ وُہ کسی اور کو بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیتا تو مجبُوراً میں نے اُس سے ایک سوال پُوچھا کہ مولوی صاحب قرآن کریم کی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (مُحمّد علیہ السلام اللہ کے رسُول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں کُفّار پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں اُنہیں دیکھے گا کہ رکُوع اور سجدہ میں اللہ کا فضل مانگیں گے اور اُن کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہوں گے) لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ تک۔ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ غصّہ کرنا کُفّار کا خاصہ ہے۔ اور صحیح بخاری میں جہاں دعویٰ فدک کا بیان ہے وہاں حضرت صدّیقِ اکبرؓ سے غضبت

فاطمۃؓ مذکور ہے۔ اب آپ بتائیں کہ فاطمۃ الزہراؓ کے حضرت صدیقِ اکبرؓ پر غیظ رکھنے کی کیا وجہ تھی۔ اس کا جواب مختصر اور آسان ہے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کو نہیں معلوم۔ اور واقعی بات بھی یہی تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب کا سب جوش و خروش ختم ہوگیا اور وُہ آہستہ سے کہنے لگے کہ براہِ کرم کوئی اور موضوع چھیڑیں اور مجھے رُسوا نہ کریں میں فی الواقعہ جواب سے معذور ہُوں"

محرر سطور کے خیال میں مولوی صاحب کا اس طرح لاجواب ہو جانا حضرت قبلۂ عالمؒ کی کرامت سے تھا کہ اس کا دل ایک مردِ خدا کی ہیبت سے مرعُوب ہوگیا۔ حضرتؒ کے سوال کا جواب اغلباً یہ ہوگا کہ مومنین کے ساتھ کُفار اس لیے غیظ رکھتے تھے کہ وُہ اسلام لے آئے تھے۔ جیساکہ آیت کریمہ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۔ وَهَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور مومن کا غیظ مومن کے ساتھ محض عوارضِ طبعی کی بنا پر ہوتا ہے نہ بوجہ اسلام کے۔ اور ایسے عوارض سے صحابہؓ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ واللہ اعلم (مسئلۂ فدک اور دلائل خلافتِ راشدہ تفصیلاً فتاوٰی مہریہ اور حضرت قبلۂ عالمؒ کی آخری تصنیف "تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ" میں مُلاحظہ ہوں۔ (مترجم)

ملفوظ - ۱۲۹

فرمایا "آج کل لوگوں نے عجیب روش اختیار کر رکھی ہے۔ وُہ معجزات و کرامات کا انکار کرتے ہیں اور حدُودِ شرع کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اُس کے جواز میں کہتے ہیں کہ اُن کا مذہب رواداری اور آزادی سکھاتا ہے۔ اور اُن کی یہ روش جدید روشنی اور قانونِ قدرت کے عین موافق ہے۔ حالانکہ اُن کی یہ نازیبا روش درحقیقت مذہب سے ناواقفیت اور اوہام کی اُس تاریکی کی وجہ سے ہے جو اُن کے دِلوں پر چھائی ہُوئی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پاکیزہ علوم کے حصُول کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عقل کے ساتھ وساوِس اور اوہامِ باطلہ دامن گیر ہوتے ہیں اور اُن سے صرف وُہی لوگ محفوظ ہیں جو مخصُوصانِ ایزدی یا اربابِ وحی و رسالت ہیں۔ اور پھر تعلیمِ الٰہی تو انسانی عقل سے بہت بلند ہے اور اُس تک رسائی محض عنایتِ الٰہی ہی سے ہوسکتی ہے اور اسی مقصد کے لیے انبیاء علیہما السلام دنیا پر [illegible] انسانی عقل تو دُنیاوی مسائل حل کرنے میں بھی عاجز ہوتی ہے چہ جائیکہ وُہ منازلِ رُوحانی بغیر تائیدِ غیبی کے طے کر سکے۔ جیسے دُنیا میں سُورج تو موجُود ہے مگر اُس کی روشنی میں جلانے کی قوت اُسی وقت آتی ہے جب وُہ آتشی شیشے میں سے گزُرے یعنی ہر کام کے لیے وسیلہ کی ضرُورت ہے۔ اگر کسی نے کوئی ادنےٰ سا کام بھی سیکھنا ہو تو اُسے کسی کی شاگردی کرنا پڑتی ہے پھر خُدادانی اور حق شناسی کے لیے تو بطریقِ اولےٰ ایسے معلّمین کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنا ہوتا ہے جن کے نفوسِ قدسیہ کسی دلائل نظریہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ اور جن کے مشاہدہ اور یقین کے سامنے مخالفین کے دلائل ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں" محرر سطور اس ملفوظ شریف کے مناسب چند شعر مثنوی مولانا رُومؒ سے درج کرتا ہے ؎

با خُدا ہم دعوئے فرزانگی — سخت جہل است و رگِ دیوانگی
خُدا کے ساتھ دانائی کا دعوےٰ سخت جہل و جنُون ہے

عقلِ تو گورے مجصّص از بروں — چیست در وَے مُردۂ لاشئے زبوں
تیری عقل گچ شدہ قبر کی مانند ہے جس میں لاشئے عاجز مُردہ دفن ہے

سرکشی از حق کہ من دانا دِلم — حاجتِ وَحیش ندارم عاقلم
تُو خُدا سے سرکشی کرتے ہُوئے کہتا ہے کہ مَیں دانا ہُوں مجھے وحی کی ضرُورت نہیں

لغزشِ تو حاجتے پیدا کُند　　در دمے عقلِ ترا رُسوا کُند
تیری لغزش ایک ایسی حاجت پیدا کرتی ہے کہ تھوڑے سے وقت میں تیری عقل کو رُسوا کردیتی ہے
عقل کو با کبر مے دارند خلق　　حمق ہست و عقل پندارند خلق
جو عقل کبر و غرُور کے ساتھ ہو وُہ اصل میں حماقت ہے
کبر شہرِ عقل را ویراں کُند　　عاقلاں را گمرہ و ناداں کُند
کبر وغرُور عقل کے شہر کو وِیران کر دیتے ہیں۔ عقل مندوں کو گمراہ اور نادان کر دیتے ہیں
چُوں ز آموزش خِرد را یافتی　　پس ز تعلیمش چرا سر تافتی
جب اس کی تربیت سے تُونے عقل حاصل کی تو پھر اس کی تعلیم سے کیوں سر موڑتا ہے
اندرُون و خویش را روشن بداں　　آنچہ مے تابد ہمہ تابد ز آسماں
جو کچھ تیرے اندر روشن ہے سب عالمِ غیب کی طرف سے ہے
عقل در اسرارِ حق بس نارساست　　آنچہ گاہ گاہ مے رسد ہم از خداست
عقل کو اسرارِ حق میں رسائی حاصل نہیں اور جو کچھ بھی حاصل ہوجاتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے
زرِّ عقلت ریزہ است اے مُتّہم　　بر قُراضہ مُہرِ سِکّہ چُوں نہم
تیری عقل کا سونا ایک معمُولی ریزہ ہے اس پر مُہر سِکّہ کیسے لگایا جائے
عقلِ تو قسمت شُدہ بر صد مہم　　بر ہزاراں آرزُوئے طِم ورم (مالِ بسیار)
تیری عقل ہزاروں مہمات میں مُنقسم اور مال کی ہزاروں آرزُوؤں میں پریشان ہے
عقلِ جُزوی ہمچو برق است و درخش　　در درخشے کے تواں شُد سُوئے وخش[1]
تیری جُزوی عقل برق کی طرح عارضی چمک رکھتی ہے جس میں شہرِ وخش کی طرف جانا مُشکل ہوسکتا ہے
عقل رنجُور آردش سُوئے طبیب　　لیک نبود در دوا عقلش مصیب
بیمار کی عقل اُس کو طبیب کی طرف لے آتی ہے لیکن بعض اوقات طبیب کی عقل دوا میں صحیح تدبیر نہیں کرسکتی
زیں قدم زیں عقل رو بیزار شو　　چشمِ غیبی جُو و برخوردار شو
اس قدم اور عقل سے بیزار ہو، غیبی آنکھ کی تلاش کر اور کامیابی حاصل کر
زیں نظر زیں عقل ناید جُز دوار　　پس نظر بگذار بگزیں اِنتظار
اس ظاہری نظر سے بجز سرگردانی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کو چھوڑ اور فضلِ خداوندی کا اِنتظار کر
گر بہ فضلش پَے برُدے ہر فضُول　　کے فرستادے خدا چندیں رسُول
اگر ہر فضُول اِنسان کو فضلِ خُداوندی تک رسائی ہوتی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اتنے رسُول کیوں بھیجتا

ملفوظ۔ ۱۳۰

ایک شخص نے عرض کیا کہ ہمارے گاؤں میں ایک نقشبندی المشرب درویش رہتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہم کو باقی سارے

[1] شہر از ولایتِ ختلان

خاندانوں پر فوقیت ہے۔ کیونکہ جامیؒ نقشبندی تھے اور اُنھوں نے فرمایا ہے ؎

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی — آخرِ ما جیبِ تمنا تہی

جہاں دُوسروں کی انتہا ہے وہاں سے ہماری ابتدا ہے اور جہاں ہماری انتہا ہے اُس سے آگے کچھ نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا۔ کہ بات محض دعوے کرنے سے درست نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہر نقشبندی جامی علیہ الرحمۃ کی ہمسری کا دم مار سکتا ہے ایسی بات کرنے کا حق صرف اس شخص کو پہنچتا ہے جو اوّلاً اپنے وجودِ موہوم کی نفی کر کے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وِردِ دل و جان سے کرے۔ شاہ نیاز احمد چشتی بریلویؒ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو — اس کا پہلا ہی سبق یار و فنا فی اللہ ہو

یہاں تک بجُز ان لوگوں کے جن کا مشرب توحیدِ وجودی ہے یا ان کے نیازمندوں کے کسی اور کو رسائی نصیب نہیں ہوئی اور جامی علیہ الرحمۃ بھی مسئلۂ توحید وجُودی میں انہی حضرات کے ہم مشرب تھے نہ موجُودہ زمانہ کے نقشبندیوں کی طرح۔ جامی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "تحفۃ الاحرار" میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ نمایند بسے غیرِ تو — نیست دریں عرصہ کسے غیرِ تو

با تو خُود آدم کہ و عالم کدام — نیست زغیر تو نشاں غیر نام

بحر یکے موج ہزاراں ہزار — رُوئے یکے آئینہا بے شمار

کثرتِ صُورت زصفات است وبس — اصلِ ہمہ وحدتِ ذاتست وبس

(یعنی اگرچہ عالمِ نمُود میں مظاہر کثرت کی نمائش ہے لیکن عرصۂ وجُود میں تیرے بغیر کسی اور چیز کا ثبُوت نہیں وجُودِ وحدت کے سامنے آدم کون اور عالم کیا۔ وحدت کے سوا کسی چیز کا نہ نام ہے اور نہ نشان۔ مثال کے طور پر دریا ایک ہی ہے لیکن اس کی موجیں ہزاراں در ہزار (لکھوکھا) ہیں۔ چہرہ ایک ہے مگر اُس کا عکس بے شمار آئینوں سے نمُودار ہے۔ صُورت کی کثرت صرف صفات کے تنزلات سے ہے اور بس سب کا اص[illegible] ہے اور بس)

محض نقشبندی کہلانے سے یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی کا دعوےٰ کرے۔ طالب جب تک اپنی ہستی کو گم نہ کر دے اس جگہ تک نہیں پہنچتا ؎

قولِ نیاز بشنو یعنی ز خُود برُوں شو — چُوں از خُودی برآئی باشی خُدا رسیدہ

(نیاز احمد کی بات سُن، خُودی سے باہر ہو اور خُدا کو پالے) مترجم کہتا ہے کہ قبلہ بابُوجی فرماتے ہیں کہ حضرت قدس سرّہٗ حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی اس رُباعی کو مضمونِ توحید کا خلاصہ فرمایا کرتے تھے ؎

نہ بشر خوانمت اے دوست نہ حُور و نہ پری — ایں ہمہ بر تو حجاب اند تُو چیزے دگری

ہیچ صُورت نتواند کہ کُند بند تُرا — در صورِ ظاہری امّا نہ اسیرِ صوری

(یعنی یہ سب تعینات و اشکال تیرا لباس ہیں۔ تیری حقیقت ان میں بند نہیں۔ تو سب میں ظہُور کے باوجُود سب سے ورا ہے)

اِس مسئلہ پر عقلی اشکالات کے ازالہ میں سلسلہ چشتیہ کے مشہور شیخ طریقت حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کا رسالہ "سواالسبیل کلیمی" قابلِ دید ہے لیکن اصل الاصول کسی کامل کی دید ہے فقط کتابوں سے عقدہ حل نہیں ہوتا۔

ملفوظ - ۱۳۱

ایک روز حضرتؒ نے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سکنہ ڈھوک مکھن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ عمدہ ترین مسلک و پسندیدہ ترین مشرب میرے نزدیک یہ ہے کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ اتنا ہی فرمایا تھا کہ نماز مغرب کی اذان شروع ہو گئی اور مجلس نماز کے لیے برخاست ہو گئی۔

مترجم کہتا ہے کہ اس فرمان کا مطلب واضح ہے یعنی اصل کام استقامت بر شریعت اور اتباع سرکار رسالتؐ ہے۔

ملفوظ - ۱۳۲

ایک مرتبہ علاقہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے رہنے والا ایک عالم جو اپنی نسبت خاندان نقشبندیہ سے ظاہر کرتا تھا۔ بغرض استفاضہ حاضر خدمتِ اقدس ہوا۔ بعد ادائے اوراد ضحیٰ آپ نے فرمایا کہ آج کل خام مزاج لوگوں نے عجیب روش اختیار کی ہوئی ہے نقشبندی کہتے ہیں چشتی ہم سے نیچے ہیں اور چشتی کہتے ہیں ہم نقشبندیوں سے بہت بلند ہیں۔ [illegible] وغیرہ ایک دوسرے کے درپے ہیں۔ متقدمین مشائخ کو یہ طریقہ سخت ناپسند تھا۔ ان کے دلوں میں ایسے فاسد خیالات کبھی نہیں آتے تھے۔ اگر انسان سلاسل صوفیہ کے ساتھ اپنی محبت اس خیال سے پیدا کرے کہ دوسروں پر اپنی برتری جتائے تو یہ بات راہ خدا میں رکاوٹ اور حجاب کا باعث بنتی ہے، نہ ذریعہ وصول الی اللہ۔ ایسا ہی مذاہب اربعہ کے مقلد اگر ایک دوسرے پر حملے کریں اور کہیں کہ حنفی کچھ نہیں سمجھتے یا مالکیوں نے کچھ نہیں سمجھا۔ اور ایک دوسرے سے کلّی مفارقت برتیں تو ایسی صورت میں تقلید مذاہب بھی حجاب بن جاتی ہے۔

بعدہٗ اس مضمون پر "فتوحات" کی عبارت پڑھ کر فرمایا۔ یہ عبارت عین حق و انصاف پر مبنی ہے۔ مگر ناسمجھ آدمی اس کلام کو بھی اپنے زعم کے مطابق دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ لہٰذا کلموا النّاس علیٰ قدر عقولھم (یعنی لوگوں کے ساتھ ان کی سمجھ کے مطابق کلام کرو) کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مترجم کہتا ہے کہ اس ملفوظ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ فروعی اختلاف میں تشدد اور تعصب کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسلامی فرقے اسی وجہ سے آج آپس میں دست بگریباں ہیں۔ اگر ہر فرقہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے دوسرے کے خلاف کیچڑ نہ اچھالتا اور بدعت، شرک اور تکفیر و تفسیق کے فتاویٰ صادر نہ ہوتے تو اس قدر خرابی ہرگز پیدا نہ ہوتی۔ صوفیائے کاملین اور علمائے ربانیین کا یہی معتدل مسلک ہے۔

ملفوظ - ۱۳۳

فرمایا کہ اگلے زمانہ میں لوگ پہلے علوم ظاہری حاصل کرتے تھے اور اُن میں دستگاہ کامل حاصل کرنے کے بعد پھر بغلبۂ حال صوفی ہوتے تھے۔ اس طرح ان کی روش شیطانی وسوسہ سے پاک ہوتی تھی لیکن اب لوگ بباعثِ کوتاہ ہمتی شروع سے صوفی بن جاتے ہیں۔ اور یہی بات بہت سی خرابیوں کا مبداء ہے۔

ملفوظ - ۱۳۴

سماع کے بارہ میں فرمایا۔ کہ قدوۃ المحققین حضرت خواجہ شمس الحق والدین سیالویؒ کی خدمت میں سماع کے بارہ میں عرض کیا گیا تو انہوں

نے فرمایا۔ اہل اللہ کے نزدیک سماع کوئی مقصود بالذات چیز نہیں ہے۔

مترجم کہتا ہے اس ملفوظ سے بعض لوگوں کا یہ الزام رفع ہو جاتا ہے کہ بزرگانِ چشت کے نزدیک منزلِ مقصود تک سماع کے بغیر رسائی مشکل ہے۔

ملفوظ۔ ۱۳۵

توحید کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ طالبانِ حق کے لیے مقصودِ اصلی یہ ہے کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حق تعالیٰ نے بہ خطاب فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ عبادت و ذکرِ الٰہی پر استقامت کا حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا محمدیؐ مشرب درویشوں کے لیے یہی امر مقصودِ اصلی ہے صوفیائے کرام کے مسائل اور ان کے ارشاداتِ دقیقہ کو واردات اور کیفیات سمجھنا چاہیئے ان پر حالات کا وارد ہونا ان کے ارواحِ طیّبہ کے حسبِ مناسبت ہوتا ہے۔ اسی لیے توحیدِ وجودی اور شہودی دونوں برحق ہیں۔ کیونکہ ہر دو کے قائلین اللہ تعالےٰ کے مقبولوں کے فرقہ سے ہیں۔ اگرچہ بذاتہٖ ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔

محرّرِ سطور کہتا ہے "اگرچہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا" یہ کلمہ از قسم کسرِ نفس ہے۔ ورنہ حضرتنا و مرشدنا کا علی مقامات میں اپنے زمانہ میں کوئی نظیر نہیں تھا۔ اور جو مقبولیت اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے اُس میں کوئی شخص آپ کے زمانہ میں آپ کی ہمسری نہیں کر سکا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

مترجم کہتا ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ کی ذاتِ گرامی مجسّم تسلیم و نیاز تھی۔ تعلّی اور بزرگی کا دعوےٰ کرنا آپ سے کوسوں دُور تھا۔ ہاں بعض اوقات کسی خاص مصلحت کی بنا پر یا وجدانی کیفیات کے زیرِ اثر سرشاری کے عالم میں کوئی ایسی بات آپ کے قلم یا زبان سے نکل جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے بعض اشعار اس پر شاہد ہیں۔ اس سلسلہ میں اکتیسویں ملفوظ میں درج شدہ آپ کی غزل قابلِ غور ہے۔ جس میں آپ نے اپنے لاہُوتی مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اس ملفوظ سے یہ بھی [illegible] آپ توحیدِ وجودی کے قائل تھے مگر حضراتِ شہودیہ کے ساتھ بھی حُسنِ ظنّ اور عقیدت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہ ہے کمالِ اعتدال اور حق پسندی۔ جس کے فقدان کی وجہ سے آج مسلمانوں کی آپس میں وہ سرپھٹول ہے کہ الامان۔ ظفر شاہ دہلوی کیا اچھا فرما گئے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا خواہ کیسا ہو صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خُدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خُدا نہ رہا

فرقہ بندی کا بھوت لوگوں کے سر پر ایسا سوار ہے کہ اصُولِ دین اور فروعی مسائل کے مابین امتیاز بھی اُٹھتا جا رہا ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

اگر باہمی اختلافات میں یہی تشدّد رہا تو پھر اسلام کا خُدا ہی حافظ ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ

ملفوظ۔ ۱۳۶

محرّرِ سطور نے نمازِ ظہر کے بعد خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ کیا مجازی عشق بھی عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے؟ فرمایا "بہت کم، بہت کم، بہت کم، اور وُہ بھی اگر جلدی جلدی یار وزانہ صالحین اہلِ سعادت کی صُحبت نصیب ہو۔"

بعدہٗ اسی مجلس میں ایک شخص نے خواجہ حافظؒ کے اس شعر کا معنیٰ پوچھا کہ ؎

بُشریٰ اذا السلامۃ حلت بذی سلم

فرمایا کہ "سلامت" اشارہ محبوبہ ہے اور ذی سلم اس کے وُرود اور سکونت کا مقام ہے۔ عُشّاق کی رسم ہے کہ اپنے معشوق کے آثار کی یاد میں نالہ و فریاد کرتے ہیں کبھی اُس کے گھر کے در و دیوار اور کبھی اُس کے گلی کُوچے اور دُوسرے نشانوں کو یاد کر کے اظہارِ عشق اور درد کرتے ہیں۔ جیسا کہ پنجابی میں لوگ گاتے ہیں ؎

اجے بھی اوہ پیاں دِسدیاں سانُوں ماہی والیاں ٹاہلیاں

(ماہی والیاں ٹاہلیاں سے مُراد مقامِ عما و نفسِ رحمانی و حضرت اسماء ہے)

بعدہٗ فرمایا۔ کہ تخلیہ میں ایسے عشق و محبت کے اشعار کے مطالعہ میں مشغول ہونا سماع مزامیر وغیرہ سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ عشقِ مجاز کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں بعض سرد مزاجوں میں قدرے حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ہر ایک کو راست نہیں آتا بلکہ اہلِ علم کو تو مُضر ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ ایسی باتوں سے دُور رہیں اور اپنی آبرُو کو آب جُو نہ بنائیں۔

مترجم کہتا ہے کہ اس ملفوظ میں ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو عورتوں اور لڑکوں سے عشق بازی کو طریقت کے فن کا ایک خاص گُر سمجھتے ہیں۔ اُنہیں اس بات کا خیال نہیں آتا کہ اس سے اربابِ طریقت کی توہین ہوتی ہے جن کا یہ ارشاد ہے۔ "اللہ بس باقی ہوس"

ملفوظ - ۱۳۷

حضرتؒ ایک دفعہ ایسے بیمار ہُوئے کہ معدہ کسی دوا یا غذا کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اور ایک لمحہ بھی قے سے نجات نہ تھی اور طبیعت سخت بے آرام تھی۔ آٹھ روز تک یہی حال رہا۔ اور اس قدر کمزوری ہو گئی کہ نماز اشارہ سے ادا فرماتے۔ سب لوگ آپ کی اس تکلیف کے دیکھنے اور سُننے سے نہایت غمگین تھے۔ ایک دن بعد نماز صبح محرّرِ سطور نے عرض کیا کہ حضُورؒ کی یہ حالت شائد خلوِ معدہ کی وجہ سے ہو۔ آپ نے کمال مہربانی سے نحیف آواز میں فرمایا "نہیں نہیں یہ کسی مرض کی وجہ سے ہے ورنہ درویش کو ہفتہ عشرہ کا فاقہ ضرر نہیں دیتا" مترجم کہتا ہے کہ یہ آنجنابؒ کے عالمِ استغراق سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ورنہ زمانہ استغراق میں تو اُس سے بھی زیادہ ایّام خورد و نوش کا سلسلہ مفقود ہو جاتا تھا۔ آپ کے خادمِ خاص حضرت مولٰینا محبوب عالم صاحبؒ فرماتے تھے کہ ان ایّام میں بارہا آپ نے ہمارے غذا پیش کرنے پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بھی مجبُور ہو لیکن میں بھی مجبُور ہُوں۔ کیونکہ غذا جب سامنے آتی ہے تو مجھے ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے زہر ہو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ یطعمنی ربی ویسقینی پر فائز ہو چکے تھے عشق و محبتِ الٰہی غذائے رُوح بن چکا تھا جس کے بعد غذائے جسمانی کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔

ملفوظ - ۱۳۸

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عُرس والے روز مجلس ختم ہونے کے بعد فرمایا کہ مشائخ متقدمین جب اپنے مُستفیضین میں سے کسی کو قابل جانتے ہُوئے اُسے اسرار و معارفِ خاصہ اور مسئلہ توحیدِ وجُودی کے دقائق کی تلقین فرمانا چاہتے تھے تو اُسے مقامِ خلوت میں لے جا کر اور دروازے بند کر کے تعلیم دیتے تھے تاکہ ناقص لوگ سُن کر اپنی سمجھ کے مطابق

غلطی نہ کھا جائیں لیکن اَب عجیب زمانہ آگیا ہے کہ لوگ محض روپیہ کمانے کے لیے ایسے مسائل کو اشتہاروں اور اخباروں میں شائع کرتے اور بازاروں میں موضوعِ گفتگو بنائے پھرتے ہیں۔

مترجم کہتا ہے کہ بعض جاہل اور بے سمجھ لوگ توحید کی آڑ میں احکامِ شرعیہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کے اِس فعل کی ذمہ داری ایسے ہی مدعیانِ مشیخیت پر ہے جو ایسے اسرار و رموز نااہلوں کے سامنے رکھتے پھرتے ہیں۔

ملفوظ - ۱۳۹

فرمایا کہ انسان حوادث کا محل ہے اسے چاہیئے کہ مایوسی اور گھبراہٹ کو عادت نہ بنائے۔ جلد باز آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی مُرادیں فوراً پوری ہو جائیں لیکن جس طرح پھول اپنے موسم ہی میں کھلتے ہیں اسی طرح مُرادیں بھی اپنا وقت آنے پر ہی بر آتی ہیں محرر سطور کہتا ہے کہ شیخ افاض اللہ علینا من برکاتہ کا ارشاد آیت لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ اور لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے۔

ملفوظ - ۱۴۰

ایک شخص نے بیان کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مدعی مثیلِ مسیح کہتا ہے کہ میرے دُشمنوں کو موت یاد کرتی ہے اور اُن کا انتظار کر رہی ہے۔ جواب میں فرمایا کہ اس نے دُشمنوں کی تخصیص میں خطا کی ہے اس کے دوستوں کو بھی موت یاد کرتی ہے اور انتظار کر رہی ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کا اس نے شاید لحاظ نہیں رکھا۔

مترجم کہتا ہے۔ کیا حُسنِ اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ ایک شدید مذہبی مخالف اور آنجنابؒ کے متعلق بدترین ننگی گالیاں دینے والے کو بھی آپ نے ایسے الفاظ میں یاد فرمایا جس سے قطعاً سب وشتم مترشح نہیں ہوتی۔

ملفوظ - ۱۴۱

سیدنا غوث الاعظم محبوب سُبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی شانِ بے پایاں کا ذکر شروع تھا فرمایا کہ بعض سجادہ نشین حضرات کو آنجنابؓ کا ارشاد قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ (میرا یہ قدم اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) اپنے سلسلہ کے اکابرین مشائخ مثل خواجہ بزرگ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ اور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ وغیرہم کے متعلق گراں گذرتا ہے۔ اس لیے وُہ حضرت محبوبؓ سُبحانی کے اس قولِ مُبارک کے متعلق مختلف تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ اس سے اُن کا منشاء اپنے مشائخ سلسلہ کی تعظیم اور کمالِ محبّت ہے لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ انصاف کرنا چاہیئے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہُوا ہے کہ جب یہ کلمہ حالیہ حضورؓ سے صادر ہوا تھا اُس وقت سعید میں حضرت خواجہ اجمیریؒ ایک پہاڑ پر یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ آپؒ نے جب غیب سے یہ کلمہ اپنے گوشِ ہوش سے سُنا تو بہ ادب تمام آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "علی راسی وعینی (میرے سر آنکھوں پر)"

مترجم کہتا ہے کہ بعض حضرات سیدنا غوثِ اعظمؓ اور حضور غریب نواز اجمیریؒ کی ملاقات بلکہ ہم عصر ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ سلسلہ صابریہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ محمد اکرم صابریؒ نے اپنی مشہور کتاب اقتباس الانوار میں حضور غریب نواز اجمیریؒ کی حضور غوثِ اعظمؓ سے ملاقات اور استفادہ کو محققانہ انداز میں ثابت فرمایا ہے۔

ملفوظ - ۱۴۲

فرمایا کہ سُبحان اللہ سیّدنا قُطبُ الاقطابؓ کی شان مُبارک کا کیا کہنا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ جو جیّد عالم بھی تھے جب اُنہوں نے کتاب "فتوُح الغیب" تالیف محبُوبِ سُبحانیؓ کی شرح لکھنے کا مصمّم ارادہ کیا تو اُن کے دِل میں ایسی دہشت پیدا ہُوئی کہ قلم اُٹھانے کی جُرأت نہ رہی تا آنکہ پا پیادہ لاہور حضرت شاہ ابُو المعالیؒ کی خدمت میں اِس غرض کے لیے حاضر ہُوئے کہ وُہ برزخی طور پر جناب سُلطانِ اولیاءؓ و جانِؓ اصفیاء سے شرح لکھنے کی اجازت طلب فرما کر اُنہیں سرفراز فرماویں۔ چُونکہ شاہ ابوالمعالیؒ سیّدنا غوثِ اعظمؓ کے ساتھ محبّت اور تعلّق برزخی میں یگانہ اور وحید الدّہر گذُرے ہیں۔ اُنہوں نے اجازت حاصل کر کے محدّث دھلوی علیہ الرحمۃ کو مشرّف فرمایا۔ مترجم کہتا ہے کہ محققین علماء کے نزدیک "فتوحُ الغیب" کی نسبت حضُور سیّدنا غوث الاعظمؓ کی طرف درُست ہے لیکن "غُنیۃُ الطّالبین" کے متعلق اختلاف ہے۔ اِس نیازمند نے جب قبلہ بابُوجی کے حسبِ ارشاد بغداد شریف کے مشہُور حنفی عالم علّامہ زہاوی کی خدمت میں اِس امر کے متعلّق استفسار تحریر کیا۔ تو انہوں نے تحریر فرمایا کہ موجُودہ "غُنیۃُ الطّالبین" میں کافی اِلحاق شدہ عبارات ہیں، اور اصل قدیمی نُسخہ موجُودہ نسخوں کے مقابل تقریباً تہائی کے برابر تھا۔ برادرانِ طریقت کو اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اِس کتاب کی بعض عبارتوں کو مخالفین اپنے اِستدلال کے ثبوُت میں پیش کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی صاحبِ نبراس نے تحقیق فرمائی ہے۔

ملفوظ - ۱۴۳

حضرتؒ کا دستور تھا کہ حضرت خواجہ شمسُ الحق والدّین سیالویؒ کے عُرس شریف سے دو تین روز پہلے اُن کے مرقدِ منوّر کی زیارت سے مشرّف ہوتے تھے۔ ایک دفعہ عُرس شریف کے موقعہ پر اُس علاقہ میں مرض طاعُون کا بڑا زور تھا۔ محرّرِ سطوُر نے معہ دیگر مُشتاقانِ دیدارِ پُر انوار کے اسٹیشن سوہاوہ پر قدم بوسی حاصل کی۔ فرمایا کہ سیال شریف کے نواحی علاقہ میں طاعُون کا سخت غلبہ ہے۔ اور بعض رفقاء کی مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ اِس دفعہ کا سفر مُلتوی کیا جائے۔ چکوڑی سے بھی چند حضرات کی طرف سے اِسی مضمُون کا خط آیا تھا۔ مگر میں نے جواب میں یہ شعر تحریر کیا ہے ؎

هرچه بادا باد آنجا مے رویم مسکنِ شاه است آنجا مے رویم

(یعنی جو کچھ ہوتا ہے ہونے دو ہم تو وہاں، جہاں ہمارے شاہ کا مقام ہے ضرُور جائیں گے) مترجم کہتا ہے کہ محبّت شیخ کا کِس قدر عُمدہ مظاہرہ ہے۔ جو لوگ بیعت کے بعد اپنے پیرِ طریقت کا مقام و مسکن نہیں دیکھتے انہیں سبق لینا چاہیئے

ملفوظ - ۱۴۴

مشایخ کا ذِکرِ خیر ہو رہا تھا۔ فرمایا "شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی کے کمالات بے حد ہیں۔ وُہ علمِ ظاہر و باطن میں اپنی نظیر آپ ہی تھے"۔ پھر قدرے تبسّم کر کے فرمایا "حضرت شیخ اکبرؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے مکشُوفات اور علّامہ فخر الدین رازیؒ کے معلُومات کی وُسعت کی کوئی حد نہیں ہے۔ علُومِ ظاہری میں فخر الدّینؒ رازی کمال کو پہنچے ہُوئے ہیں"۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت قدس سرّہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندانِ عالی شان کو تعظیم و توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن اگر کسی مسئلہ میں اس خاندان کے افراد سے کچھ تسامح ہُوا تو اس کی پُرزور تردید بھی فرمائی۔ چنانچہ آنجنابؒ کی کتاب "اعلاء کلمۃ اللہ" اس دعویٰ کی بیّن دلیل ہے اور یہی

ایک محقق کی صحیح شان ہے۔ وُہ افراد کو حق سے جانتے ہیں حق کو افراد سے نہیں جانتے۔

ملفوظ ۔ ۱۴۵

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ سجادہ نشین تونسوی کے اَوصاف کا ذِکر شرُوع ہوَا۔ فرمایا کہ خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی نظر میں اہلِ دُنیا کی ذرّہ برابر بھی قدر و وقعت نہ تھی۔ نہایت غریب نواز تھے۔ اُن کی طرح کا دُنیا داروں کو حقیر اَور بے مقدار جاننے والا کوئی درویش نہیں دیکھا گیا۔

مترجم کہتا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ گولڑوی حضرات اپنے مشایخ سلسلہ کے خاندان کی توقیر و توصیف نہیں کرتے، اُنہیں غور کرنا چاہیئے۔

ملفوظ ۔ ۱۴۶

فرمایا "ہمارے خواجہ حضُور سیالوی کی سخاوت اَور کرم اِتنا وسیع تھا کہ جو کوئی بھی اُن کی صُحبت میں حاضر ہوَا اُس پر اُس کی اِستعداد سے زیادہ عنایت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ جس نے بھی ہمارے خواجہ کی زیارت کی اُس کے دِل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ دوبارہ دیدار حاصل کرُوں۔ اَور جس نے نہیں دیکھا وُہ حرمان و اَرمان ہی میں رہا کہ واحسرتا! ایک ہی بار دیدار نصیب ہو جاتا بوقتِ زیارت بیتُ اللہ شریف حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو اہلِ کشف و کرامت بھی تھے از خود نعمتِ باطنی بخشنے کے لیے اس عاجز کی طرف متوجّہ ہُوئے۔ میرے دِل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے اُس کی مثل جہان میں نظر نہیں آتی۔ اُن کے کمالِ اصرار پر میں نے عرض کیا کہ مجھے حاجت تو نہیں لیکن آپ کی اِس عنایت کا جو آپ محض اپنی مہربانی سے فرما رہے ہیں مشکوُر نہ ہونا بھی مناسب نہیں۔ اِس لیے اِس عنایت کو میں اپنے شیخ کی جانب سے سمجھتا ہُوں۔ اِس پر اُنہوں نے بسلسلہ چشتیہ صابریہ اکرام فرمایا"

مترجم کہتا ہے [illegible] ہستی کے متعلق یہ الزام تراشنا کہ وُہ اپنے آپ کو آستانۂ عالیہ سیال شریف کا ممنُونِ احسان نہ سمجھتے تھے کس قدر بے اِنصافی ہے۔

ملفوظ ۔ ۱۴۷

حضرت غوث الاعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ کے اِس قول کی تفسیر میں کہ خضنا فی بحر لم یقف علی ساحلہ الانبیاء (ہم نے اس دریا میں غوطہ لگایا جس کے کنارے پر انبیاء علیہمُ السّلام کو کھڑا ہونا نصیب نہ ہُوا) فرمایا کہ کُتبِ عقائد میں مذکُور ہے ولا یبلغ ولیٌ درجۃ الانبیاء قط (کوئی ولی نبی کے درجہ کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا) آپ کا قول اس کے منافی نہیں۔ بلکہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم کو اتّباع ذاتِ محمّدی حاصل ہونے کا شرف مزید عنایت ہوَا ہے جو انبیاء علیہمُ السّلام کو نہیں ہوَا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاءً علیھمُ السّلام اپنی اُمّتوں کو اپنی اپنی شرع کے مُطابق اللہ تعالےٰ کی طرف بُلاتے اَور اُسی شرع کے مُطابق منکرات کے قلع قمع ہی میں مصرُوف رہے۔ ذاتِ محمّدی کی اتّباع کا شرف صرف ہمیں ہی حاصل ہے۔ یہاں وہم پیدا ہوتا ہے کہ لفظ انبیاء میں آنے والے نبی یعنی مسیح علیہ السّلام بھی شامل ہیں جو ہمارے نبی کریمؐ کے اتّباع سے مشرّف ہوں گے۔ لہٰذا توجیہہ مذکور درست نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیّدنا و سندنا غوثِ صمدانی محبوبِ سُبحانی رضؓ نے اپنے اس قول میں آنے والے متبع نبی کو جو آخر زمان میں

بصُورت افرادِ اُمّت محمّدی نزُول فرمائیں گے شامل نہیں کیا۔ کیونکہ لم یقف بصیغہ انکار ماضی فرمایا ہے نہ انکارِ مستقبل جس کا معنی یہ ہوگا کہ زمانہ گذشتہ میں کوئی نبی اِس بحرِ اتباعِ محمّدی سے مشرّف نہیں ہو سکا۔ لہٰذا مسیح علیہ السّلام کا بعد میں مشرّف ہونا اِس ارشادِ گرامی کے منافی نہیں اور قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ کے متعلق تمام مباحث حضرت قدس سرّہٗ نے کتاب انوارِ قادریہ پر تقریظ کے ضمن میں مفصلاً تحریر فرمائے ہیں جو آپ کے مکتوبات اور فتاوٰی میں شائع ہو چکے ہیں۔

ملفُوظ۔ ۱۴۸

۱۳۲۸ھ جمادی الاوّل کی آخری تاریخوں میں صاحبزادہ السیّد غلام محی الدّین شاہ صاحب مدظلہ العالی کی شادی خانہ آبادی کی تقریب میں عوام کی ایک کثیر جماعت کے علاوہ عُلماء، صُوفیاء اور سجّادہ نشین صاحبان بھی خاصی تعداد میں جمع ہُوئے تھے۔ حضُور قبلۂ عالم کی طبعِ مبارک اُس روز بہت مسرُور تھی۔ اور آپ ہر ایک سے نہایت مہربانی اور دلجوئی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ جو سعادت مند بھی اُس روز آپ کے قریب ہوا۔ آپ کے قرب کی برکت سے بے بہا فوائد سے نوازا گیا۔ محرّر سطور آپ سے ذرا فاصلے پر بیٹھا تھا۔ مگر جو بھی کلمۂ مبارک آپ کی زبان مبارک سے نکلتا وُہ اُسے لکھا جاتا۔ بعض [illegible] نے متعدد بار عرض کیا کہ اِس خوشی کے موقعہ پر اظہارِ مسرّت کے لیے باجہ اور ڈھول بجانے کی اجازت دی جائے۔ [illegible] میں فرمایا کہ مومن کی خوشی اُسی عمل میں ہے جس کے کرنے سے حق سُبحانہٗ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ مقبُول کی رضامندی اور خوشنُودی حاصل ہو نہ ایسا عمل جس سے صرف اُس کا اپنا نفس خوش ہو۔ ڈھول وغیرہ پیٹنے کا مقصد سوائے اِس کے اور کیا ہوتا ہے کہ انسان اپنی عظمت اور بڑائی کا اظہار کرے۔ میرے خیال میں تو وُہ شخص بڑا ہی احمق ہے جو ایسے کام کرنے میں اپنی عزّت سمجھے جس سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ سب مہمانوں کی عُمدہ کھانے سے تواضع کرو۔ میرے والد بزرگوار عفی اللہ عنہم نے دو باتوں کی وصیّت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ اُن کی قبر مسجد کے قریب بنائی جائے اور اُس کے اُوپر کوئی گنبد وغیرہ نہ ہو۔ اور آپ لوگ دیکھ لیں ہم نے اُن کی وصیّت کے مُطابق اُن کی قبر بنائی ہے اور اُس کے اُوپر جو مکان ہے وُہ پہلے سے ہی تھا اور محض قبر کے لیے نہیں بنایا گیا۔ مُلّا علی قاریؒ نے بھی شرح مشکوٰۃ شریف میں حدیث لایبنی علی القبر کی شرح میں لکھا ہے کہ ارادۃً و نیّتۃً قبر پر بنا کرنی منع ہے اور صُورتِ اتفاقیہ اِس نہی سے خارج ہے۔ اور اُن کی دُوسری وصیّت یہ تھی کہ غلام محی الدّین کی شادی خُوب فراخدلی سے کرنا۔ سو یہ انتظام کرنا صرف اس وصیّت کے ایفا کی بنا پر کیا گیا ہے ورنہ مجھے تو ان بکھیڑوں سے کوئی سروکار نہیں بلکہ دل پر بوجھ ہوتا ہے۔ ہمارا فخر بس اِسی میں ہونا چاہیئے کہ ہمارا کام جادۂ مستقیم شریعت محمّدی کے مُطابق ہو۔ لہٰذا لوگوں کی رسُوماتِ مروّجہ مثلاً ڈھول وغیرہ و تنبول و نیندرہ لینے سے ہمیں کچھ تعلّق نہیں۔ اور نہ کوئی شخص نیندرہ وغیرہ دینے کی تکلیف کرے۔ میں نے پہلے بھی سب مخلصین کو اس بات سے منع کر دیا ہے۔ میرے لیے یہی خُوشی کافی ہے کہ چند مُخلص و محبّ اِس کارِ خیر میں جمع ہو گئے ہیں۔ اور یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اِس کام میں دُنیا داروں کی تقلید میں مساکین کو تکلیف مالایطاق دی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی رسموں کو موقُوف کیا جائے۔ جُملہ حاضرین جن کا میرے ساتھ کچھ بھی تعلّق ہے میں اُنہیں یہی نصیحت کرتا ہُوں کہ ہرگز رسُومِ جہالت میں تضیعِ مال و اوقات نہ کریں۔ پھر منہیات میں سے کسی کام کو چھوڑنا [illegible] دو وجُوہ سے ہوتا ہے۔ ایک ابتغاءً لوجہ اللہ یعنی خدا کی رضامندی کے لیے دُوسرے مخالفین کے طعنوں کے خوف سے [illegible] موُجب ثواب ہے اور دُوسری نفاق۔ اور منافق ہونے سے فاسق ہونا اچھا ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ ہر کام میں اخلاص برتے تاکہ [illegible] پائے۔ اور رضائے مولا حاصل کرے۔ اُسے زید و عمر سے کچھ غرض نہیں ہونی چاہیئے اور نہ کسی کا ڈر اور پرواہ۔

اِس موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا کہ شادی کے موقعہ پر عورتوں کے گانے میں کیا حرج ہے اِحادیث میں مدینہ منورہ میں رسُول اللہ کے حرم شریف میں [illegible] یا کے دن عورتوں کا رِجز کہنا ثابت ہے۔ حضرت صدّیقِ اکبرؓ نے ان کو منع کیا تھا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اِجازت دے دی تھی۔

اِس کے جواب میں فرمایا "عُلماء سے پُوچھنے اور تفسیروں میں دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ آیتِ پردہ اِس واقعہ کے بعد نازل ہُوئی۔ دُوسرا جو کچھ وُہ عورتیں پڑھتی تھیں وُہ آج کل کی عورتیں نہیں پڑھتیں۔ وُہ رِجز میں پڑھتی تھیں لاشك انت محمدؐ جس کا معنی شہادت وتصدیقِ رسالت ہے۔ اِس کے برعکس آج کل کی عورتوں کے گانے سے رغبتِ شہوات اور فواحشات پیدا ہوتی ہے۔ خداوند تعالےٰ ایسی رسُومات سے پناہ دے۔"

مترجم کہتا ہے کیا پُرحکمت وموعظت ارشادات ہیں۔ اللہ تعالےٰ آنجنابؒ کے صدقے ہمیں ان پر عمل کی توفیق بخشے۔

قبر پر عمارت بنانے اور مزاراتِ اولیائے کرام پر پھُول وغیرہ رکھنے کے متعلق علاّمہ شامیؒ کے اُستاذ علاّمہ نابلسیؒ کا رسالہ "کشف النُّور" قابلِ دید ہے۔ حضرت قدس سرّہٗ کا یہاں ملّا علی قاریؒ کی عبارت نقل کرنے سے مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ اِس بناء سے بھی وصیّت کی مخالفت لازم نہیں آتی مُطلقاً عدمِ جواز مُراد نہیں۔

ملفُوظ - ۱۴۹

محرّرِ سطُور نے عرض کیا کہ کیا کتاب "شجرۃ الکون" حضرت شیخ محی الدینؒ ابن العربی کی تصنیفات سے ہے؟ فرمایا "بے شک یہ اُن کی تصنیف ہے اور یہاں بھی دستیاب ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سیرِ عالم کو دَوری کہتے ہیں۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہے اِس رسالہ میں حضرت شیخؒ نے اِس مسئلہ پر بہت سی تمثیلات بیان فرمائی ہیں۔" محرّرِ سطُور حضرت قبلۂ عالمؒ کے فرمان کے مُطابق اِس کتاب کی کچھ عبارت یہاں نقل کرتا ہے۔ فوجد کل موجود دائرًا فی دائرۃ الکون واحد من نار وواحد من طین ثم رأی هذه الدائرة [illegible] ما دار واستدار وحیثما طار واستطار فالیها یؤل وعلیها یحول ولا یزول عنها ولا یحول فوآحد شهد کاف الکمالیة ونون المعرفة وواحد شهد کاف الکفر ونون النکرة فهو علی حکم ما شهد راجعٌ الی نقطة دائرة کنۡ فاذا نظرت الی اختلاف اغصان شجرة الکون وانواع اثمارها علمت ان اصل ذلك ناشئ من حبة کن بائن عنها۔ الی ان قال۔ ثم جعل الدنیا مستودع زهرتها والاخرة مستقر ثمرتها واحاط علی هذه الشجرة حائط احاطة القدرة وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ مُّحِيۡطٌ وادار علیها دائرة الارادة يَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ۔ فلما ثبت اصل هذه الشجرة وثبت فرعها التقی طرفاها ولحق اُخرها باولها اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰهَا۔ ومبتداها الان من کان اوله کن کان اٰخره یکون فهی وان تعددت فرعها وتنوعت زروعها فاصلها واحد وهی حبة کلمة کنۡ وسیکون اٰخرها واحد وهی کلمة کنۡ۔ الی ان قال الرابع المقام المشهود مقام قاب قوسین لرؤیة معبود ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى الاٰیة فهو المخصوص بالدنو والعلو والشهود اذ کان هو المقصود من الوجود لان الوجود لما کان شجرة کان هو ثمرتها وکان جوهرتها فالشجرة الثمرة انما تثمر بالحبة التی ینبت بها اصلها فاذا غرست

تلك الحبة وغذيت وربيت حتى نبتت وفرعت واورقت واهتزت واثمرت فاذا نظرت الى تلك الشجرة رأيتها فى تلك الحبة التى نبت منها هذه الشجرة فالحبة فى البداية نطفة حتى اظهرت صورة تلك الشجرة والشجرة فى النهاية اظهرت صورة تلك الحبة فكذالك بطونه صلى الله عليه واٰله وسلم فى المعنى السابق واختفاؤه وظهوره فى الصورة فى اللاحق واشتهاره وهو معنى كنت نبيا واٰدم بين الماء والطين فكان هو مظهر معنى هذه الشجرة وهو مظهر صورته صلى الله عليه واٰله وسلم فما برح بلسان القدم مذكورا وفى طى العدم منشورا وامثال ذلك الامثال تاجر عمد الى فراشه وبزه فطواه فى خزانة ملكه وعباه اثوابا بعضها فوق بعض فاول ثوب دججه وطواه هو اٰخر ثوب اظهره وابداه كذالك سيدنا صلى الله عليه واٰله وسلم كان اولا من الكل وجودا واٰخرهم ظهورا وخروجا فلما تولى مقصار القدر سياسية هذا الغصن النبوى فغذاه بلباب برّه وسقاه بكاس محبته حتى اهتزت وتفرعت نفخات شذره فكانت تلك النفخات غذاء ارواح العارفين ونور بصائر المؤمنين وريحانة حضرة المحبين وعرصة مجمع العاصين وغياث مستسقى المذنبين الخ

ترجمہ۔ پس ہر ایک موجود دائرۂ کون میں دائر ہے۔ کوئی نار سے کوئی طین سے۔ پھر یہ دائرہ کُن کے سرائر پر دیکھا گیا جس طرح وُہ پھرائیں پھرتا ہے اور جہاں وُہ اُڑائیں اُڑتا ہے پس اُن کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اور اُن پر پھرتا ہے اور اُن سے نہ زائل ہوتا ہے نہ ہٹتا ہے۔ پس کسی نے تو کاف کمالیت اور نُون معرفت کا مشاہدہ کیا۔ اور کسی نے کاف کُفر اور نُون انکار کو دیکھا۔ پس ہر ایک موجود اپنے اپنے مشہود کے سمیت دائرہ کُن کے نقطہ کی طرف راجع ہے پس اے دیکھنے والے جب تو شجرۃ الکون کی شاخوں کے اختلاف اور انواع اثمار کو دیکھے تو جان لے کہ اس درخت کا اصل حبہ (تخم) کُن سے پیدا ہُوا اور نکلا ہے۔

پھر شیخ نے کہا۔ دُنیا کی زہرۃ (تروتازگی) مستودع کی گئی۔ اور آخرت کا ثمرہ مستقر کیا گیا۔ اور اس درخت (شجرۃ الکون) پر قدرت نے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ کی دیوار محیط کر دی۔ اور اس پر یَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ کا دائرہ ارادہ پھیر دیا۔ پس جب اس درخت کا اصل اور شاخیں ثابت ہوئیں۔ اس کی دونوں طرفیں مل گئیں۔ اور اس کی طرفِ آخر پہلی طرف سے لاحق ہو گئی۔ اس کی مبتدا اور منتہا ربِ حقیقی کی طرف ہُوئی کیونکہ جس کا اوّل کُن ہو اُس کا آخر یکون ہوتا ہے پس وُہ درخت اگرچہ اس کی شاخیں متعدد ہُوئیں۔ اور انواع واقسام کے اثمار دیئے لیکن اصل ان سب کا ایک ہی ہے اور وُہ ہے کلمہ کُن کا حبہ (تخم) اور اس کا آخر بھی ایک ہی ہو گا۔ اور وُہ یکون کا کلمہ ہے۔

پھر حضرت شیخ نے کہا۔ رؤیت معبُود کے لیے چوتھا مقام مشہُود مقامِ قاب قوسین ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی۔ الآیۃ۔ پس وُہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرب اور بلندی اور شہُود کے لیے مخصُوص ہیں۔ جب وجُود سے مقصُود بھی وُہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور وجُود جب درخت ہوا تو وُہی اس کا ثمر اور وُہی اس کا اصل اور جوہر ٹھہرے۔ کیونکہ میوہ دار درخت سے وُہی پھل لگتا ہے جس سے اُس کا اصل اُگتا ہے۔ سب سے پہلے حبہ (تخم) لگایا گیا۔ پھر اُسے غذا دی گئی۔ اور اس کی تربیت کی گئی تا آنکہ وُہ اُگ آیا۔ اور اُس نے شاخیں اور پتے نکالے اور تازہ و بارونق ہُوا۔ پھر اُس نے ثمر دیا۔ پس اگر تو [illegible] درخت میں نظر کرے تو اس کو اس تخم میں دیکھے گا جس سے وُہ درخت پیدا ہُوا ہے یعنی تخم ابتدا میں نطفہ ہے۔ پھر اس نے درخت کی صُورت ظاہر کی اور

درخت نے اپنی نہایت میں بھر تخم کی صورت ظاہر کی (اور جب یہ مثال سمجھی گئی تو) ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بطون اور اختفاء معنیٰ سابق میں ہے اور آپ کا ظہور صورت میں اور اشتہار لاحق میں یہی معنیٰ ہے کنت نبیاً وادم بین الماء والطین کا یعنی میں نبی تھا درحالیکہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں تھے۔ پس وُہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس درخت کے مظہر معنیٰ ہُوئے۔ اور وُہ درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مظہر صورت ہوا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم زبان قدم میں مذکور اور طی عدم میں منشور رہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تاجر نے اپنے بزازی کپڑوں کو لپیٹنا شروع کیا۔ کپڑوں پر کپڑے لپیٹتا گیا۔ پس کھولنے کے وقت جو کپڑا سب سے پہلے لپیٹا تھا۔ وُہ سب سے آخر میں کھلے گا۔ ایسا ہی ہمارے سیّد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہر وجود سے پہلے ہیں لیکن خروج اور ظہور میں آخر ہیں پس جب مقصادِ قدرت نے اس شاخ نبوی کی طرف توجّہ کی۔ تو لباب بر سے اس کو غذا دی اور کاس محبّت سے اس کو پلایا۔ تاآنکہ اس شاخ کی نفحات نے رونق پکڑی اور شاخیں نکالیں۔ پس وُہ نفحات ارواح عارفین کی غذا، بصائر مومنین کا نُور، حضرات المحبّین کی خوشبو، میدان حاضری میں مجمع عاصین کا سہارا اور گناہگاروں کے لیے فریادرس ہُوئیں۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرت شیخ کا یہ کلام نہایت عمیق ہے اور حال سے متعلق ہے۔

ملفوظ۔ ۱۵۰

ایک دن علاقہ گھیبی سے دو آدمی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور مسئلہ خلافتِ خلفاء اربعہ میں تحقیق طویل بطور استفسار شروع کر دی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں شیعہ عقیدہ کے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اصحابِؓ ثلثہ کے حق میں زبانِ طعن کھولنا اچھا نہیں ہے۔ ان بزرگواروں نے جس طرح دینِ اسلام کی اعانت اور خدمت کی وُہ تاریخ اور سیرت جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ تاریخ نویس کو مذہب کی حمایت کا خیال نہیں ہوتا۔ تاریخ نگاری میں صرف واقعاتِ حقیقت مدِنظر رکھے جاتے ہیں اور کوئی واقعہ چھپایا نہیں جاتا۔ اس کے برعکس اہلِ تحقیق خلافت کو کتاب وسُنّت سے امرِ موعود و معہود دیکھتے ہیں۔ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (ترجمہ:۔ اللہ نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے وعدہ فرمایا ہے کہ اُنہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء بہت سے ہونے تھے نہ صرف ایک۔ ھم ضمیر کی جمع ہے۔ اور اسی کے مطابق واقعات ظہور میں آئے۔ چنانچہ حدیث "الخلافة من بعدی ثلاثون سنة"[1] سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے۔ اگر ابتدائے خلافت مولینا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقرر ہوتی اور شیخینؓ ان کے مُعین ومشیر ہوتے تو اچھا ہوتا اور اگر صدّیق اکبرؓ خلیفۂ اوّل ہُوئے اور مولیناؓ بحکم رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ اُن کے مُعین ہُوئے تو بھی اچھا ہوا لیکن خلافت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

پھر ان ہر دو نے عرض کیا کہ حضرت علیؓ علم میں افضل تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا "بے شک مولینا علیؓ کا علم شمعِ رُوحانیّتِ محمّدی سے مقتبس ہے اور نبی کا علم الوہیّت سے لیکن اس بات سے خلافتِ اولیٰ کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی خلفاءؓ ثلثہ کی عدم قابلیّت ثابت ہوتی ہے۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (اللہ تعالےٰ نے ہر امر کے لیے

---

[1] خلافت میرے بعد تیس ۳۰ سال ہوگی۔

ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے) انتظامی سیاست کے امور اور تدابیرِ حرب میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جو کام اُنہوں نے کیا وُہ بلحاظِ انتفاعِ اسلام و مسلمین قابلِ تعریف و تحسین ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ شیخین رضی اللہ عنہما نے اپنی وفات کے وقت خلافت کو اپنی اولاد کے سپرد نہیں کیا۔ اور نہ کسی کو اُن کی بیعت کا امر فرمایا باوجودیکہ اُن کی اولاد بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ بیت المال و غنائم کے خرچ کرنے میں بھی ہرگز متہم نہیں ہوئے۔ اپنی معاش دُوسروں کی طرح رکھتے تھے۔ سادہ کپڑے پہنتے اور رؤسائے عجم کی طرح کا لباس کبھی ان کا معمول نہ ہوا۔ پس ایمان صحیح ان کے اتہام پر فتویٰ نہیں دیتا۔ خلافتِ مرتضویؓ کا سب سے آخر میں ہونا موجبِ تقصیرِ شان نہیں ہے بلکہ فضیلت ہے۔ دیکھو کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مرتبۂ ظہور میں سب انبیاءؑ سے آخر ہیں۔"

پھر ان ہر دو نے قضیۂ فدک کا ذکر عرض کیا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ فدک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا تصرّف بظاہر مالکانہ ہیئت سے معلوم ہوتا ہے لیکن حیاتِ طیّبہ میں ہرگز دعویٰ ملکیّت نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی فوائدِ فدک کو محض اپنے گھر تک محدود رکھا جس سے ملکیّت ظاہر ہو۔ بلکہ مساکین و اہلِ بیت و قرابت اور مہمانوں پر فدک ہی سے خرچ فرماتے تھے۔ پس صحابہ کرامؓ پر یہ امر ظاہر نہیں ہوا تھا کہ یہ تصرّف شریف ملکیّت کا تھا یا مثل تصرّف واقف کے وقف پر یا تصرّف حاکم کا بیت المال پر۔ لہٰذا بمقتضائے مصلحت اسی امر کو انسب خیال فرمایا کہ فدک کی صورت اسی طرح رہے جیسا کہ عہدِ نبویؐ میں تھی یعنی اس کی آمدنی انہیں مصارف پر صرف کی جائے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم صرف فرماتے تھے۔ اور اسے کسی کے قبضہ میں نہ دیا جائے۔ تاکہ وضع خلل پذیر نہ ہو۔ شیخین رضی اللہ عنہما فدک کو ہرگز اپنے تصرّف و قبضۂ ملک میں نہیں لائے۔ نہ وُہ اپنے زمانۂ حیات میں یا بعد وفات اُس سے منتفع ہوئے۔ اس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ اگر اہلِ بیت ہی کو اسی طرح صرف کرنے کی اجازت دی جاتی تو کیا حرج تھا۔ فرمایا اُس کا جواب میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ کہ ایسے اُمور کا انتساب اپنی طرف کرنا خلافت کا مقتضیٰ ہے تاکہ انتظام و انصرام میں خلل پیدا نہ ہو۔"

اس بیان کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا "ہو سکتا ہے صحابہ کرام سے کوئی اجتہادی قصور یا خطا ظاہر ہوئی ہو یا باہمی منازعت نے ان کے درمیان صورتِ کشیدگی پیدا کی ہو لیکن واجب العصمت تو صرف ملائکہؑ اور انبیاءؑ ہیں نہ صحابہ کرامؓ۔ اُن کے اس باہمی اختلاف کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہمیں تو نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی ہم سے سوال ہو گا کہ تم نے فیصلہ کیوں نہیں کیا۔ اور نہ ہم اُس وقت اور موقعہ پر حاضر تھے۔ اور نہ ان کے تنازعہ کے درمیان بولنا ہمیں زیب دیتا ہے۔ حسنات سے سیّئات مٹ جاتی ہیں۔ آپ نے نہیں سُنا کہ جب حضرت عمرؓ سے اُن کے فرزند نے سوال کیا کہ تقسیم میں میرا حصّہ حضرت حسنؓ کے مساوی کیوں نہیں رکھا گیا تو اُنہوں نے جواب میں فرمایا کہ حسنؓ کے باپ جیسا باپ اور حسنؓ کی ماں جیسی ماں اور حسنؓ کے نانا جیسا نانا پیدا کر تاکہ حصّہ میں اس کے ساتھ مساوی ہو۔ لیکن جب بنو اُمیّہ کی نوبت آئی اور حکومت کی مہار اور نفاذِ امر ان کے ہاتھ میں آئے تو ظاہری و معنوی ہر دو صورت درہم برہم ہو گئیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔"

محرر سطور کہتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا عقیدہ محققین متقدّمین کے عقائدِ صحیحہ معتبرہ متواترہ کے مطابق ہے۔ اہلِ بیتؓ کی محبت جزوِ ایمان اور رکنِ عرفان ہے۔ بعض لوگ نادانی سے مضامینِ محبت کو تشیّع پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہ طبع [illegible] کی آفت ہوتی ہے چنانچہ رسالدار میجر علی حیدر خان نقشبندی جو صوفی اور متقی شخص ہیں۔ انہوں نے ایک دن ذکر کیا کہ کسی شخص نے [illegible] سے کہا ہے کہ حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب تشیّع کی جانب میل کرتے ہیں۔ جب اُنہیں حضور قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی تمام حالت اور [illegible] حقیقتِ عقیدۂ صحیحہ متقدّمین سے آگاہ کیا گیا تو کہنے لگا الحمد للہ کہ اصل معاملہ سے آگاہی ہوئی۔ خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں سے بچائے کہ جن کی نظریں کوتاہ ہوتی

ہیں۔ اور واقعات کی اصل حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

ملفوظ۔ ۱۵۱

مترجم نے قبلہ باؤجی سے سُنا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ نے ایک موقعہ پر اثنائے درس فرمایا کہ حضرات خُلفائے اربعہؓ کی خلافت کی حقیقت اور ترتیب آیت استخلاف وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ الخ سے صراحۃً ثابت ہے۔ اور آیت ذیل سے بطریق اشارۃ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ پھر بطور تشریح فرمایا کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ میں حضرت صدیق اکبرؓ اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ میں حضرت فاروق اعظمؓ اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ میں حضرت عثمان غنیؓ اور تَرٰھُمْ سے آخر تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ مذکورہ صفات بترتیب مذکور ان حضراتؓ میں نمایاں تھیں۔ یعنی حضرت صدیقؓ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی معیت و صُحبت۔ حضرت فارُوقؓ میں کفار پر سختی۔ حضرت عثمانؓ میں رحم و حلم اور حضرت علیؓ میں ذوق و شوق عبادت و ذکرِ الٰہی اور خشوع و خضوع۔ سُبحان اللہ کس قدر اسرارِ قرآن کی معرفت ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آپ اُسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا۔

حضرتؒ کا ایک اہم مکتوب

مکتُوب ذیل جو حضورِ اقدسؒ نے مسمّی فقیر الٰہی بخش مدرّس عربی قریہ دادو نونی ضلع مُلتان ڈاک خانہ تحصیل شجاع آباد کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ ملفُوظِ سابق کی مناسبت کی بناء پر یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

تیمنا بذکرہ الاعلٰی

اسولۃ الشیعۃ علی اھل السنۃ والجماعۃ

مورخہ ۷۔ رجب ۱۳۳۰ھ

چہ مے فرمایند عُلمائے کرام و فضلائے عظام حفّاظِ حدیثِ خیر الانامؐ اندریں مسائل مفصّلۃ الذّیل:۔

۱۔ آیا بُودن ائمہ اثنا عشر بعد سیّد الجنّ والبشر باصحاح اخبار اخیار ثابت یا غیر ثابت و بر تقدیر اوّل مُراد خلفاء مع الاُمراء یا اشخاص دیگر و بر تقدیرین اسامی دوازدہ مرادہ مفصّلاً از کُتب سیر معتبرہ مرقوم فرمایند۔

۲۔ از امام ثانی یعنی حضرت حسنؓ تا حضرت مہدی علیہ السّلام کلہم ملقب بہ لفظِ امامت مشہور فیما بین الجمہور اند آیا اطلاق لفظ مذکور بریں اہل طہور صحیح یا نہ و بر تقدیر اوّل، چرا ائمہ حقّہ ایشاں را قرار دادہ نہ شُد۔ و بر تقدیر ثانی، کدام ائمہ اہل سنّت و جماعت اند بسندات قویہ تحریر فرمایند۔

۳۔ تقیہّ کہ مذہب اہلِ شیعہ است نزدِ اہلِ سُنّت والجماعت مسلّم است یا نہ۔ و بر تقدیر ثانی چرا رسُول اطہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم در غار ثور تقیہّ فرمُودہ بُودند۔ اجوبہ جمیع اسولہ محقّقہ معقولہ و منقولہ عاجلاً عطا شوند کہ بندہ کاتب الحرُوف در پنجۂ اہلِ تشیع شنیع گرفتار آمدہ جماعت کثیرہ منتظر اجوبہ اند۔

الجواب وھوالملھم للصواب

۱۔ بُودن ائمہ اثناء عشر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باخبارِ صحاح ثابت۔ چنانچہ در بُخاری بروایتِ جابر بن سمرہؓ آمدہ۔ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون اثنا عشر امیراً فقال کلمۃ لم اسمعھا فقال ابی انہ قال کلھم من قریش ودر روایت سفیان بن عینیہؓ لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلاً۔ ودر روایتِ ابی داؤدؓ۔ ولایزال ھذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃً کلھم تجتمع علیہ الامۃ وطبرانیؒ بلفظ لایضرھم عداوۃ من عاداھم وحاکمؒ از ابی جحیفہؓ بلفظ لایزال امر اُمتی صالحاً حتیٰ یمضی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من القریش۔

۲۔ ومراد خلفاء اربعہ ومن بعدہم ہستند لکن لامطلقاً۔ بلکہ کسانیکہ اِسلام در عہدِ اوشان صُورتِ اعزاز وقیام پذیرفتہ۔ چہ خلافت عبارت است از ریاستِ عامہ برائے اقامتِ دین از احیاءِ علومِ دینیہ وقیام بالجہاد وقضا ورفع مظالم بطریق نیابت از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ ومستحق ایں نیابت ارامتِ مرحُ [illegible] ہستند کہ جوہرِ نفسِ اوشان قریب بہ جوہرِ نفسِ انبیاؑ مخلوق شُدہ۔ پس جامع باشند صُورتِ خلافت یعنی ریاست عامہ ومعنے اورا یعنی قرب بنفوس انبیاء مثل خلفائے اربعہ علیہمُ الرّضوان۔ فرق ایں قدر ہست کہ در عہدِ خلفائے ثلثہؓ نفاذِ تصرّف واجتماعِ مسلمین علیٰ سبیل الکمال صُورت پذیرفتہ۔ ودر عہدِ مُرتضویؓ معنے کامل یعنے قرب بنفُوس انبیاء بود، وصُورت ناقص یعنے ریاستِ عامہ واجتماعِ مسلمین مثل زمانۂ خلفائے ثلثہؓ نبُود۔ باز صورت باقی ومعنے بروجہ اتم مفقوُد۔ چنانچہ در زمانہ امیر معاویہؓ ودر حدیث (ھدنۃ علی دخن) ہمیں معنی دارد۔ باز تدریجاً تدریجاً خلافتِ جابرہ یا دعوت برابواب جہنم کما جاء فی الحدیث پیدا گشت۔ باز انقلاب زمانہ حسب مشیّتِ ایزدی رنگِ تشبیہ بخلافتِ راشدہ بظہور آمد چنانچہ خلافتِ عمر ابنؓ عبدالعزیز۔ الحاصل خلافت مجمُوع امرین رامے گویند ریاستِ عامہ وتشبہ بالانبیا علیہمُ السّلام۔ وگاہے مجازاً بر ہر یکے از دو امر نیز اطلاق کردہ شود۔ ومُراد از حدیث مذکُور یعنے اثناء عشر امیراً او خلیفۃً مطلق خلافت است، در صُورتِ مجمُوع امرین باشد یا در رنگ یکے ازاں ہر دو۔ چنانچہ در حدیث الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃً۔ خلافتِ خاصہ کاملہ مُراد است نہ مُطلقہ۔ وکسے را از فریقین سُنّی وشیعہ شکے نیست در حصُول معنے خلافتِ خاصہ یعنے تشبہ بالانبیاء وتقدس مر دوازدہ ائمہ علیہمُ الرّضوان را تا مہدی علیہ السّلام۔ پس از رُوئے حصُول معنے ممکن است کہ مراد داشتہ شوند در حدیث مذکور، لیکن فقدان ریاست عامہ وخصوص تعبیر بعنوان (کلھم من القریش) نہ بہ (کلھم من بنی ھاشم) مؤید احتمال اوّل است۔ وآیتِ کریمہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ افادہ تعین احتمال اوّل مے بخشد۔ گو محُ[illegible] باشد لیکن تمکین وتبدیل تا بعہدِ عثمانؓ کما لایخفیٰ علی الماہر۔ لیکن بریں تقدیر تعین دوازدہ بقید اسامی بعد خلفائے اربعہ مصرح [illegible]ست۔ ضروری ہمیں قدر کہ تا قیامِ قیامت ایں عدد دوازدہ تمام خواہد شُد۔

۳۔ اطلاق لفظِ امام بلحاظِ بطُونِ خلافت نزد اہلِ سُنّت وخصُوص معنی مصطلح علیہ عند الشیعہ بر ائمہ اہل بیت علیہ السّلام صحیح وجائز است۔

عندصاحبہ غیر اوشاں را نہ گرچہ بلحاظ مقتدائے دین بُودن امام گفتہ شود۔ اما خصُوصیاتِ مختصہ بنفوسِ قدسیہ اوشان محصُور و محدُود اند در ذواتِ مقدّسہ اوشان علیہم الرضوان۔

۴۔ تقیہ عنداہلِ سنّت غیر مسلّم۔ و در غار تقیہ نبود۔ چہ تقیہ عبارت است از اخفائے چیزے کہ امر کردہ شدہ است بہ تبلیغ آں را۔ نہ از مختفی و پوشیدہ شدن شخص۔ بلکہ ایں اختفاء و پوشیدگی در غار برائے ہجرت و اظہار ما اُمر بتبلیغہٖ بُود۔ فی الجملہ تقیہ شیعہ بداں ماند کہ شخصے را قاضی و فیصلہ کنندہ گردانیدہ شود و معہذا مامور باشد بہ خاموشی و عدمِ تکلّم۔ و فساد ایں معنے بر ہر ذی بصیرت پیدا و ہویدا است۔ والسّلام

الراقم داعی مہر علی شاہ از گولڑہ بقلم خود

ترجمہ

چند سوالات بابت شیعہ اَور اُن کے جوابات

مورخہ ۷۔ رجب ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں عُلمائے کرام و فضلائے عظام حفاظِ حدیثِ خیر الانامؐ مسائل مفصّلہ ذیل میں :-

۱۔ کیا سیّد الجنّ والبشرؐ کے بعد ائمہ اثنا عشر (بارہ امام) کا ہونا اخبارِ اخیار صحیحہ سے ثابت ہے یا غیر ثابت۔ اگر ثابت ہے تو کیا اُن سے مُراد خُلفاء مع الامراء ہیں یا اَور اشخاص۔ دوازدہ امام مقصُودہ کے اسماء مفصلاً کُتبِ معتبرہ سیرت سے مرقُوم فرماویں۔

۲۔ امامِ ثانی یعنی حضرت امام حسنؓ سے لے کر حضرت مہدی علیہما السّلام تک سبھی کے نام کے ساتھ "امام" کا لقب جمہُور میں مشہُور آتا ہے۔ کیا اِس لفظ کا اطلاق ان پاک لوگوں پر صحیح ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ان کو ائمہ برحق کیوں قرار نہیں دیا جاتا۔ اَور صحیح نہ ہونے پر کون سے ائمہ اہلِ سنت و جماعت والا اعتقاد رکھتے ہیں، بہ سندات قویہ تحریر فرمائیں۔

۳۔ تقیہ، جو اہلِ شیعہ کا مذہب ہے، کیا یہ اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک مسلّم ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غارِ ثور میں کیوں تقیہ فرمایا تھا۔ سب سوالات کے جواب عقلی نقلی محقق طور پر بہ تعجیل عطا فرماویں کہ بندہ کاتب الحرُوف اہلِ تشیع تشنع کے پنجہ میں گرفتار ہے اَور جماعتِ کثیرہ جوابات کی منتظر ہے۔

الجواب وھو الملھم للصواب

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد بارہ اماموں کا ہونا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ بُخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے حضُور علیہ السّلام سے سُنا کہ بارہ امیر ہوں گے (اگلا کلمہ وُہ نہ سُن سکے تو اُن کے والد نے بتایا کہ آپؐ نے فرمایا) وُہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

سفیان بن عینیہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اُن پر بارہ آدمی حاکم ہوں گے۔"

ابُو داؤدؒ کی روایت میں ہے کہ یہ دین بارہ خُلفاء تک غالب رہے گا۔ اَور دُوسری روایت میں ہے کہ یہ دین قائم

رہے گا۔ یہاں تک کہ تم پر بارہ خُلفاء مقرر ہوں گے جن پر ساری اُمّت متّفق ہو گی طبرانی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اُنہیں دُشمن کی عداوت ضرر نہیں پہنچائے گی۔ اور حاکمؒ نے ابی جحیفہؓ سے نقل کیا ہے کہ میری اُمّت میں بارہ خُلفاء قریش سے ہوں گے جن کے زمانہ میں دین معزّز ہو گا۔

۲۔ اِن سے مُراد خُلفاء اربعہؓ اور اُن کے بعد آنے والے وُہ خُلفاء ہیں جن کے زمانہ میں اِسلام کو اعزاز و قیام حاصل ہوا کیونکہ خلافت کا معنی وُہ ریاستِ عامہ ہے جو حضُور علیہ السّلام سے بطور نیابت حاصل ہو۔ اور جس کا مقصد اقامتِ دین، احیاء علُومِ دینی، ادائے فریضۂ جہاد اور رفعِ مظالم وغیرہ ہو۔ اِس نیابتِ نبوی کا مستحق وُہی شخص ہو سکتا ہے جس کا جوہرِ نفس انبیاء کے جوہرِ نفس کے قریب ہو۔ پس اُسے صُورتِ خلافت یعنی ریاستِ عامہ اور معنیٔ خلافت یعنی قُربِ انبیاء دونوں کا جامع ہونا چاہیئے جیسا کہ خلفاء اربعہ علیہم الرضوان تھے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ خُلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں صُورتِ خلافت یعنی ریاستِ عامہ اور اجماعِ مُسلمین بدرجۂ اتم موجُود تھا۔ اور عہدِ مُرتضویؓ میں اگرچہ معنیٔ خلافت یعنی قُربِ نبوی بدرجۂ کمال تھا لیکن ریاستِ عامہ اور اجتماعِ مُسلمین خُلفاء ثلاثہؓ کے دور کی طرح نہ تھا۔

خُلفائے اربعہ کے بعد خلافت کی صرف صُورت ہی باقی رہی اور معنی بالکل ختم ہو گیا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت چنانچہ حدیث شریف میں ھدنۃ علیٰ دخن (یعنی صلح برفساد) کے جو الفاظ وارد ہیں اُن کا یہی مفہوم ہے اِس کے بعد سلسلۂ خلافت بالکل جبری حکومت اور دعوت الی جہنّم تک پہنچ گیا لیکن مشیّتِ ایزدی کے تقاضہ سے پھر ایک ایسا انقلاب رُونما ہوا جس میں خلافتِ راشدہ کی جھلکیاں اور تابانیاں نظر آنے لگیں۔ یہ مُبارک دور حضرت عُمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ خلافت، ریاستِ عامہ اور مشابہتِ انبیاء علیہ السّلام کا مجمُوعہ ہے۔ البتّہ گاہے گاہے مجازاً ان دو اُمور میں سے ایک پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں اثناء عشرًا امیرًا او خلیفۃً (بارہ امیر یا خلفا) سے مُراد مُطلق خلافت ہے خواہ وُہ دونو معنی کا مجمُوعہ ہو یا اُس میں ایک ہی رنگ پایا جائے۔ اور الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃً (میرے بعد تیس۳۰ سال خلافت ہو گی) والی حدیث میں صرف خلافتِ خاصہ کاملہ مُراد ہے۔ سُنّی وشیعہ دونوں فریق اس بات پر متّفق ہیں کہ بارہ امامانِ اہلِ بیتؓ میں خلافتِ خاصہ اور مشابہتِ انبیاء والا معنی پایا جاتا ہے۔ اِس لئے معنیٔ خلافت کے پیشِ نظر ممکن ہے وُہ اِس حدیث کے مصداق ہوں لیکن ریاستِ عامہ کا فقدان اور الائمہ کلھم من بنی ھاشم کے بجائے کلھم من قریش کے الفاظ کا فرمانا اِس احتمال کا مؤیّد نہیں۔ (یعنی اگر حدیث میں بارہ امامین اصطلاحی طور پر مُراد ہوتے تو ایک تو ریاستِ عامہ کا ذکر نہ ہوتا۔ دُوسرے الفاظ کلھم من القریش کی تعمیم نہ ہوتی بلکہ کلھم من بنی ھاشم کی تخصیص ہوتی۔ مترجم) اسی طرح آیۃ استخلاف (وَعَدَ اللّٰہُ الخ) بھی پہلے احتمال (یعنی خلفاءِ اربعہ و مابعدھم) کی مؤیّد ہے گو محدُود۔ چُنانچہ تمکین اور حصُولِ امن حضرت عثمانؓ کے عہد تک ہی مسلّم ہے۔ باقی رہی بارہ ناموں کی تعیین تو خلفاءؓ اربعہ کے بعد اس کی تصریح نہیں ملتی۔ البتّہ اتنا ضرور ہے کہ قیامت سے قبل بارہ کا عدد پُورا ہو جائے گا۔

۳۔ اہلِ سنّت کے نزدیک خلافت کے باطنی مفہوم کے لحاظ سے اور اہلِ شیعہ کے نزدیک اصطلاحی معنی کے لحاظ سے امام کے لفظ کا اطلاق ائمّہ اہلِ بیت علیھمُ السّلام پر صحیح اور جائز ہے۔ ان حضراتؓ کے علاوہ دُوسرے حضرات دینی پیشوا ہونے کی بناء پر امام کہلاتے ہیں۔ ورنہ اُن حضرات کی خصُوصیاتِ مختصہ اُنہی تک محدُود ہیں۔

۴۔ اہلِ سُنت کے نزدیک تقیہّ غیر مسلّم ہے۔ غار میں تقیہّ نہیں کیا گیا کیونکہ تقیہّ کا معنی ہے ایسی چیز کا چھپانا جس کی تبلیغ کا حکم کیا گیا ہو کسی اِنسان کے پوشیدہ ہونے کو تقیہّ نہیں کہتے۔ بلکہ غار میں حضور علیہ السّلام کا چُھپنا ہجرت اور دینی تبلیغ کے اظہار کے پیشِ نظر تھا۔ فی الجُملہ شیعہ حضرات کے تقیہّ کی مثال یہ ہے جیسے ایک آدمی کو پہلے قاضی اور فیصل مقرر کیا جائے اور پھر اُسے خاموشی کا حکم دیا جائے۔ اور اُس معنی کا فساد کسی صاحبِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

(الراقم داعی مہر علی شاہ از گولڑا بقلم خود)

ملفوظ۔ ۱۵۲

ایک روز حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ بعد ادائے اورادِ ضحیٰ تشریف فرما تھے۔ محرر سطور حاضر خدمت ہوا حضرت شیخ المشائخ خواجہ فریدُالدّین گنج شکرؒ کا مکتوب شریف بجانب حضرت سُلطان المشائخ خواجہ نظام الدین قدس سرّہ العزیز جو مجھے قلمی کتب خانہ سے ملا تھا تبرّکاً خدمت میں پیش کیا۔ جب حضرتؒ نے اِس نامہ عطر شمامہ کو دیکھا بہت ہی خوش ہُوئے۔ فرمایا "بہت مبارک۔ بہت مبارک"

مکتوب شریف یہ ہے:۔

"عزیزِ من ہر کہ راتوسن نفس بدلجامی کند باید کہ لجام کلمہ شب و روز در دہاں بدارد۔ و قائزِ صوم دادہ و دست کلۂ دین و پس کش یقین در دست و پا انداختہ بمیخ شغل استوار ساختہ در طویلۂ مسجد بہ بندد کہ بُوئے مادیانِ دُنیائے دُون در دماغِ وَے نرسد۔ ۔ از خرخرۂ ذِکر و تیمارِ فکر پاک وصاف نمُودہ و خوگیر شریعت بر پُشت انداختہ و پشتک میان بدوال اعتقاد محکم ساختہ بغاشیۂ حقیقت و گلوساز معرفت آراستہ بچابکِ ارادت در میدانِ شب بتازد، تا چپ و راست میل نہ کند زیرا نچہ فراخیِ او دران است۔ و بوقتِ افطار دانۂ اخلاص بآبِ طریقت تر کردہ در توبرۂ احراق انداختہ بدستیاری قناعت مے دادہ باشند۔ و چہار پالۂ وضو پوشانیدہ و ویلہ سُبحان اللہ بر سر نہادہ بصُورتِ ۔گ۔ تازا ، در میدن جانبازاں درآید ہر جائے کہ بتازد انشاءاللہ فتح و نصُرت یابد۔"

ترجمہ۔ عزیزِ من! جس کا نفسِ سرکش بدلگامی کرے اُسے چاہیئے کہ رات دن کلمہ شریف کی لگام مُنہ میں رکھے۔ اور روزہ کا قابضہ دے کر دین کی اگاڑی یقین کی پچھاڑی ہاتھ پاؤں میں ڈال کر شغل کی میخ سے محکم کر کے اُسے مسجد کے طویلہ میں باندھے تا کہ مادیانِ دُنیائے دُون کی بُو اُس کے دِماغ میں نہ پہنچے۔ ذِکر کے خرخرہ اور فِکر کے تیمار سے پاک وصاف کر کے، شریعت کا خُوگیر پیٹھ پر ڈال کر۔ اِعتقاد کے دوال سے کمر بند پشتک محکم کر کے حقیقت کے زین پوش اور معرفت کے گلوساز (ہار حمائل) سے آراستہ کر کے ارادت کے چابک سے رات کے میدان میں دوڑائے۔ تاکہ دائیں بائیں میل نہ کرے۔ کیونکہ اس کی فراخی اِسی میں ہے۔ افطار کے وقت اخلاص کا دانہ طریقت کے پانی سے تر کر کے احراق کے توبرہ میں ڈال کر قناعت کی دستیاری سے دینا چاہیئے۔ وضو کا چہار پلہ پہنا کر سُبحان اللہ کا ویلہ سر پر رکھ کر شہسواروں کی طرح جانبازوں کے میدان میں آئے۔ جہاں دوڑے گا اِنشاءاللہ فتح و نصُرت پائے گا۔

فرمایا "اِس سے پہلے لوگ ہُوئے ہیں کہ جب کوئی شائق ان سے توحید کا مسئلہ پُوچھتا کہہ دیتے کہ ہمیں اِس مسئلہ کی خبر نہیں۔ اپنے قصُور اور سُستیٔ اعتقادِ سائل کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جب مجلس ختم ہوتی سائل کو کہتے گھر کی باتیں بازاروں میں نہ پُوچھنی چاہئیں۔ اور نہ سُنی جا سکتی ہیں۔ ہر شخص ہر سخن کے قابل نہیں ہوتا۔ مگر آج کل لوگ ہیں کہ وجُود اور شہُود کا مدلُول بھی نہیں جانتے کہ ایک ہے یا علیحدہ علیحدہ اور کہہ دیتے ہیں کہ نزاع لفظی ہے۔ پھر بحث مباحثہ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے کمزور سرمایۂ علمی کی وجہ سے بغیر تحقیق نزاع میں پڑ جاتے ہیں۔ چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنا بہت ہی نازیبا معلوم ہوتا ہے۔ کاملین کے معتقدات پر اعتقادِ صحیح

رکھنا چاہیئے اور اُنہیں تسلیم کرنا چاہیئے نہ کہ خوض اور بے علم مجادلہ"۔

ملفوظ ۔ ۱۵۳

حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اوراد و وظائف پڑھتا ہُوں لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ حق سُبحانہٗ وتعالےٰ نے مہربانی فرما کر تمہیں وظائف کی توفیق بخشی تب تم نے اس کا ذکر کیا۔ تم نے کلمہ لاحول ولاقوۃ نہیں سُنا؟ اور یہ بھی کہ او سُبحانہٗ وتعالیٰ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اگر بندہ اخلاص سے ایک بار درُود پڑھے تو حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے اس سے زیادہ اور کیا فائدہ چاہتے ہو۔ شاید تم انتظار کرتے ہو کہ خدا تمہارے ساتھ کلام کرے۔ جاؤ اور اپنے کام کے درپے رہو ۔

مصلحت آنست کہ یاراں ہمہ کار　　بگذارند و سرِ طرّۂ یارے گیرند

مصلحت اسی میں ہے کہ یار سب کام چھوڑ کر محبوب کا سرِ زُلف تھام لیں

ملفوظ ۔ ۱۵۴

نمازِ عصر کے بعد ایّام عُرس غوث الثقلینؓ میں ختم شریف کے بعد فرمایا کہ ختم شریف میں جو ذکر اس طور سے تلقین کیا گیا۔ یعنی اوّل ذکر کلمۂ طیّب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ بعدہٗ اِلَّا اللّٰہ محض اثبات ۔ بعدہٗ اَللّٰہ محض اسمِ ذات ۔ بعدہٗ اَللّٰہ ھُوْ ۔ بعدہٗ ذکر چہار ضربی اَللّٰہ ھُوْ [illegible] ھُوَ اللّٰہ وبعدہٗ بہ تقدیم ھو و تاخیر ھو یعنی ھو اللّٰہ ۔ اَللّٰہ ھو ۔ ہر شخص جو خلوصِ نیّت سے اس پر عمل کرے ہم اُسے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر سالک پختہ طور پر اس ذکر میں مشغول ہو اور ھو اللّٰہ کی ضرب دِل پر الماس کی طرح مارے تو دیکھے گا کہ کیا تاثیریں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ جس جانب توجّہ کرے گا کارگر ہوگی۔ البتّہ نفسانی لذّات کے لیے تاثیر و توجّہ کرنا فقراء کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسے طیّبات سے کھیل کرنا شیطانیّت ہے۔ فقر وُہ ہے جو حق سُبحانہٗ وتعالےٰ نے قرآن مجید میں اِس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (جو شخص اپنے ربّ کے سامنے قیام سے خائف ہُوا اور نفس کو بُری خواہشات سے روکا تو اُس کے لیے جنّت ٹھکانہ ہے)

ملفوظ ۔ ۱۵۵

ایّامِ عُرس شریف میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کے مُریدوں میں سے ایک درویش نے عرض کیا "درُود شریف کبریتِ احمر میں لفظ عَشِیْرَتِہٖ وَعِتْرَتِہٖ وَاَطْھَارِہٖ کا عطف ماقبل پر ہے اور حقیقت میں یہ صفت ہے ماقبل کی پس اس کا معنی کیا ہُوا؟" فرمایا "نسخہ صحیحہ میں عطف نہیں ہے۔ لیکن اس نسخہ کی صحت بھی اس معنے سے کی جاتی ہے کہ [illegible] معطوف معطوف علیہ میں تغایر باعتبار معنی وصفی ہے نہ باعتبار مصداق۔ اور یہاں عطف کا فائدہ زیادہ ایضاح و اتصاف [illegible]۔ چنانچہ عشیرت و عترت بھی باعتبار مصداق ایک ہی ہیں"۔

ملفوظ ۔ ۱۵۶

فرمایا "کُفّار کا مومنین کے ساتھ جنگ کرنا درحقیقت اتنا مُضر نہیں جتنا کہ بداعتقاد لوگوں کی تقریر و تحریر۔ کیونکہ کُفّار

کے ساتھ جنگ سے بڑی تکلیف یہی ہوتی ہے کہ مومن کُفار کی تلوار کے غلبہ سے مقتول ہوتے ہیں لیکن ایمان رکھتے ہُوئے مقتول ہونا
تو ایک بڑی کامیابی ہے۔ دُنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ انسان محلِ حوادث ہے جسم برباد بھی ہو جائے مگر ایمان باقی رہے تو کوئی ضرر
نہیں۔ مگر جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے اور محراب میں منبر پر کھڑے ہو کر واعظانہ صُورت میں ناصحانہ آیات و احادیث پڑھ کر بے جا تاویلوں
اور حیلہ بازیوں سے اہلِ اسلام کے عقیدوں میں خلل پیدا کرے تو ایسے شخص کا ضرر بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی زبان کا ڈنک
رُوح اور ایمان کے لیے ایک خطرناک اژدہا ہے جس سے متاعِ اسلام برباد ہوتی ہے۔ صحبتِ بد کا اثر بُرے کام کرنے سے
بھی زیادہ بُرا ہوتا ہے۔ ہم سے تو ایسی فقیری نہیں ہوسکتی کہ عقائدِ متواترہ اسلامیہ پر ایسے حملوں کے وقت خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھا کریں۔
اور ہم ایسے فقر سے بھی ہزار دل سے بیزار ہیں جو عین مداہنت اور بے غیرتی ہو۔ مرزا قادیانی سے مقابلہ کے وقت بھی بعض مہربانوں نے
جو اخلاص کا معنیٰ نہیں جانتے اعتراض کیا کہ فقراء کا کام بحث مباحثہ نہیں۔ اُنہوں نے یہ نہ جانا کہ یہ جہاد اُس شخص کے ساتھ ہے
جس کے خیالاتِ فاسدہ کی تیغ بے دریغ سے ملّتِ محمدی برباد ہو رہی ہے۔"

مترجم کہتا ہے سُبحان اللہ کیا اخلاص اور جذبۂ اعلاءِ کلمۂ حق ہے۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کی ایسی جامعیّت کسی
قسمت والے ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ افسوس بہت لوگ آپ کی صحیح شان معلوم نہ
کر سکے۔ اے چودھویں صدی جیسے نازک دَور کے مجدّدِ اعظم! خُدا تیری قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ اور اُمّتِ مُسلمہ کو تیرے
حکیمانہ ارشادات سے سبق حاصل کرنے کی توفیق نصیب کرے۔ آپ جیسی ہستیوں کے متعلق ہی کسی نے کیا خُوب کہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ملفوظ۔ ۱۵۷

دسویں ربیع الثانی صبح کے وقت دو عربی سیاح حاضرِ خدمت ہُوئے۔ ایک ساعت کے بعد ان میں سے ایک نے اپنے
سامان سے ایک جامۂ منقّش قیمتی خدمتِ اقدس میں بطور تحفہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "میں نہیں لُوں گا"۔ اُنہوں نے اصرار کیا تو
فرمایا۔ "قبلت منك واعطيت رفيقك والهدية منكم اهل العرب الدعاء (یعنی ہم نے تجھ سے قبول کر
کے تیرے رفیق کو عطا کر دیا اور تم عرب والوں کا ہدیہ دُعا ہے")

ملفوظ۔ ۱۵۸

محرّرِ سطور نے عرض کیا کہ جو کچھ عالمِ رؤیا میں دیکھا جائے اُسے بھی کشف کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا "بعض خوابوں کو
کشفِ نومی کہا جاتا ہے۔ مبشراتِ صالحہ، اجزاءِ نبوّت میں سے ہیں۔ مبداءِ وحی بھی رؤیا صالحہ سے تھا۔ کتبِ احادیث میں
باب بدء الوحی میں مذکور ہے۔ کان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لا یری رؤیا الاجاء مثل فلق الصبح رسُول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کوئی خواب نہ دیکھتے مگر مثل سفیدی صبح کے بالکل صحیح ظاہر ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا
قلبِ مُبارک جو مہبطِ وحی تھا بیدار رہتا تھا"۔ پھر فرمایا "عالمِ رؤیا میں بعض خواب حق ہوتے ہیں اور شرط نہیں کہ اُسی وقت یا عنقریب
ظاہر ہوں۔ بلکہ بعض معاملات کی تعبیر چالیس برس کے بعد ظہور پذیر ہُوئی ہے۔ خود ہم نے جو کچھ ابتدائے جوانی میں خواب میں دیکھا تھا

اُس کا ظہور اب اِس عمر میں دیکھتے ہیں۔"

ملفوظ ۔ ۱۵۹

فرمایا "حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کے ذِکر سے قلبِ صنوبری کی حرکت و جُنبش ایسی ہے جیسے زبان کی حرکت۔ کیونکہ دونو قطعہ گوشت ہیں۔ بلکہ ذاکر کی زبان سارے بدن کو آگاہ کرتی ہے۔ ہاں وُہ خواص جن کا بال بال ذِکر میں مشغُول ہوتا ہے دِل کی حیاتِ معنوی سے ذاکر ہوتے ہیں۔ پس جس کے دِل سے دُنیائے دُوں کی محبّت نِکل جائے۔ وُہ اِس نعمتِ عظمیٰ سے مشرّف ہوتا ہے۔ طعنہ دینے والے مُفسدین کی عادت ہے کہ سادہ لوح لوگوں کو غلطی میں ڈالتے ہیں۔ اور اُن کے اِستقلال میں رخنہ پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو اِتنا عرصہ فلاں بزرگ کی مجلس میں رہا۔ مگر ابھی تک تیرا قلب جاری نہیں ہوا۔ پس تو نے کیا فائدہ حاصل کیا۔ جب یقین میں خلل آ گیا تو کارِ ساختہ بھی ناساختہ ہو گیا۔ اہلِ صلاح و علم کی صُحبت کی ناشکری نہ کرنی چاہیئے۔ اِس سے بڑھ کر کونسی چیز اِنسان کے حق میں مُفید ہو سکتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک کامل بندہ کی صُحبت و تعلق کے واسطہ سے لسانِ ذاکر عطا فرمائے اور وُہ اللہ اللہ کہنے میں مشغُول ہوا۔"

مترجم کہتا ہے کہ اِس اِرشاد میں برادرانِ طریقت کے لیے بے بہا پند و موعظت ہے۔ حضرت قدس سرّہٗ کے دَور سے آج کا دَور زیادہ نازک ہے تصوّف و طریقت کا لبادہ اوڑھ کر محض چند شعبدات کے ذریعہ عوام کو ٹھگنے والے بہت پیدا ہو گئے ہیں اربابِ حقیقت کی شناخت دِن بدن مُشکل ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت عارف رُومیؒ اِسی لیے فرما گئے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

بہت سے شیطان آدمی کا رُوپ دھارے ہُوئے ہیں اِس لیے (بغیر تحقیق کے) ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے۔

ملفوظ ۔ ۱۶۰

بروز گیارھویں شریف عُرس غوث الاعظم قدس سرّہ العزیز فرمایا کہ عُرس کے موقعہ پر لوگوں کا ہجُوم اب بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ مکانات جو درویشوں اور مہمانوں کے آرام کے لیے بنائے گئے تھے کثرت کے باوجود اُن کی رہائش کے لیے ناکافی ہیں میں تو بارگاہِ ربّ العزّت میں عرض کرتا ہُوں کہ الٰہی تو ہی لوگوں کے دِلوں میں محبّت پیدا کرتا ہے۔ پس جن لوگوں کو تُو یہاں لاتا ہے ان کی مراعات و پاسداریٔ خاطر کا سامان بھی تیرے ہی حوالہ ہے۔ میں تو بیکار بندہ ہُوں۔ اِس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ مکان والے کا علو مدارج اِس حد تک پہنچ چکا ہے کہ عقل کو بغیر تحیّر کے کُچھ حاصل نہیں۔ پس مکان کیا کریں۔ فرمایا کہ یہ تم لوگوں کا حُسنِ ظن ہے۔ میں جو کُچھ ہُوں وُہ میں ہی جانتا ہُوں۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ کہ کثرتِ انبوہِ خلائق سے ایک دفعہ سُلطان المشائخ حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کے مزاجِ مُبارک میں گرانی پیدا ہُوئی۔ کیونکہ عموماً ایسے مواقع پر فراغتِ اَوقات ختم ہو جاتی ہے۔ ایک اہلِ باطن شخص آپ کی مجلس میں تھا۔ حضرتؒ کی طرف توجہ کر کے کہنے لگا۔ کہ

"آں روز کہ ماہ شُدی ندانستی کانگشت نمائے ہمہ عالم خواہی شُد۔"

یعنی جب ازل میں آپ کی ذاتِ بابرکات کو چاند کی مانند تاریکیوں کو مٹانے والا بنایا گیا تھا اُس وقت آپ نے یہ نہ سوچا کہ آپ چاند کی طرح سب کا مشارٌ الیہ بھی بن جائیں گے۔ اور ہر شخص اِس سے مُستفید اور بہرہ مند ہونے کا خواہش مند ہو گا۔ پھر فرمایا کہ یہ

ذکرِ تبرّ کا کیا گیا ہے ۔ ورنہ ہم میں سے کسی کا منصب نہیں کہ اِس کا مصداق بنے ۔ اِس کے مصداق وُہی حضرتؒ تھے ؎

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند　　　نہ ہر کہ داشت کلہ طورِ سروری داند

(ہر سر مُنڈانے والا قلندری نہیں جانتا ۔ اُور ہر کُلاہ دار سرداری کے اَوضاع واطوار ادا نہیں کر سکتا)

مترجم کہتا ہے کہ یہ محض تواضع و انکسار ہے جو اہل اللہ کے لوازمات سے ہے ۔ ورنہ آپ کی ذات مشائخ متقدّمین کے کمالات کا مظہر تھی ۔ اُور یہ اژدہامِ خلائق اُور زائرین کی کثرت کا سلسلہ اِس قدر ترقی کر رہا ہے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہیں اُور اِنشاء اللہ ہمیشہ یُونہی رہے گا ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　　چراغِ مُقبلاں ہرگز نمیرد

یہ سارا جہان بھی اگر بادِ سرسر بن جائے تو بھی خُدا کے مقبولوں کا چراغ روشن رہے گا

ملفُوظ ۔ ۱۶۱

اہلِ بیتِ کرامؓ کے فضائل کا تذکرہ ہُوا ۔ فرمایا ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات کُل موجُودات سے ممتاز اُور مختار ہے ۔ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے آپؐ کو ہر صفتِ محمُودہ کا منبع اُور اصل بنایا ہے ۔ لہٰذا اس اصل پاک کے فروعِ طیّبہ میں بھی وُہی موہُوبی فیض پہنچا ہُوا ہے ۔ اِس لیے بوجہ تاثیر بضعۃ نبویۃ اُن کے درجہ کو ریاضات ومجاہداتِ کسبیہ کے ساتھ کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔ اگرچہ وُہ ابدالآباد تک بھی سعی کرتا رہے ۔ کیونکہ جو کچھ اُن کو پہنچا ہے بوجہ عنایات کے ہے نہ بہ سعی صالحات از جانب خود ۔ قال اللہ تعالیٰ ویطھرکم تطھیرا ۔ طالب جب تک اِس عقیدہ کو نہ اپنائے وردِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ کے ذوق کو نہیں پہنچ سکتا ۔ اِس خاندانِ عالی شان کی قدر نسبت شاہ ولی اللہ دہلویؒ و شاہ عبدالعزیزؒ جیسے اکابر کی کتابوں میں دیکھنی چاہیئے ۔ یا بعض قلندرانِ اُویسیّہ سے پُوچھنی چاہیئے ۔ اُور یاد رکھیں کہ سخن کو زبان پر لانا اُور بات اُور قول کو پیرایۂ عمل میں لانا اُور بات ہے معرکۂ کربلا میں جب حضرت امام حُسین علیہ السّلام کا بدن مبارک تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا ۔ اُور گلزارِ نبوّتؐ کے نونہالوں اُور دیگر احباب ومخلصین کے مقتول و مجرُوح اُور بھُوکا پیاسا ہونے کی وجہ سے اُن کا دل مغموم ومحزُون تھا ۔ ایسے نازک وقت میں بھی اُنہیں نہ کسی کے ساتھ شکایت تھی نہ حکایت بلکہ بہ اِستقلالِ تمام اس حال میں بھی نماز ادا فرمائی ۔ یہ کام حضرت حُسین ابن علی الہاشمی علیہما السّلام ہی کا ہے کہ اِن سب مصائب کے باوجُود شجاعتِ ہاشمیہ کی مکمّل داد دی اُور بہادرانہ رجزیہ اشعار زبانِ دُرفشاں سے پڑھتے رہے ۔ حتیٰ کہ جان جاناں کو سونپ دی“ ۔ آپ کے رجزیہ اشعار سے چند یہ ہیں ؎

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الطُّھْرِ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ　　　کَفَانِیْ بِھٰذَا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ

میں حضرت علیؓ کا پاکیزہ فرزند آلِ ہاشم سے ہُوں ۔ مجھے فخر کے وقت یہی فخر کافی ہے ۔

وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اَکْرَمُ مَنْ مَشٰی　　　وَنَحْنُ سِرَاجُ اللہِ فِی الْاَرْضِ یَزْھَرُ

اُور میرے نانا پاک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں جو سب سے اکرم ہیں اُور ہم خُدائی چراغ زمین میں روشن ہیں

وَفَاطِمَۃُ اُمِّیْ سُلَالَۃُ اَحْمَدٍ　　　وَعَمِّیْ سَیِّدٌ عَلٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ

اُور میری والدہ مکرّمہ حضرت فاطمۃ الزّہراؓ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی لختِ جگر ہیں اُور میرے چچا جعفرؓ ذُوالجناحین کے لقب سے مشہُور ہیں

وَفِينَا كِتَابُ اللهِ اُنْزِلَ صَادِقًا   وَفِينَا الْهُدٰی وَالْوَحْیُ وَالْخَيْرُ يُذْكَرُ

ہم میں سچّی کتاب (قرآن) نازل کی گئی۔ اَور ہم ہی میں ہدائیت اَور وحی اَور خیر کا ذکر کیا جاتا ہے

مترجم کہتا ہے کہ ملفوظ ہذا میں حضرت قبلۂ عالمؒ کا یہ ارشاد کہ خاندانِ نبوّتؐ کی شان بعض قلندرانِ اویسیہ سے پُوچھنی چاہیئے اِس میں خُود حضُورؒ کی ذاتِ گرامی کی طرف لطیف اِشارہ ہے۔ کیونکہ اِصطلاحِ صُوفیا میں اویسی اس بزرگ کو کہتے ہیں جو رُوحانی طور پر کسی بزرگ سے مستفیض ہو گو بظاہر اُن کی مُلاقات نہ ہو اَور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو بھی حضُور سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ اَور حضُور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے رُوحانی طور پر فیض حاصل ہے۔ چُنانچہ آنجنابؒ کے مجمُوعۂ منظُوم کلام "گنج عرفان" میں آپ کے بعض اشعار اِس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔

ملفُوظ۔ ۱۶۲

فرمایا "اچھّا کام اگرچہ فی نفسہٖ اچھّا ہوتا ہے لیکن اگر خاندانِ نبوّتؐ کے افراد اُسے کریں گے تو وُہ اَور بھی اچھا لگے گا۔ یہی حال بُرائیوں کا ہے۔ اِن حضرات کو وُہ کام بالکل نہیں کرنے چاہئیں جو اُن سے حقارت کرنے کا مُوجب بنیں۔ جو امُور لوگوں کی نظروں میں معیُوب ہوں اُنہیں اُن سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اَور افرادِ اُمّت کو چاہیئے کہ اُن کی تعظیم و اکرام میں کوتاہی نہ کریں۔ قیامت کے روز کسی کو اعمالِ مکسُوبۂ غیر سے سوال نہ ہوگا۔ بے ادبی اَور ناحق شناسی سعادت سے محرُومی کا باعث ہیں۔ اہلِ علم کو چاہیئے کہ اہلِ بیتِ کرام کے مشاہیر ائمّہ دوازدہ علیہم السّلام کے مرویہ مناقب و فضائل کو نصبُ العین بنائیں اَور خوفِ خُدا کرتے ہُوئے ایسی تقریروں سے کنارہ کش رہیں۔ "کہ کیا ہوتا اگر حسینؓ یزید کی بیعت قبُول کر لیتا" (معاذ اللہ) بنی اُمیّہ کا خاندان تو ختم ہو گیا لیکن اُن کے سکّہ کی تاثیر و تصرّف اب تک بھی بعض دِلوں پر اثر انداز ہے۔ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں کہ بنی اُمیّہ کے بادشاہوں کا برتاؤ حضرات اہلِ بیتؓ سے بہت ہی بُرا رہا ہے۔ اَور وُہ ہمیشہ حضراتِ اہل بیتؓ کی اہانت میں کوشاں رہے لیکن اس کے باوجُود اُنہیں مجالس و معارضات میں ہاشمی فصاحت و بلاغت سے ہمیشہ ذِلّت و رُسوائی نصیب ہوتی رہی"۔

ایک دفعہ موسمِ حج میں ہشام ابن عبد الملک نے چند رؤسائے شام کے ساتھ حرم بیت اللہ میں اِستلامِ حجرِ اسود کے لیے کوشش کی لیکن انبوہِ خلائق کی وجہ سے کامیاب نہ ہوا۔ اس پاک جگہ میں کعبۃ اللہ کا جلال سخت غالب ہے۔ اِستلام سے ناکامی کے بعد اُس کے ملازمین نے صحنِ حرم میں اُس کے لیے کُرسی بچھا دی۔ اس پر بیٹھ کر زائرین کو دیکھتا رہا۔ جب امام ہمام حضرت علی زین العابدین رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہُوئے تو بمقتضاء اِس شعر کے کہ ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست   ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

(یعنی مرد صاحب دلق میں بشریّت سے نہیں بلکہ خُدائی ہیبت ہوتی ہے) خلق کا ہجوم ان کے راہ سے ہٹ گیا۔ اَور اِستلام حجرِ اسود کے وقت لوگوں نے اُن کی پاسِ خاطر اَور ادب کی وجہ سے جگہ خالی کر دی۔ اَور وُہ بڑے آرام و وقار سے ادائے اِستلام سے فارغ ہُوئے۔ اس وقت شامی سردار جو ہشام کے ساتھ سفر میں تھا اُس سے پُوچھنے لگا کہ یہ خُوبرُو جوان کون ہے جس کے خُورشید جمال سے چاند بھی شرماتا ہے اَور اِس شوکت کے باوجُود کمال حیاداری اَور مسکینی سے شعارِ بندگی رکھتا ہے۔ جس کی خُوشبُوئے لقاء سے بُوئے زندگی آتی ہے ہشام نے اس خوف سے کہ مبادا امامؑ کی وقعت اِس سردار کے دِل میں جاگزیں ہو کہا لا اعرفہ (میں اِسے نہیں جانتا) اَور ساتھ ہی نہایت حیران ہُوا کہ باوجُود ہماری سعی بسیار کے ابھی تک لوگوں کے دِلوں میں ان کا

آتنا اعزاز موجود ہے شعراء عرب میں سے فرزدق شاعر نے اُس کی بات سُن کر کہا ان کنت لاتعرفه فانا اعرفه (اگر تو اِن کو نہیں پہچانتا تو میں پہچانتا ہوں) پھر ایک لمبا قصیدہ مناقب میں با آوازِ بلند پڑھا۔ دو تین شعر اس قصیدہ کے یہ ہیں ؎

هذا ابن رسول الله ان كنت جاهله　　البيت يعرفه والحل والحرم

یہ علی زین العابدینؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں ان کو بیتُ اللہ حل و حرم پہچانتے ہیں اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو اب پہچان لے کہ

هذا ابن فاطمةؓ اسد الله والده　　بجده انبياء الله قد ختموا

یہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور شیرِ خداؓ کے فرزند ہیں اِن کے نانا پاکؐ پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہوا

هذا اذا جاء القريش قال قائلهم　　الى مكارم هذا الفتى ينتهى الكرم

یہ وُہ شخص ہیں کہ قریش ان ہی کے بارہ میں کہا کرتے ہیں کہ اِس جوان کے مکارم و فضائل پر کرم کی اِنتہا ہے۔

ان عدت اهل التقى فهم ائمتهم　　وان قيل من خير خلق الله قيل هم

اگر تو اے مخاطب اہلِ تقویٰ کی گنتی کرے تو یہ اُن کے اِمام ہیں اور اگر خلق اللہ میں سے سب سے اچھے آدمی کی بابت سوال ہو تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ وُہی ہیں

ہشام نے جب یہ قصیدہ سُنا تو شاعر کو قید کروا دیا۔ حضرت اِمام زین العابدینؒ نے یہ ماجرا سُنا تو بارہ ہزار درم فرزدق شاعر کے پاس ارسال فرمائے تاکہ وُہ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ فرزدق نے وُہ درہم واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا کہ میں نے یہ کلمات خُدا اور رسولؐ کی رضا کے لیے کہے ہیں کہ ظالم کے رُوبرُو کلمۂ حق کہنا مومن مخلص کا شعار ہے۔ اِمامؒ نے دوبارہ وُہ درم اس کے پاس ارسال فرما دیئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیری نیت خیر پر جزا دے۔ بے شک یہ کلمات و اشعار تو نے طمع اور انعام کے لیے نہیں کہے تھے لیکن ہم بھی ایسے خاندان سے نہیں ہیں کہ اپنے عطیات اور ہبہ کو واپس لے لیں۔ اس پر فرزدق نے وُہ دراہم قبول کر لیے۔"

مترجم کہتا ہے کہ حضرتؒ کا یہ ملفوظ اس دَور کے اُن افراد پر پورا صادق آتا ہے جو یزید کو امیرالمومنین اور خلیفۂ برحق ثابت کرتے ہیں اور جناب سیدالشہداء اِمام عالی مقام پر بغاوت تک کا اِلزام دھرنے سے نہیں شرماتے۔ چنانچہ ایک جدید محقق محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافتِ یزید و معاویہؓ" اس امر کی بیّن دلیل ہے۔ جس کے خلاف دیوبندی اور بریلوی مکتبِ فکر کے علماء نے متفقہ طور پر آواز اُٹھائی اور تردید میں کتابیں لکھیں۔ سُبحان اللہ! یہ حضرتؒ کی کرامت ہے کہ بہت عرصہ پہلے اس گروہ کی نشان دہی فرما دی۔

ملفوظ - ۱۶۳

ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض شیعہ حضرات اپنے عقیدہ میں نہایت غلو کرتے ہیں اور اصحابؓ کرام کے حق میں ناشائستہ کلمات کہتے ہیں۔ فرمایا "افراط و تفریط سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خیر الامور اوسطها (راہِ حق بین بین ہے) سَبّ (بدگوئی) بنی اُمیہ کی سُنّت ہے۔ خُلفاء اربعہ کی خلافت کے زمانہ میں خُلفاء کے درمیان ایسے اطوار نے راہ نہیں پایا تھا۔ کیونکہ ان کے کام مطابق فرمُودہ الخلافة من بعدى ثلثون سنة (خلافتِ راشدہ میرے بعد تیس سال ہو گی) واقع ہوئے ہیں اور وُہ اہلِ ایمان کی جانب سے بطریقِ اولیٰ ظنِ خیر کے مستحق ہیں۔ پس ان کا کام وامرهم شورىٰ بينهم سے خارج نہ سمجھنا چاہیئے۔ گروہ اہلِ محبت و عشق کہ جگر گوشہ ہائے نبوّت کی فرطِ محبت سے جان پُر از غم اور دِل غیر سے خالی رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے یہ سبّ و شتم کی راہ نہیں پکڑی تبرّیٰ اور سبّ و شتم

کو محبتِ حسینؓ سے کیا واسطہ؟ ایسی غلط روایات کی طرف ہرگز التفات نہیں کرنا چاہیئے جن سے کتاب و سُنّت کی ذرّہ بھر خوشبو بھی دماغ میں نہیں پہنچتی۔ اور انہیں ائمۂ اثناعشر کی طرف منسُوب کرنا بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ اہل السُّنّت والجماعت و عُلمائے زمانۂ حال کو چاہیئے کہ ذُرّیّتِ رسُولؐ کی اہانت نہ کریں۔

"غور کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کرتے ہُوئے کیا ہی اچھا کہا ہے لولا علیٌّ لھلک عمرُ (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے) خیبر کے دِن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میں جھنڈا (نشان) اُس شخص کے حوالہ کرُوں گا کہ یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ ویحبہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ (جو اللہ و رسُولؐ سے محبّت کرتا ہے اور جس کو اللہ و رسُولؐ پیارا جانتے ہیں) پھر طویل خُطبہ پڑھا جس کی ابتدا اس طرح ہے۔ الحمد للہ علی آلائہ فی نفسی والحمد للہ علی بلائہ فی اھل بیتی اور آخر میں فرمایا من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ اللّٰھم والِ من والاہ وعادِ من عاداہ۔ (ترجمہ) خدا کی حمد ہے جس نے مجھے نعمتیں عطا کیں۔ اور خُدا کی حمد ہے جس نے میری اہل کو ابتلا میں ڈالا۔ جس کا میں مولا ہُوں علیؓ اُس کا مولیٰ ہے اَے اللہ جو علیؓ کو دوست رکھے اس کو دوست رکھنا اور جو علیؓ کے ساتھ عداوت کرے اُس کے ساتھ دُشمنی کا معاملہ کرنا۔ ایک اور موقعہ پر حضرت علیؓ کی شان میں فرمایا۔ واقضاکم علیٌّ (تم میں سے اچھا بہتر [illegible] علیؓ ہیں)۔ اور حضرت ابنِ عبّاسؓ نے جو علمِ تفسیر میں بحرِ ذخّار تسلیم کیے گئے ہیں فرمایا کہ مشکلاتِ قرآنی اور اسرار و رموزِ آیات متعلقہ علُومِ مخفیہ میں میرے ماخذ و معلّم حضرت علیؓ ہیں۔ ائمۂ مجتہدین کے فیوُضات و برکات بھی اسی خاندانِ عالی شان سے ہیں۔ چنانچہ امام دارالہجرت حضرت مالکؓ اور امامِ عظیم الشّان ابُو حنیفہؓ دونوں امام جعفر صادق علیہ السّلام کے شاگردوں سے ہیں۔ امام شافعیؒ امام مُوسیٰ کاظمؓ سے سند رکھتے ہیں۔ ہر فیض جو اُمّت کو ملا ہے۔ ان امجاد خیر العباد علیہم السّلام سے ملا ہے نہ اپنے آبا و اجداد سے۔ حدیث شریف مثل اھل بیتی کسفینہ نوح من رکبھا نجا (میرے اہل بیتؓ کی مثال کشتیٔ نُوح کی طرح ہے اس میں جو سوار ہُوا نجات پائی) اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اہلِ حق کا اس کشتی میں سوار ہونا اُن کے لیے مُوجب نجات ہے۔" اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی نے ہمعات اور العقیدۃ الوضیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ ائمۂ عترت نسبتی قطب ہیں۔ ان کی نسبت تقویٰ و طہارت و تزکیۂ نفوس زُہد کی نسبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں بھی یہی نسبت تھی۔ قدرے تبسّم کر کے فرمایا کہ شاہ صاحبؒ نے واقعی کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ ذُرّیّتِ اہلِ بیتؓ کے حق میں بھی ادب اور خُوش اعتقادی رکھنی چاہیئے۔ جب قیامت میں تمام صالحین کی ذُرّیّت و اولاد اُن کے ساتھ منسلک کی جائے گی تو حضُور خاتم الانبیاء والمرسلین کی اولاد کیسے محرُوم رہے گی۔ آخرت کے اسرار پردۂ غیب میں ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے یہ کام اپنی تفویض میں رکھا ہوا ہے۔ ہم کو کسی پر گماشتہ نہیں چھوڑا گیا۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی حد پہچانیں اور اُس سے آگے نہ بڑھیں۔

مترجم کہتا ہے کہ علّامہ آلوسیؒ نے تفسیر "رُوح المعانی" میں آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ حضُور علیہ السّلام کے اہلِ قرابتؓ سے محبّت واجب ہے خواہ جیسے بھی ہوں۔ کیونکہ آیۃ مذکورہ میں مودّت کا مُوجب حضُورؐ کی قرابت ہے۔ اگرچہ ان کے غیر مشروع عقائد و اعمال سے برأت لازم ہوگی مگر قرابتِ رسُولؐ کی جہت سے محبّت و تکریم ضروری ہے۔ مترجم نے قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی سے سُنا ہے کہ ایک دِن مجھے عالمِ اضطراب میں دیکھ کر تسلّی دیتے ہُوئے حضرت قدس سرّہٗ نے ارشاد فرمایا۔ "ایمان خوف و اُمّید کے درمیان ہے۔ خُدا کی رحمت سے نااُمّیدی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سُنا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اُولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی ہم اُنہیں (اپنے اباو اصول) کے ساتھ منسلک کردیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔"

ملفوظ۔ ۱۶۴

ایک شخص نے عرض کیا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لعن بریزید کے جواز کا فتوے دیتے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ موصُوف محبتِ بنو فاطمہؓ ہیں پس اُن کو ایذا پہنچانے والے کے حق میں پُورے طور پر مجوّز لعنت ہیں لیکن بعض اہلِ علم نے اس میں تامّل کیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کا حال معلوم نہیں ممکن ہے یزید نے توبہ کی ہو۔ علامہ تفتازانی نے اس کے رد میں خوب فرمایا ہے۔ کہ قتلِ ذرّیتِ طیّبہ اور اُن کی اہانت بطور یقین اور امر مشہود ہے اور توبہ امر محتمل پس احتمال وظن یقین سے کیا نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے دیگر محققین بھی لعن کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ ہمارے مخلصوں میں سے ایک شخص کو دمشق کی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ سارے شہر کی آلُودگیاں اور خاکروبہ یزید کی قبر کے پاس ڈالتے ہیں۔ وُہ جگہ آبادی سے بہت دُور ہے۔ ہاں جواز اور لزُوم میں فرق ہے۔ لعن کو عادت بنا ناضروری اور لازم نہیں۔ بہتر ہے کہ بحکم عام فرمُودہ حق تعالےٰ فلعنة اللّٰه علی الظّٰلمین پر کفایت کی جائے۔ بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اوّلین و آخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔

ملفوظ۔ ۱۶۵

فرمایا کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنے ذِکر کرنے والوں کا ذِکر کرتا ہے یعنی اپنے یاد کرنے والوں کو یاد کرتا ہے۔ یہ بات ماننا مشکل ہے کہ بندہ توسب کام چھوڑ کر سراسر محبُوبِ حقیقی پکڑلے اور اس کے ذکر میں مشغول ہو مگر پھر بھی اُس کی ذاتی حاجات لوگوں کے پاس باقی رہیں بعض لوگ سُورۂ یُوسف کو محض ثروت اور طلبِ جاہ کے لیے پڑھتے ہیں۔ ثواب کو مدِّ نظر نہیں رکھتے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ یہ حاصل ہوتا ہے نہ وُہ۔ ساری عمر دربدر خراب ہوتے ہیں۔ [illegible] کے کلام کو بغرضِ ثواب پڑھنا چاہیئے کیونکہ خُدا ہی روا کنندۂ حاجاتِ دارین ہے۔ اور ہم پر خُود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ ٹوٹے دل اور درد بھری آواز سے پڑھنے والے دُنیا و آخرت کی مُرادات حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ وُہ محض دُنیوی کاروبار میں منافع کی غرض سے نہ پڑھیں۔ یہ بات نہایت ہی واضح ہے کہ زنگ آلُود برتن میں موتی نہیں رکھے جاتے۔

ملفوظ۔ ۱۶۶

حضرت صاحبزادہ صاحب قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی کی شادی کی تقریب سعید کے دِن حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں کی خوشی بوجہ اسپ سواری و نیزہ بازی و دیگر ہجوم وغیرہ کے ہے۔ مگر میری خوشی پاک پتن شریف سے حضرت دیوان صاحب اور حضرت خواجہ محمُود صاحب تونسوی کے قدم رنجہ فرمانے سے ہے۔ آج ہمارا یہ مسکن کتنا خوش نصیب ہے کہ جناب بابا صاحب فریدالحق والدینؒ اور حضرت خواجہ سُلیمانؒ تونسوی کی اولاد ذی الاحترام یہاں تشریف فرما ہیں۔ اکثر سجّادہ ہائے ہند جناب بابا صاحب گنج شکرؒ کی ذاتِ بابرکات سے مُستفید ہیں۔ اِن بزرگواروں کا یہاں تشریف لانا ہم سب پر اُن کی بڑی نوازش اور مہربانی ہے جس کے بیان سے زبان عاجز ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ آں جنابؒ کے اِن اِرشادات سے کس قدر محبّت فی اللہ اَور مقبُولانِ خُدا سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے قبلہ بابُوجی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دِن کسی حاضرِ مجلس پر تعریض فرماتے ہُوئے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں پر سخت تعجّب آتا ہے کہ وُہ حضراتِ اہل اللہ کی محبّت میں ان کے مشاہد و مزارات اَور قیام وجلُوس کے مقامات تک تو اَدب کرتے ہیں لیکن اُن کی ذُرّیّت واَولاد جن کے رگ و ریشہ میں اُن حضرات کا خون جاری وساری ہے ان کا اِحترام بجا نہیں لاتے حیف ہے کہ ایک مجازی مُحبّ مجنُوں تو ایک عورت کی محبّت میں یہ کہے ؎

احب لحبها السودان حتّٰی　　　احب لحبها السود الكلاب

میں لیلیٰ کی محبّت میں ہر سیاہ چیز سے اُلفت کرتا ہُوں حتّٰی کہ سیاہ کُتّوں سے بھی

مگر آج کا مُسلمان مدّعی محبّتِ رسُولؐ ہو کر کہتا ہے ہم دین کے ہیں سین کے نہیں یعنی ہمیں دِین کا اِحترام تو ہے لیکن سادات آلِ رسُولؐ سے ہمیں کیا واسطہ۔ شاید اُنہوں نے یہ اِرشادِ باری نہیں پڑھا۔ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ (ترجمہ) اَے حبیبؐ فرمادیں کہ لوگو میں تم سے تبلیغ پر بجُز اہلِ قرابت کی محبّت کے اَور کوئی عوض طلب نہیں کرتا۔

ملفُوظ ۔ ۱۶۷

ایک شخص نے عرض کیا کہ جہاں دُرود شریف پڑھا جائے کیا وہاں رُوحِ محمّدی تشریف فرما ہوتی ہے؟ حضُور قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ رُوحِ مُبارک کا تشریف لانا اِس طرح سمجھنا چاہیئے۔ جیسے سُورج اپنی جگہ پر قائم ہے لیکن اس کی روشنی ہر جگہ موجُود ہے رُوحانی سفر میں قُرب وبُعدِ عنصری نہیں ہوتا حقیقتِ محمّدیہ جمیع حقائقِ امکانی پر مقدّم واعلیٰ واکمل وافضل ہے۔

پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض مولویوں نے فتوےٰ دیا ہے کہ یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ نہ پڑھا جاوے۔ فرمایا "ہم تو ملّائی کام نہیں کرتے۔ جن لوگوں کا برزخ سے تعلّق ہے اُنہیں صحیح حال معلوم ہے مُفتیوں سے اگر پُوچھیں تو وُہ تو یہ بھی کہیں گے کہ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسُولؐ اللہ بھی نہ کہا جائے۔ باوجُودیکہ موجُودات پر سیلانِ وجُود اَور ماہیات پر فیضانِ وجُود بواسطہ آں ذاتِ بابرکاتؐ ہے۔ گویا تکوینِ کونین آپؐ کے وجُود سے ہے۔ اَور شَیْئًا لِلّٰہ کا معنے سوال واستغاثہ برائے تکریم وتشریف اسمِ پاک ہے۔ نہ جیسا کہ معترض کہتے ہیں کہ مسئول منہ کو وسیلہ اَور وسیلہ کو مسئول منہ نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اِس کلام کی نظیر قرآن مجید سُورۂ نسا میں موجُود ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۔ تسائل از باب تفاعل یہاں بمعنی مشارکۃ مستعمل ہے یعنی اس خُدا سے ڈرو جس کے اِسمِ پاک کے وسیلہ سے ایک دُوسرے سے سوال کرتے ہو۔ یہاں مسئول منہ وسیلۂ فعل واقع ہوا ہے۔ اَور مسئلۂ سماعِ موتیٰ "مدارج النبوۃ" میں مذکُور ہے۔ اَرواحِ کاملین کا عالمِ برزخ میں اِستغراق، ان کے عالمِ شہادت میں تصرّف کرنے سے مانع نہیں۔"

پھر ایک شخص نے سوال کیا کہ بحقِّ فلاں بزرگ یا بحُرمتِ فلاں بزرگ کہنا جائز ہے یا نہ؟ فرمایا "دونوں جائز ہیں۔ خلق کی جانب سے خالق پر کوئی حق لازم اَور ضرُوری نہیں ہے لیکن ربّ العالمین کی جانب سے حق بطور وعدہ واِحسان اُس کی ہُوبہ نعمتوں سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص خُدا کے ساتھ اِیمان لائے، نمازِ پنجگانہ ادا کرے اَور ماہِ رمضان کے روزوں کی نگہداشت کرے۔ خُدائے تعالیٰ پر حق ہے کہ اُس کو جنّت میں داخل کرے گا۔ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وغیرہ اِس کے شاہد ہیں۔"

فرمایا "سائلین اپنی اُمّید براری کے لیے اِظہارِ حاجات میں اِلحاح کرتے ہیں لیکن اللہ کی مشیّت آرزوہائے خلق کی پیرو

نہیں ہوتی ۔ لہٰذا مرد ماں حقائق آگاہ کی نگاہ اس استعداد پر ہوتی ہے جو فطرۃً انسانی وجود میں ودیعت ہوتی ہے اور لوگ ان کی وساطت سے اس استعداد کے حسب مقدار بہرہ ور ہوتے ہیں ۔ رُوحانی طبیبوں کی رائے مریضوں کی رائے کی نسبت زیادہ باصواب اور درست ہوتی ہے "

فرمایا" کائنات میں ہر چیز کیا نباتات و اشجار اور کیا احجار سب ذاکر اور شاغل ہیں ۔ بلکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور ان کے درمیان کوئی حجاب غفلت نہیں ہے لیکن حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جو قدر و منزلت انسانی ذکر کی ہے اور کسی کی نہیں ۔ بلکہ خاکیوں کے پیدا کرنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ وُہ اس وسیلہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلّق قائم کریں ۔ اور جملہ برکات و آثار بھی انسانی طاعت پر مرتّب ہیں لیکن طاعت کی توفیق اپنے زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی ۔ بلکہ وُہی جو کچھ کراتا ہے کیا جاتا ہے ۔ جن لوگوں کو حق تعالیٰ یہ توفیق دیتا ہے اُن سے دُوسرا کام نہیں ہوسکتا اور نہ وُہ کرسکتے ہیں ۔ اگرچہ بعض دفعہ عوارض کی وجہ سے کچھ بُعد ہوجاتا ہے ۔ لیکن عنایتِ ازلی اُن کو پھر راہ پر لے آتی ہے ۔ اور جن کو جذبۂ عشق دامن گیر اور فطرتِ سعیدہ دستگیر ہو، شادی و غمی اُن کی راہ میں حجاب و رُکاوٹ نہیں بنتے ۔ وُہ پوشیدہ و ظاہر یکساں طور پر اپنے شغل میں مگن رہتے ہیں ۔ یہ لوگ عنایتِ ازلی کے انعام یافتہ ہیں ۔ وُہ بجز عبُودیّتِ حق کے کسی اور چیز کو اختیار نہیں کرتے ۔ اور یہ ہر کسی کا کام نہیں ہے ۔ مولانا رُومؒ نے فرمایا ہے ؎

اُذکُرُوا اللہ کارِ ہر اوباش نیست　　　ارجعی بر پائے ہر قلّاش نیست

(اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا اور اُس کو یاد کرنا اوباشوں کا کام نہیں ۔)

اوباش بمعنے عیّاش ہے یا دُوسرے لفظوں میں بندۂ شکم ۔ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

شکم بندہ نادر پرستد خدا

یعنی بندۂ شکم (پیٹ کا بندہ) خُدا کی عبادت نہیں کرسکتا ۔ دوست کو اپنے محبُوب کی توصیف اور اُس کا ذِکر سب لذائذ سے محبُوب تر ہوتے ہیں ۔ غافلِ مُطلق سے وُہ شخص اچھا ہے جو ایک بار ہی اللہ کہے ۔ اور اس سے وُہ اچھا ہے جو دس بار کہے ۔ اور اُس سے وُہ اچھا ہے جو بیس بار کہے ۔ سعادت کے کئی درجات ہیں لیکن ہمیشہ اللہ تعالےٰ کے کرم پر نظر رکھنی چاہیئے نہ اپنے اعمال پر "

ملفوظ ۔ ۱۶۸

ایک شخص نے مجلس میں عرض کیا کہ کہتے ہیں جناب غوثُ الاعظمؓ نے ایک مرتبہ ایک مردِ خدا کو جو اتّفاق سے گمراہی کے بھنور میں پھنس گیا تھا، نجات دلا کر انجامِ بد سے بچا لیا تھا ۔ فرمایا" لوگ تو اس واقعہ کو اسی طرح بیان کریں گے جیسے تم نے کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ اس طرح سے ہے کہ جب خداوندِ کریم سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے علمِ قدیم میں چاہا کہ جناب غوثُ الاعظمؒ کے وسیلہ سے اس ولی کو رہائی بخشے تو اُس نے حضُورؓ کا قلبِ پاک اس کی طرف متوجّہ کر دیا تاکہ وُہ اس کی نجات کا وسیلہ ہو ۔ یہ امرِ لاریب ہے کہ مقبُولانِ خُدا کے متعلّقین اگر مقصُودِ اصلی (عرفان) کو نہ بھی پہنچ سکیں پھر بھی حوادثِ دارین سے امان میں رہتے ہیں ۔ بارشِ و ژالہ باری کے وقت درخت کے نیچے پناہ پکڑنے والا شخص، کھُلے جنگل میں بغیر اوٹ والے سے بصد امن ہوتا ہے "

مترجم کہتا ہے کس قدر فرقِ مراتب کی رعایت ہے سبب اور مسبّب کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا اور ہر امر میں توحید کی نگہداشت کرنا کاملین ارباب ارشاد کا شیوہ ہوتا ہے ۔ حضرت شیخ اکبرؒ فتوحات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مقبُولانِ خُدا کو رحمت و عنایتِ الٰہی کے ابواب

سمجھنا چاہیئے۔ اور انہی دروازوں سے اس فیضان کا طالب ہونا چاہیئے۔ لیکن جو شخص ابواب ہی کو منزلِ مقصود سمجھ لے یا دروازے کے بغیر مطلب کی تلاش کرے وُہ خائب و خاسر ہوتا ہے۔

ملفوظ ۔ ۱۶۹

ایک دن حضورِ اقدس کی مجلس میں ذکر ہوا کہ بعض بزرگوں کے جنازہ پر پرندوں کا آنا مشہور ہے۔ فرمایا ہاں شادی چھلا میں جو ہری پور ہزارہ کے نواح میں ایک گاؤں ہے ایک شخص اِس وصف کا گذرا ہے۔ اور ایک اور بزرگ کے جنازہ پر بھی جن کا لقب رئیسُ العاشقین تھا یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ ان کی وفات کے وقت جنّت کو حُور و قصور و انواع و اقسام نعمائے و فواکہ سے مزیّن کر کے اُن کے سامنے پیش کیا گیا۔ شیخ نے بہ کمال تاسّف ٹھنڈی سانس بھر کر عرض کیا "بارِ خدایا میری التجا ان چیزوں کے لیے تو نہ تھی جو دیکھ رہا ہُوں"۔ ندا آئی "پھر کیا چاہتا ہے"۔ عرض کیا "خداوندا تو خوب جانتا ہے میں کیا چاہتا ہُوں۔ پھر بھی مجھ سے پُوچھتا ہے۔ میرا مقصود رضا و جمالِ حق ہے نہ جنّت و بہشت"۔

مترجم نے قبلہ بابُوجی سے سُنا ہے کہ رسالہ "نظم السلوک" کے درس کے وقت حضرت قدس سرّہٗ نے یہی واقعہ رسالہ مذکورہ کے مصنّف حضرت شیخ عمر بن فارضؒ مکّی کے متعلق ذکر فرمایا تھا۔ اور "نفحات الانس" میں مولانا جامیؒ نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔ شیخ مذکور کے تفصیلی حالات وہاں ملاحظہ ہوں۔

ملفوظ ۔ ۱۷۰

فرمایا "ظاہر بین لوگ جن کی رسائی معنیٰ تک نہیں۔ اور جو علم و فہم باطن سے محرُوم ہیں وُہ مسئلہ توحید میں شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشادات کو عقیدہ حلُول کی طرف منسُوب کرتے ہیں۔ حالانکہ شیخؒ نے اپنی مؤلّفات میں عقیدہ حلول کا اِنکار اور ردّ فرمایا ہے۔ فتوحات میں فرماتے ہیں کہ اِس گروہ کا عقیدہ جو دلائل نظریہ کے محتاج ہیں یہ ہے کہ حق کی نسبت خلق کے ساتھ ایسی ہے جیسی صانع کی مصنُوع کے ساتھ اور واجب کی ممکن کے ساتھ۔ وینبغی لکل مسلمان یعتقد ہ (ہر مسلم کو یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے) مگر اخص الخواص کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء کا مظہر ان کا عین ہے یعنی اشیاء، اسماء کا ظلّ اور مظاہر ذات ہیں۔ اور ظلّ کی کوئی حقیقت نہیں مگر یہی نمُود بے بُود یس ممکناتِ معدُومہ کی شعاعیں دراصل فیوضاتِ آفتابِ ذات کا عکس ہیں جو واحد ہے۔ پس غیرِ حق کیا ہے اور کہاں، کان اللہ ولم یکن معہ شیئ والآن کما کان۔ (مخلُوقات کی خلق سے پہلے اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اَب خلق کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ مترجم) لیکن شیخ موصُوف سب مسُلمانوں کو اپنے اِس عقیدہ پر مجبُور و مکلّف نہیں فرماتے۔ بلکہ اس عقیدہ کو بحکم ذوقِ عرفان از قبیل مشاہداتِ نفوُسِ قدسیہ اور تجلّیات کے اختصاص سے اخص الخواص کے لیے نشان دیتے ہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ ہم اس عقیدہ کے حق میں کہ عالم بہ نسبت حلول نہیں بلکہ من حیث المجمُوع صُورتِ ذات مع الصّفات ہے۔ بارگاہِ نبویؐ میں حضرت جبرائیلؑ کے متمثّل بدحیہ کلبی ہونے کے وقت اصح الروایتین کو شاہد لاتے ہیں۔ دیکھیئے یہاں قوم کو دحیہ کلبی نظر آتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے کہ یہ جبرائیلؑ ہیں۔ حالانکہ نہ تو یہاں جبرائیلؑ دحیہ کلبی میں حلُول کیئے ہُوئے تھے اور نہ یہ کہ جبرائیلؑ بھی ہو اور دحیہ کلبی بھی۔ بلکہ جبرائیل علیہ السّلام اپنی حقیقتِ ملکیہ پر رہتے ہُوئے عالمِ شہادت میں بصُورتِ دحیہ کلبی متمثّل ہُوئے۔ اور ظاہر ہے کہ قوم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رؤیت میں سے صحیح ترین رؤیت حضُور

علیہ السلام کی رؤیت ہے کہ ذاک جبریلؑ (یہ جبریلؑ ہیں)"۔
پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے ابتدا، حال میں اپنا وجدان مسئلۂ توحید میں آیتِ کریمہ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کی طرف راہ دکھاتا تھا کہ مریم کی رؤیت میں بشر تھا اور وُہ خود کہتا ہے کہ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ (یعنی میں فرشتہ ہُوں) حاشا وکلا کہ قرآن شریف سے حلول کا مسئلہ ثابت ہو۔ بلکہ حقیقت ملکی شکل انسان متمثّل ہو کر ظاہر ہوئی۔ اور جب حقیقتِ ملکی کا یہ حال ہے تو کمالِ تجلّیاتِ حق کو اپنے عُلوم کے مقدار سے کیسے احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہاں خود حق سُبحانہٗ وتعالےٰ کا علم جو اتم واکمل العلوم ہے راہ نما ہوتا ہے اور اس کے وُرُود کا محل زبان نہیں کہ قیل وقال سے درست ہوسکے بلکہ وُہ جوہرِ نُورانی ہے جس سے کمالِ انسانی مُحقّق ہے۔ اور جب دیکھنے والا اپنی بینش کے اندازہ سے ہی ادراک کرتا ہے تو پھر اُس میں اعتراض کا جواز کہاں رہ جاتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ خُدا حجر ہے یا شجر یا پہاڑ یا آسمان خصُوصاً جب اس عقیدۂ عینیّت کی مدار نفوسِ قُدسیہ کی صحیح ترین رؤیت اور مشاہدہ پر ہے جنہیں اس اختصاص سے مشرّف کیا گیا ہے نہ عوام ظاہر بین کی رؤیت، جو اس نعمت سے محرُوم ہیں۔ اور جب اپنے اپنے ادراک کے مطابق عقائد کے مدارج میں تفاوت ثابت ہوگیا تو پھر اس ذب اور تاویل کی حاجت بھی نہیں رہتی جو امام شعرانی نے "یواقیت والجواہر" میں اور مجددؒ الف ثانی صاحب نے "مکتُوبات" میں حضرت شیخؒ کی جانب سے کی ہے کہ یہ عبارتیں شیخؒ کی کتاب میں ملحق اور غیر کی ملائی ہوئی ہیں۔
پھر حضرت قبلۂ عالم صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ کان الشیخ اٰیةً مِنْ اٰیات اللّٰہ (حضرت شیخؒ خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے) اور یہ جو بعض مشاہیر سے منقول ہے کہ شیخؒ دُنیا میں رؤیت کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ما رأی اللّٰہ الا اللّٰہ (خُدا کو خدا کے سوا کسی نے نہیں دیکھا) اور اگر رؤیت نہ ہو تو پھر درویشوں کی کوشش وسوز وطلب وتعب کس واسطے ہے۔ شاید وہ حضرات بھی شیخؒ کے مقصود کو نہیں پہنچے۔ شیخؒ رؤیت کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ "فتوحات" میں فرمایا ہے ؎

اذا ما تجلی الحبیب بای عین اراہ　　بعینہ اری لا بعینی اراہ

یعنی جب محبُوبِ حقیقی تجلّی کرے تو اس کو کس آنکھ سے دیکھوں اُس کو اُسی کی آنکھ سے دیکھوں گا نہ اپنی آنکھ سے
خواص اس مقام میں شاہد و مشہود کو آلائش غیریت سے پاک بجز حق کے نہیں جانتے۔ وُہی ذاکر وُہی مذکور وُہی شاہد وُہی مشہود لیس فی الدار غیرہ (اس کے سوا گھر میں کوئی نہیں) حدیث قدسی نے اس معنی کو بیان کیا ہے۔ بی یسمع وبی یبصر اِس مشاہدہ میں شاہد کا سب تن بمنزلہ آنکھ ہو جاتا ہے اور ہمہ تن جمالِ حق کو دیکھتے ہیں۔
ع ہمہ دیدہ گشتہ چو نرگس تنش (اس کا تن نرگس کی طرح آنکھ بن جاتا ہے)
اور یہ مقام حضرت شیخؒ کے مستفیضین شیخ ابن الفارضؒ وغیرہ کو بھی حاصل ہے اور حضرت جامیؒ کی مُراد بھی اس شعر سے یہی ہے ؎

بسے منزل آمد ز من تا بتو　　نشاید تُرا یافت اِلّا بتو

(یعنی تیرے اور میرے درمیان بہت منازل ہیں اور تجھے تیرے بغیر پانا ممکن نہیں)

؎ تجھے دیکھنا بھی جاناں ہے تری نظر سے ورنہ　　کہاں تیرا حُسنِ مُطلق کہاں میری کم نگاہی

اور یہ جو شیخؒ سے منقول ہے کہ خاتم الانبیاءؐ مقام ولایت میں خاتم الاولیاءؒ سے اخذ کرتے ہیں۔ بظاہر یہ کلام مُنکرین پر گراں گزرتی ہے لیکن از رُوئے معنی، اہلِ معنی پر گراں نہیں۔ کیونکہ خاتم الانبیاءؐ اور خاتم الاولیاءؒ میں اس طرح کا سلسلۂ اتحاد و اتصال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کے لیے ولی بمنزلہ اعضاء و آلات ہو جاتا ہے۔ مثل ہاتھ۔ پاؤں۔ کان۔ آنکھ وغیرہ کے۔ انسان ہاتھ کی امداد

سے پکڑنے کا فیض حاصل کرتا ہے اور چلنے میں پاؤں سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ دیکھنے کی چیز کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔ سُننے کی چیز کو کان سے سُنتا ہے لیکن ان اعضاء وجوارح خادمہ کو نفس ناطقہ پر فضیلت نہیں ہے۔ ایسا ہی جبریل علیہ السلام کو باوجود علم وحی سے واسطہ ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر فضیلت نہیں پس خاتم الاولیا کو خاتم الانبیاء پر کس طرح فضیلت ہو سکتی ہے؟"

مترجم کہتا ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ کا یہ ملفوظ توحید وجودی کے بیش بہا اسرار و رموز پر مشتمل ہے لیکن اس سے صحیح طور پر وُہی مستفید ہوگا جسے اَرواحِ طیّبہ کے توجہات سے اس مسئلہ کے ساتھ مُناسبت ہو ورنہ شیخ ابن تیمیہ جیسے عُلماء اس معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے اور توحیدِ وجودی کو حلول سمجھ کر حضرت شیخ اکبرؒ اور اکابر مشائخ وجودیہ کے خلاف اپنی تصانیف میں سخت نازیبا کلمات تحریر کیے اور زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو شیخ ابن تیمیہ کی اندھی تقلید کرتے ہُوئے اس تحقیق اور وُسعتِ معلومات کے دور میں بھی وُہی کچھ ہانک رہے ہیں جو ابن تیمیہ نے کہا۔ حالانکہ شیخ ابن تیمیہ کئی ایک مسائل میں جمہور اہلِ اسلام سے منفرد ہوئے۔ جس کی بناء پر شیخ الاسلام تاج الدین سبکی اور دیگر معاصرین نے ان کے خلاف کتابیں لکھیں منطق کا ادنےٰ طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ حلول میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے حال اور محل۔ جیسے خوشبو حال ہے اور گلاب محل۔ اور حضراتِ وجودیہ کے نزدیک سوائے ذاتِ حق کے غیر کا وجود ہی نہیں تو حلول کہاں سے آیا۔

ملفوظ - ۱۷۱

فرمایا حضرت شیخ اکبرؒ اکابر و اعاظم اولیاء اللہ سے ہیں۔ قرآن وحدیث سے استنباط میں پایہ عالی رکھتے ہیں۔ ان کی مؤلفات میں کوئی ایسا مسئلہ مذکور نہیں کہ جس کی اصل کتاب وسنّت سے بیان نہ فرمائی ہو۔ اُن کے متعلق شک وطعن کی وجہ بعض لوگوں میں تو تعصّب ہے اور بعض میں ان کی اصطلاح پر عدم اطلاع یا معانی غامضہ سے ناواقفیت ہے۔ ان کا مذہب محو کلّی اور نفی وجود تھا۔ ولایت مقیّدہ محمدیؐ ان پر ختم ہے۔ اور یہ جو اُن کی کتاب میں مذکور ہے کہ خاتم الاولیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت امام مہدی علیہ السّلام ہیں۔ اس سے ان کی مُراد ولایت عامہ شریعت محمّدیہ ہے۔ اور شیخ کی ختمِ ولایت سے مُراد ولایتِ مکاشفات واسرار ہے۔ اُنہوں نے اپنی ختمِ ولایت کے بارہ میں حرم شریف میں ایک خواب دیکھا تھا کہ جنّت کو اس طور پر تعمیر کرتے ہیں کہ لبنۃٌ من ذھب ولبنۃ من فضۃٍ (ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی) جب بنا قریب الاختتام ہوئی اور دو اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تو مجھے (حضرت شیخ کو) ان اینٹوں کی جگہ رکھ دیا اور بنا مکمّل ہوگئی۔ پس ایک ولی اللہ سے جو حرم شریف میں مقیم تھے اس خواب کی تعبیر پُوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس رؤیا کا دیکھنے والا خاتم الانبیاءؐ کی اُمت میں خاتم الاولیاءؒ ہے۔ اور فتوحات میں لکھتے ہیں کہ عسی ان اکون ھو (شاید وُہ میں ہُوں) اور اظہار اس دعویٰ نہ کیا۔ بعدہٗ باجازت سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم "فصُوص الحکم" میں اپنی ختمِ ولایت کا اظہار فرمایا۔ اور اس عقدہ کا حل کہ شیخ دو اینٹ کی جگہ بھی رکھے گئے اور دیکھنے والے بھی خود ہی تھے یہ ہے کہ یہ معاملہ عالم مثال کے تمثیلات سے ہے اور اس عالم میں ایسے واقعات کہ ایک ہی وجود [illegible] بلکہ موجود ہو کثیر الوقوع ہیں اور بعض اولیاء اللہ کا ایک ہی آن میں مواضع متعدّدہ میں دیکھا جانا اسی قسم سے ہے"۔ مترجم کہتا ہے کہ جب [illegible] ب ہیں، جو عالم مثال سے ہے بعض اوقات ایک ہی آدمی اپنے دو یا زیادہ وجود دیکھتا ہے تو مکاشفہ میں کیا بُعد ہے۔

ملفوظ - ۱۷۲

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شیخ اکبرؒ "فتوحات" میں فرماتے ہیں کہ میزانِ اعمال میں سب سے بھاری [illegible] درپلّہ میزان کی کمی دُور

کرنے والی چیز کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ جب اِس کلمہ کو، کہ جامع ہے نفیِ غیر و اثباتِ حق میں، میزان کے پلّہ میں لائیں گے تو وُہ پلّۂ میزان بھاری ہو جائے گا۔ اور نیز حضرت شیخؒ نے فرمایا ہے کہ کلماتِ طیّبات مثلاً ذکرِ تہلیل و تسبیح وغیرہ جب ذاکر کے منہ سے نکلتے ہیں وُہ عالمِ مثال کی طرف بلند ہو کر اجسام بن جاتے ہیں اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ شیخؒ کے فرمودہ میں کچھ شک نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اعمالِ صالحہ برزخ اور حشر میں اپنے عاملین کو صورت ہائے حسنہ کی شکل میں ملیں گے۔ مترجم کہتا ہے کہ اِس تحقیق کے بعد اُن نصوص میں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی جن سے اعمال کا تولنا اور مجسّم شکل میں نظر آنا وغیرہ ثابت ہے۔

ملفوظ ۔ ۱۷۳

ایک دِن حضورِ انور قدس سرّہ کی خدمت میں ایک بوڑھا ضعیف آدمی جس کی نظر کمزور تھی اور جسے سُنائی بھی کم دیتا تھا، حاضر ہوا اور رونا شروع کر دیا کہ گھر میں مجھ سے اچھّا برتاؤ نہیں کرتے۔ سب پر ایک بوجھ بن کر رہ گیا ہوں۔ فرمایا "باباجی جس شہباز کی بدولت وقتِ عزیز خوش گزرتا ہے۔ اَب وُہ پرواز پر تیّار ہے۔ یہ زمانہ کی روش ہے کہ گھر والے اِس موقعہ پر ذرا کم توجہ دیتے ہیں۔ یہ معاملہ ہر ایک سے ہوتا چلا آیا ہے۔ رونے دھونے سے کیا فائدہ۔"

ملفوظ ۔ ۱۷۴

فرمایا "فتوحات میں بہشت کے بارے میں جو کچھ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہشت باعتبارِ منازل و مدارج چند انواع پر مشتمل ہے۔ مقلّدین و زمرۂ اہلِ نظر کے لیے جنّتِ اعمال ہے۔ جہاں لذیذ طعام پاکیزہ میووں، لطیف پینے کی چیزوں اور حُور و قصور وغیرہ سے اُن کی تواضع ہوگی۔ ا[illegible] خواص کے لیے کہ جن کا عرفان و ایقان، مشاہدات کی وجہ سے فریقِ اوّل سے زیادہ اتم و اکمل ہے۔ جنّتِ اختصاص ہے جس میں کوئی چیز از قسم مرغوبات و شہواتِ نفس کے نہیں ہوگی۔ بلکہ وُہ نعمتیں ہوں گی جو چشم و گوش اور دِل کے ادراکات سے بالاتر ہیں کہ نہ وہم میں آسکیں نہ خیال میں سما سکیں۔ حدیثِ قدسی مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشرٍ اسی معنے کی طرف مشیر ہے۔ اِس گروہ اہلِ اختصاص کی عبادت بھی محض بغرضِ عبُودیّت ہوتی ہے نہ بغرضِ نعمت ہائے لذیذہ اور نہ بخوفِ درکاتِ جحیم۔ جنّتِ اعمال میں بعض میوے بلحاظِ ضخامت و جسامت اِتنے بڑے ہیں کہ اُن میں سے ایک ایک زمین و آسمان کے درمیان کی جگہ کو پُر کر دے۔ حضرت الشیخؒ نے فرمایا ہے کہ ذقناہ (ہم نے ان کو چکھا ہے) یعنی واقعہ ہمارا چشم دید ہے۔ اور جنّتِ اختصاص کی ایک سو بیس ۱۲۰ منزلیں ہیں۔ جنّتِ اعمال میں اہلِ تقلید کے منازل، علماء اہلِ نظر سے اعلیٰ ہوں گے۔ کیونکہ ان کی اطاعت اہلِ دلائل سے اِس لحاظ سے اکمل ہے کہ وُہ محض بوجہ تسلیم اور بلا تتبع دلائل ہے لیکن مستدلین (اہلِ دلائل) کا اِحتظاظ و التذاذ منازلِ عرفان و شہُود میں مقلّدین سے زیادہ ہوگا۔ کیونکہ اُن کی معرفت اہلِ تقلید سے زیادہ ہے۔ اگرچہ اُن کی یہ معرفت اہلِ مشاہدہ و اِختصاص کی معرفت سے کم ہے۔"

ملفوظ ۔ ۱۷۵

علاقہ لائل پُور کے ایک عالِم نے عرض کیا کہ "اشارہ بہ سبابہ" کس طرح سے ہے۔ مولینا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی نے

اپنے فتاویٰ میں تصریح فرمائی ہے کہ رفع سبابہ ضروری ہے۔ حضرت قبلۂ عالمؒ نے جواب میں فرمایا کہ جو کچھ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے صحیح ہے۔ ہمارے ملک میں اس سے پہلے کتب حدیث کا رواج نہ تھا اور شغل علوم فقہیہ مروّج تھا۔ پس جو لوگ کتب معتبرہ کثیرہ پر نظر وسیع رکھتے ہیں وُہ تو رفع سبابہ کو خلاف سُنّت و خلافِ مذہب نہیں جانتے۔ مگر جن لوگوں کا مبلغ علم خلاصہ کیدانی اور منیہ تک محدود ہو، وُہ رفع کو خلاف مذہب جانتے ہیں۔ البتّہ یہ فی الواقعہ بات ہے کہ کیفیّت رفع میں اختلافِ روایات ہے۔ گاہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُنگلیاں بند فرما کر رفع فرمایا اور گاہے حلقہ بنا کر۔ امام محمدؒ مؤطا میں روایت کرتے ہیں۔ قبض اصابعہ کلھا ورفع و بصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ناخذ وبہ قال ابو حنیفۃ (رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی سب انگشتِ مُبارکہ کو بند فرما کر رفع سبابہ فرمایا۔ اور ہم فعل رسُول اللہ کی اقتدا کرتے ہیں اور امام صاحب اُبُوحنیفہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ طحاویؒ نے اِس مسئلہ پر بہت سے آثار ذکر فرمائے ہیں۔ اور جو کتب فقہ میں مذکور ہے کہ لیس الرفع فی ظاھر مذھبنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حُجۃ اللہ البالغہ میں اِس کا معنی اِس طرح بیان فرمایا کہ رفع سبابہ مذہب ظاہر کی کتب میں مذکُور نہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنا مذہبِ ظاہر کے خلاف ہے۔ قال فی حجۃ اللہ البالغہ وبعضھم لم یفرق بین قولنا لیست الاشارۃ فی ظاھر المذھب وظاھر المذھب انھا لیست (یعنی اگر کتب فقہ کی عبارت اِس طرح ہوتی کہ ظاھر المذھب انھا لیست تب اشارہ کی نفی ثابت ہوتی۔ مگر جو عبارت کتبِ فقہ میں مسطُور ہے اس میں ذکر ہی کی نفی ہے اصل اشارہ کی نہیں۔ مترجم)

ملفوظ ۔ ۱۷۶

فرمایا۔ کہ جب میں ہندوستان سے بہمراہیٔ جناب مولوی عبدالقدّوس صاحب حضرت قبلۂ عالم سیالوی قدس سرّہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو مجلس میں مولوی صاحب نے خواجہ حافظؒ کے اِس شعر کا معنی اِستفسار کیا ؎

آں تلخ وش کہ صُوفی اُمّ الخبائث خواند   اشھی لنا واحلیٰ من قبلۃ العذاریٰ

حضُورؒ نے فرمایا کہ کسی نے اِس شعر کا معنے غوث الزمان حضرت تونسویؒ سے بھی پوچھا تھا۔ چونکہ ہمارے خواجہؒ کا علم موہُوبی تھا اُنہوں نے فرمایا کہ مصرعِ اوّل بمعنی بشرطِ شیٔ ہے اور مصرعۂ ثانی بمعنی بشرطِ لاشیٔ۔

محرر سطور نے عرض کیا کہ حضُورؒ خود اپنی زبان مُبارک سے اِس معنی کی تشریح فرمائیں۔ فرمایا بشرطِ شیٔ تنزّلات وتعیّنات میں درجۂ معیّت وسریان کی طرف اشارہ ہے۔ اور لابشرطِ شیٔ کا اشارہ درجہ اطلاق و ذاتِ بحت کی طرف ہے۔ گویا حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہماری توجہ کا قبلہ وحدت ذاتیہ اور ہستیٔ مُطلق ہے۔ جو ہر قسم کی آلائش پاک وناپاک سے مبرّا ہے اور ہم تشبیہ کی جانب کہ محلّ دُوبینی ہے التفات نہیں کرتے ؎

پاک بیں از نظر پاک بمنزل برسید   احول از چشم دوبیں در طمع خام افتاد

پاک بیں اپنی پاک نظر سے منزل تک پہنچ گیا مگر بھینگا دُوئی کی وجہ سے طمع خام میں رہ گیا

ملفوظ ۔ ۱۷۷

فرمایا کہ حضرت مجدّد الفؒ ثانی بزرگ ولی اور مقبول اہل اللہ ہیں لیکن اُن کے "مکتوبات" میں جو لکھا ہوا ہے کہ ہم شیخ اکبرؒ کی

توحید سے اُوپر گذر گئے ہیں۔ اور شیخؒ کی توحید ہمارے طے شدہ مقامات سے ہے۔ اس میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کو شغلِ اوقات نے حضرت شیخؒ کی کتابوں کے بالاستیعاب مطالعہ کی فرصت نہیں دی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی "مکتوبِ مدنی" میں ایسا ہی فرمایا ہے کہ مجدد صاحبؒ نے تفصیلاً کُتبِ شیخؒ کا ملاحظہ نہیں فرمایا۔ ورنہ ایسا نہ فرماتے۔ ہمارے اور شاہ ولی اللہؒ کے قول کی یہ دلیل ہے کہ توحید وجُودی دو قسم کی ہے۔ اوّل وُہ جو سالک کو اثنائے سلوک بہ سبب ذہول عما سوی اللہ کے پیش آتی ہے اور اس میں استغراق عدم فرقِ مراتب اور اختلافِ احکام بحسب درجۂ امکان کا مُوجب ہوتا ہے۔ اس مقامِ توحید کو حضرت شیخؒ "فتوحات" میں سالک کے نقصان سے نشان دیتے ہیں۔ دوم توحیدِ کاملین ہے کہ انتہائے منازل میں، ذہول کے باعث نہیں بلکہ مشاہداتِ یقینیہ سے حاصل ہوتی ہے شیخؒ توحید کی اس دُوسری قسم والوں سے ہیں۔ اور لیس فی الوجود الاھو کے قائل۔ اور ورُودِ احکامِ شرعیہ کا اعتراض اس طرح رفع کرتے ہیں کہ حقیقتِ واحدہ جس میں اثینینیت اور دُوئی قطعاً ملحُوظ نہیں وُہ تو کمالِ ذاتی کے اعتبار سے ہر اُس چیز سے منزّہ ہے جو دل میں آئے۔ وہاں اجرائے احکام کی گنجائش کہاں۔ وہاں تو احکام مرتبۂ تنزّلات وتعیّنات پر وارد ہوتے ہیں اور تلوثِ عیُوب کی نسبت جاعل اور مظہر تک نہیں پہنچتی۔ بلکہ یہ امر بعض طبائع دون بعض تک مقصور ہے اور اجسامِ کثیفہ کے خواص سے ہے۔ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ حقیقت بین نظر میں عینِ واحد اور احکام مختلف ہیں کیونکہ مظاہر کی ہستی دونو عدموں کے درمیان مستعار ہے نہ خود بخود ظہور کیا نہ اپنے آپ قائم ہے بلکہ ظہور و قیام میں مظہر وقیوم کی طرف محتاج ہے۔ گویا مظاہر کا ظہور اسم ظاہر کے ظہور سے ہے۔ ورنہ ممکناتِ زائلہ حادثہ کی کیا قدرت کہ بجز فیضِ ربُوبیّت ھوالظاھر کوئی مُستقل نام ونشان رکھیں پس بہ ایں معنی غیریّت منتفی ہے لیکن ان مقبُولوں کے نزدیک حفظِ مراتب توحید ضرُوری ہے ؎ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اہلِ توحیدِ شہُودی بھی ایسا ہی کہتے ہیں کہ موجُودِ حقیقی بجُز ذاتِ حق جہان میں نہیں ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ "مکتوُبات" میں اس طرح فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہستی وہم وخیال ہے۔ اور وُہ اعتراض [illegible] کا رفع اس طرح کرتے ہیں کہ اقتضاء حکمتِ الٰہی نے ہستیٔ موہُوم کو بروئے ترتبِ احکام بعرصِ [illegible] ان کے حالات و درجات کے مطابق بود وجود کے رنگ میں نمایاں کیا ہے تاکہ کارخانہ عالمین حسبِ ارادۂ ربّی جس نظام سے وُہ چاہیے ظہور پذیر ہو۔

ملفُوظ - ۱۷۸

حضُورِ انور قدس سرّہٗ نے صُبح کی مجلس میں فرمایا کہ سیّدنا الشیخ محی الدّینؒ ابنِ عربی اس درجہ کے عظیمُ الشان ولی ہیں۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضُور سے بایں امر مامُور ہُوئے کہ "منبر پر چڑھ اور ذاتِ حق کی حمد وثناء اور میری مدح بیان کر" معاذ اللہ ایسے شخص کے حق میں اُن کی شان کے خلاف کلمات کیونکر جائز ہیں۔ مگر گروہِ علمائے زمانۂ ماضی وحال جو کہ اُن کے اشارات ومعانیٔ عمیقہ کے مقصُود تک نہیں پہنچتے وُہ بھی معذُور ہیں۔ ایک دفعہ مجھے باصرار دیوان صاحب اجمیری پشاور جانے کا اتفاق ہُوا۔ اُن دنوں اتفاقاً قاضی سراج الدین صاحب مرحُوم تبرّکاً فتوُحات اور فصُوص کا سبق پڑھتے تھے۔ وہاں اثنائے درس پشاور اور افغانستان کے بڑے بڑے عالم موجُود تھے وُہ سبق سُننے کے بعد کہتے تھے کہ افسوس ہم ایسے بڑے عالم محی الدّینؒ ابنِ عربی کے حق میں بے جا کلماتِ تضلیل کہتے رہے۔ جیسے فتوُحات کے خُطبہ میں شیخؒ نے فرمایا ہے۔ "فلما حیرتنی ھذہ الحدیقۃ انشدت۔ فالرب حق والعبد حق۔ فیالیت شعری من المکلف" یعنی جب اس باغ کی سیر نے مجھے حیران کیا تو میری زبان

سے بے ساختہ یہ شعر نکل گیا کہ رب بھی حق ہے اور عبد بھی حق ہے تو عجب ہے کہ مکلّف کون ہے"۔ اس میں شیخؒ نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سالک کو اثنائے سلوک واردات و حالات پیش آتے ہیں۔ اور مقامِ کمال کے لحاظ سے ان میں پھنسنا سالک کا نقصان ہے مگر شیخؒ اس مقام سے گذر گئے تھے اور اُسے طے کر گئے تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر "فتوحات" میں کئی جگہ مذکور ہے مگر بعض مشایخ نے تمام "فتوحات" میں وسیع النّظر نہ ہونے کی وجہ سے اوّل خطبہ ہی کو دیکھ کر شیخؒ کو اس مقام میں محصور سمجھ لیا چنانچہ مجدّد صاحبؒ سے بھی ایسا ہی ہوا۔

ملفوظ - ۱۷۹

فرمایا کہ حضور غوث الزّمان حضرت خواجہ تونسویؒ کے حضور میں کسی مولوی نے عرض کیا کہ یہ شعر کس طرح سے ہے ۔

چوں مددِ پیر مرا گشت یار چیست مرا حاجتِ آمرزگار

دُوسرے مصرعہ میں لفظ آموزگار ہے یا آمرزگار؟ حضورؒ نے فرمایا "آمرزگار ہے"۔ نماز کا وقت تھا۔ نماز کے لیے اُٹھے۔ بعد فراغت نماز اُس مولوی نے عرض کیا کہ مددِ پیر کے حصول سے آمرزگار کی جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے کیسے حاجت نہیں رہتی۔ حضورؒ کے مزاجِ اقدس میں وجد اور جلالیّت بہت تھی۔ فرمایا "جب ربّ العالمین شیخ کے مظہرِ اتم میں تیرے لیے متجلّی ہوا ہے اور بحکم یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ تونے اس سے بیعت کی اور عہدِ اطاعت فرمان کیا پھر اور کس خدا کی تلاش کرتا ہے (یعنی شیخ کو چھوڑ کر بلا واسطہ خدا کی تلاش اور وصول عام طور پر ممکن نہیں) عارف جامیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

رُستن ازیں پردہ کہ جانِ تُست بے مددِ پیر نہ امکانِ تُست" (مترجم عفی عنہ)

ملفوظ - ۱۸۰

ایک آدمی جس نے مولویانہ لباس پہنا ہوا تھا حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حاجت مندانہ سوال پیش کیا۔ حضرتؒ نے ماحضر سے اس کی حاجت روائی اس کے حال کے مناسب کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب اگر آپ یہاں استفادہ اور اد پڑھنے کا کرتے تو آپ کے حق میں بلحاظ منافع دُنیاوی زیادہ بہتر ہوتا۔ روپیہ پیسہ جو آنی جانی چیز ہے اُس کے حصول سے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ ہمارے پختہ مکان دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس بہت دولت ہے۔ حالانکہ ان مکانوں کی تعمیر ہماری سعی و ہمّت سے نہیں ہوئی بلکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جلّ وعلیٰ شانہٗ نے اپنے بندوں کے دل میں یہ بات ڈال کر ان سے یہ کام کرا دیا۔ درویشوں کو مال جمع کرنے کے لیے نہیں بٹھایا جاتا۔ بلکہ ہمارے مذہب میں تو مال کا جمع کرنا ناجائز ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوئی۔ ہماری آمدنی امدادِ الٰہی سے ہے۔ ہماری ملاقات کا ارادہ جن کے دل میں ڈالتا ہے ان کی شب باشی کا سامانِ معیشت بھی خود ہی بھیج دیتا ہے۔ اور ہم کو بھی اسی کے لنگر سے روٹی دینے کی اجازت ہے۔

ملفوظ - ۱۸۱

ایک دفعہ حضورِ انور قدس سرہٗ بکڑالہ تشریف لے گئے۔ وہاں راجہ محمد خاں علاقہ دار و رئیس بکڑالہ۔ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر میاں محمد صاحب کھڑی والہ کی طرف سے سلام پیش کیا اور اُمّتی مرد کے ایک سیدہ کے ساتھ نکاح کے متعلق ایک فتویٰ

جواز کا ذکر کیا جو موضوع چھڑ الی[illegible] ایک ایسے واقعہ کے بعد بعض عُلماء نے دیا تھا۔ اَور خدشہ ظاہر کیا کہ ایسے فتاویٰ سے دُنیا میں طُوفانِ بے ادبی پیدا ہوگا۔ حضورؒ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گُستاخ اَور بے اَدب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ جو لوگ عِترتِ نبوّتؐ سے بے ادبی کرتے ہیں وُہ ازلی بدبخت ہیں۔ نہ وُہ ہمارے پاس آتے ہیں اَور نہ ہی ہم اُنہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مفتی صاحبان بھی عجیب ہیں۔ اگر کوئی لفظ عالِم کو بصیغۂ تصغیر عُویلم پڑھ دے یا علماء کے جُوتوں کی توہین کر دے تو ایسا کرنے پر تو وُہ فوراً اُلکفر کا فتوےٰ صادر کر دیتے ہیں۔ مگر سفینۂ محمّدی کی بے حُرمتی کرنے والے کو وُہ کچھ نہیں کہتے۔ حالانکہ عطا کا شرف بوصفِ علم کے ہے جو ذاتی نہیں اَور بغیر عمل کے جس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کے برعکس اہلِ بیتِ نبی علیہ السّلام کا شرف ذاتی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف انتساب کی وجہ سے اُنہیں موہُوب ہُوا۔ مترجم کہتا ہے کہ حضرتؒ کے اس ملفُوظ کا مطلب یہ ہے کہ اُمتی کے ایک سیّدہ کے ساتھ رشتۂ اِزدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد اُن آداب کا ملحُوظ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے جو اہلِ بیتِ کرام کے لیے ضروری ہیں۔ لہٰذا اِس رشتہ کا اقدام کرنا محلِ خطر ہے۔

ملفُوظ - ۱۸۲

فرمایا۔ ”راولپنڈی کے غیر مقلّدین اِن دنوں اہلِ سُنّت کے ساتھ مقابلہ کے لیے چندہ فراہم کرنے کے درپے ہیں۔ اُنہوں نے اِس مقصد کے لیے ضلع ہزارہ کے ہمارے ہم مشرب بھائیوں کی طرف بھی خط لکھّے ہیں۔ ایک ایسا خط میری نظر سے بھی گزرا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہمارا مقابلہ گروہِ مُرتدین ومُلحدین (اہلِ سُنّت والجماعت) سے ہے۔ ہماری اِمداد اَور فریادرسی کریں۔ راولپنڈی کے بعض ہندوستانی لوگ جو اُن کے غلط پراپیگنڈا کے چکّر میں آ گئے تھے۔ اِمتحان اَور تجربہ کے لیے یہاں (گولڑہ شریف) آئے۔ یہاں کا حال دیکھنے اَور باتیں سُننے کے بعد بہت نادم اَور عذر خواہ ہُوئے کہ ہم ایسی مجالس سے بیزار ہیں جن میں بدگوئی کی جائے اَور گالی گلوچ و تکفیر سے مومن کی آبرُو کا لحاظ نہ کیا جائے۔ ہم نے یہاں آکر جو کچھ دیکھا وُہ اُس کے بالکل برعکس تھا جو ہم نے سُنا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے تمہارے راہنماؤں کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے۔ ہمارے مذہب میں تو سب کا اصل ایک ہی ہے کہ وحدتِ ذاتیہ ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے ایسے لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے جو اپنی سادہ لوحی؛ کمیِ علم اَور مجالس اہلِ سنّت والجماعت میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے اِس ورطہ میں پھنس جاتے ہیں۔ وُہ مخالفین کی مجالس میں بھی جب پے درپے قال اللہ وقال الرسُول سُنتے ہیں تو حضُور علیہ السّلام کے نام پر قربان ہوتے ہیں۔ وُہ بے چارے یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ جال ڈالنے والے ہیں۔ جو غرض برائیِ فاسد اَور شرکِ خفی کی کمین گاہوں میں چھُپے بیٹھے ہیں۔ اَور اُن کا اصل مقصد انہیں پھانسنا ہے۔ حضُورؐ سراپا نُور جو ملّتِ بیضاء کے لیے مبعُوث ہُوئے تھے آپؐ کی دعوت و تذکیر کا یہ طریقہ ہرگز نہیں تھا۔“ مترجم کہتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالَم کے اس مختصر ارشاد کے بعد جامع ملفُوظات رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلّدین کے متعلق بہت کچھ تحریر فرمایا ہے کیونکہ اُس زمانے میں بھی مقلّدین اَور غیر مقلّدین میں ایسے ہی جھگڑے شروع تھے جیسے آج اِس دَور میں چل رہے ہیں۔ خود مقلّدین کی مختلف جماعتوں میں بھی یہ سِلسلہ شروع ہے۔ کہیں ”علمِ غیب“ کے جھگڑے ہیں اَور کہیں ”نُور و بشر“ وغیرہ کا مسئلہ ہے۔ افسوس کہ اپنی تو خبر نہیں لیکن انبیاء علیہمُ السّلام اَور اُن کے کاملین اَتباع کے کمالات تولنے کے لیے ہر نیم مُلّا بر سرِ میدان اکھاڑے کا پہلوان بنا ہُوا ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا ۔۔۔ کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

محرّرِ سطور کہتا ہے کہ سامعین کو چاہیئے کہ اِس ملفوظ شریف کو از قبیلِ پندِ سُود مند و کلمۂ حکمت جانیں۔ اور دُوسروں کے مصائب سے نصیحت حاصل کرتے ہُوئے ہلاک نہ ہوں۔ اور غیر مقلّدین کی کثرتِ روایاتِ حدیث پر غرّہ نہ ہوں ؎

اَے کبکِ خوش خرام کہ خوش میروی بہ ناز غرّہ مشو کہ گربۂ عاجز نماز کرد

(اَے ناز سے مٹک مٹک کر چلنے والے خوش رفتار کبک، ذرا خیال رکھنا اور اِس وجہ سے نہ اِترانا کہ بی بلّی بے چاری تو نماز و مُناجات میں مشغُول ہے کیونکہ اُس کی نماز دامِ فریب ہے۔ (مترجم)

اِن بزرگوں کی قال اللہ و قال الرسُولؐ قرآن شریف کو نیزوں پر لٹکانے والوں کی طرح ہے۔ تاکہ ہر حیلہ سے اپنے مخالفین کو قرآن و حدیث کے مخالف ثابت کریں۔ اہلِ حدیثِ زمانۂ حال کی ہمّت پر ہزار آفرین ہے کہ اِس دُنیا کی متاعِ قلیل کے لیے وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کے ساتھ صِلہ کا حکم فرمایا ہے اُسے قطع کرتے ہیں) کے مصداق بنتے ہیں۔ اور لوگوں کو نصیحت کرنے کے لیے زبان ایسے چلاتے ہیں جیسے اسپِ تازی۔ اور جب اپنے سر پر عمل کی نوبت آتی ہے تو سوال اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ کے جواب میں اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ آتا ہے۔ چہ جائے احادیث صاحب خلقِ عظیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ؎

مے خوری خُونِ مسلمان چو آیت خواند بانگ و فریاد براری کہ مُسلمانی نیست

(یعنی جب کوئی مسلمان قرآن کی آیت تجھے سُنائے تُو اس کا خُون پیتا ہے۔ اور پھر بھی فریاد کیے جاتا ہے۔ کہ مُسلمانی نہیں رہی) کسی نے خوب کہا ہے ؎

عجبت من الشیخ و زھدہ وذکرہ النار و اھوالھا

ویکرہ ان یشرب من فضۃ ویسرق الفضۃ ان نالھا

(میں جنابِ شیخ صاحب اور ان کے زُہد و اتقاء اور ان کے دوزخ اور اس کے ہَولوں کے ذِکر سے حیرت میں ہُوں۔ آپ چاندی کا برتن اِستعمال کرنا تو مکرُوہ جانتے ہیں۔ ولیکن اگر ان کے ہاتھ چاندی کی کوئی چیز چڑھ جائے تو جھٹ چُرا لیتے ہیں۔ مترجم)

مقلّدین مذاہبِ حقّہ کے سوادِ اعظم میں سے اِس گروہ کا اہلِ حدیث کے لقب سے موسُوم ہونا ایسا ہے جیسے مُنکرینِ قدر اپنے آپ کو قدریہ سے موسُوم کرتے ہیں۔ قدرت کا عجیب اِتفاق ہے۔ ورنہ سب مومن بعد الایمان بما جاء بہ النبی الرّحیم من اللہ العزیز الحکیم اہلِ حدیث ہیں مگر نہ بمعنی مذکور۔ قطب المفسّرین فتح العزیز میں آیہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا کے تحت لکھتے ہیں (پس جن کی اطاعت بحکمِ خداوند کریم فرض ہے چھ گروہ ہیں۔ از اں جملہ پیغمبر ہیں الخ۔ واز اں جملہ مجتہدینِ شریعت و شیوُخِ طریقت ہیں کہ ان کا حکم بھی بطریقِ واجب عوام امّت پر لازم الاتباع ہے کیونکہ فہمِ اسرارِ شریعت و دقائقِ طریقت انہی کو میسّر ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ انتہیٰ (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذِکر سے پُوچھو) اُستاد المحدّثین شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عقد الجید فی مسئلۂ تقلید میں کافی تفصیل فرمائی ہے (خلاصہ یہ کہ بہ اجماعِ عُلمائے اسلام حق کا دائرہ چاروں اماموں کے درمیان مذاہبِ حقّہ کی تقلید میں اُمّت کے لیے مصلحتِ عظیمہ و خدماتِ غیبیہ ہے اور یہ امر بہ منشائے [illegible] مرعی ہے) امامت و اجتہاد مناصبِ معینۂ حق و سُنّتِ الٰہیہ میں سے ہے جس کے لیے تبدیلی نہیں۔ جیسا کہ آیۃ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (ہم نے مُوسیٰ علیہ السّلام کو کتاب دی اور اُسے بنی اسرائیل کی ہدایت بنایا اور ان سے ائمہ بنائے جو ہمارے امر کے مطابق ہدایت کرتے تھے) سے ظاہر ہے اور

تقلید سے مُطلق انکار کب سرانجام پا سکتا ہے۔ حدثنا الزہری وحدثنا سفیان کی صحت قول پر سامع کے نزدیک شیخ کی نجابت سے سوائے امر حُسنِ ظن درحق اہلِ ایمان اَور کیا دلیل ہے۔ پھر جب امر حُسنِ ظن پر ہی موقوف ہے تو مستحق مظنۂ خیر بدرجۂ اوّل وُہی لوگ ہیں کہ عالمِ علوی میں جن کی قبولیّت کا عکس ندائے رُوح الامین کے واسطہ سے عالمِ سفلی میں متجلّی ہوا اور جو اب تک اور آخر الزمان تک بھی سب مُسلمانوں کے مقتدا و مقبول ہُوئے ہیں (یعنی طائفۂ اہل اللہ) مشاہدہ کو شاہد (گواہ) کی حاجت نہیں۔ عیاں را چہ بیاں۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔

دیکھئے کہ امام محمد غزالیؒ جیسی عظیم ہستی اَور حافظ جلال الدین سیُوطیؒ جیسے بزرگ جن کے متعلق کہا گیا کہ للسیوطی مِنَّۃٌ عَلَی الْعَالَمِیْنَ (سیُوطیؒ کا احسان سب جہان پر ہے) کو بھی شافعی المذہب ہونے (تقلید) سے چارہ نہیں۔ شیخ الاسلام ابن ہمامؒ و علّامہ عینیؒ و امام مجتہد امام محمدؒ کو حنفیت سے چھُٹکارا نہیں۔ علماء خواص و شیخ عبدالوہابؒ شعرانی کو مالکیّت سے فخر و تبرّک ہے۔ اَور دیگر اکابرینِ اُمّت نے بھی اس تقلید کی رسّی کو گردن سے نہیں اُتارا۔ مگر غیر مقلدین ہیں کہ اُنہیں مجتہدین کی حاجت اَور پرواہ نہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ ہم اصحابِ ظواہر کے مسلک پر ہیں۔ حاشا و کلا۔ تمام ائمہ اصحابِ ظواہر نے صُوفیاں مجذُوبُ الحال کی مانند بباعثِ فرطِ محبّت، اقوال و افعالِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں تاویل کا طریقہ اختیار نہیں کیا اَور بحکم حبك الشئ یعمی ویصم (محبّت اندھا بہرہ کر دیتی ہے) ظاہر احادیث پر عمل کیا۔ وُہ حفّاظِ حدیث تھے۔ اُنھوں نے آج کل کے اہلِ حدیث کی طرح مسئلۂ آمین و رفع یدین کو عناد و ریا کی نیّت سے رئیس الاعمال نہ کہا۔ اَور نہ ہی اپنے مذہب کی تدوین میں اَور نہ عناد و فساد سے مجتہدین و فقہاء کی سب و شتم پر قدم اُٹھایا۔ اَور نہ قائلین کلمۂ توحید کو مرتد و مُشرک و مُلحد قرار دیا۔ ہاں اس کے باوجُود اتنی سی تاویل سے تو کسی کو چارہ نہیں جس سے کارِ دین کی راستی درست ہو سکے۔ ورنہ اس مُستدل کی طرح ہوگا جس نے جسمانی آنکھوں کے نابیناؤں کا کفر آیت مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (جو دُنیا میں حق سے اندھا رہا وُہ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا) سے ثابت کیا۔ اہلِ رفض و تشیّع بھی لا مذہبیّت سے غیرت کرتے ہیں۔ اَور اپنا انتساب حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف کرتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کا کوئی مستقل مذہب مدوّن ہوا یا نہ ہو۔ اَور وُہ عُلماء و فقہاء مدینہ طیّبہ کے مسلک پر ہیں۔ وہابیوں کے گروہ کی بے ادبی و حق ناشناسی اَور سلاسلِ اربعہ کے مشائخ اَور مذاہبِ اربعہ کے علماء و فقہاء کی تکفیر و تشنیع یہ سب اُن کے نجدی سرگروہ کی تعلیم کے اثر کی وجہ سے ہے جس نے بلادِ اسلامیہ میں قتل و خُوں ریزی برپا کرنے اَور سلاطینِ اسلام اَور اُولی الامر کے خلاف بغاوت کے علاوہ اپنے اقوال میں بھی ایسی بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے کہ خُدا کی پناہ۔ کہتا ہے کہ "مشرکینِ اوّلین لات و عزّیٰ کی پرستش کرتے تھے اور مشرکینِ آخری محمدؐ اَور علیؓ کی پرستش کرتے ہیں"۔ اُمّت کے ہر شخص پر یہ امر ظاہر ہے کہ اسلام کے اصُول و فروع کا اصلِ اعظم توحید ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بلکہ سب انبیاءؑ کی بعثت سے غرض اسی مقصُودِ اعظم کی تبلیغ ہے۔ مومنینِ اوّلین و آخرین میں سے کسی شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو معبُود قرار نہیں دیا۔ نماز میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہتے ہیں نہ ہی کسی نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ عبادات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے ادا کیا۔ مگر شیخ نجدی اَور اس کے متبعین کو آں جنابِ عالی کی تعظیم و تکریم و تفخیم و توقیر و تبجیل و ابتہال و استغاثہ و مخاطبہ و ندا سے بُغض ہے۔ فتح العزیز میں مذکور ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا علم افرادِ امّت کو محیط ہے۔ مواہب لدُنّیہ میں مذکور ہے۔ اذلا فرق بین موته وحیاته صلی الله علیه واله وسلّم فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم ونیاتهم

وعزائمهم وخواطرهم وذلك عنده جلی لاخفاء بہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اپنی اُمّت اور اُن کے احوال ونیات وعزائم وخواطر کی معرفت کے مشاہدہ میں آپؐ کی موت وحیات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سب اُمور آں حضورؐ کے سامنے ہمیشہ ظاہر ہیں کبھی مخفی نہیں ہُوئے) امام احمد قسطلانیؒ مصنّف مواہب لدنّیہ کا یہ قول اِس حدیث سے ماخوذ ہے جو ترمذی میں ہے۔ فتجلی لی کل شیٔ فعرفت (حضورؐ نے فرمایا میرے لیے ہر شے متجلّی ہوئی پس میں نے اس کو پہچان لیا) اور شیخ عبدالحقؒ محدّث دہلوی اسی حدیث کے جُملہ فعلمت مافی السمٰوات والارض کی شرح میں لکھتے ہیں پس میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ یہ بات تمام علوم جزئی وکلّی کے حصُول اور اس کے احاطہ سے عبارت ہے۔ انتہیٰ۔ ابن حجر مکّیؒ شرح اُمّ القریٰ میں لکھتے ہیں۔ لان اللّٰہ تعالیٰ اطلعہ علی العالم فعلم علم الاولین والاٰخرین ماکان ومایکون۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو علمِ اوّلین وآخرین وماکان ومایکون جتلا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ عارف جب حق کی طرف منجذب ہوتا ہے پس اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ ولی اور فرد تمام عالم عناصر کی جسمانی مخلوق پر حاوی اور مستولی ہوتے ہیں۔ یہ استیلاء انبیاء علیہم السّلام میں تو ظاہر ہے لیکن ان کے غیر میں، جیسے قطب وغیرہ انبیاء علیہم السّلام سے بطور نیابت ووراثت ہوتا ہے۔ اور استغاثہ کی نیّت سے یا احاطہ اور وُسعتِ علم سے قطع نظر کرکے بایں لحاظ ندا کرنا کہ یہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مدح وثناء کے متمات سے ہے بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ حکیم اُمّت شاہ ولی اللہ دہلویؒ قصیدہ ہمزیہ اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں ؎

واٰخر مالمادحہ اذا ما احس العجز عن کنہ الثناء

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مدح کرنے والے کے لیے آخر کار جب وُہ اپنے آپ کو کنہ ثنا سے عاجز پائے

ینادی ضارعًا بخشوع قلب و ذلّ و ابتھال و التجاء

تو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خشوعِ قلب اور ذِلّت و ابتہال کے ساتھ یہ عرض کرے

رسُول اللہ یا خیر البرایا نوالک ابتغی یوم القضاء

یا رسُول اللہ یا خیر البرایا، یوم القضاء میں آپؐ کی عنایت کا طلب گار ہُوں انتہیٰ (مترجم)

ملفوظ - ۱۸۳

فرمایا "اخلاص وُہ چیز ہے کہ چاہے وُہ زمین کے اندر پوشیدہ ہو تب بھی اس کا فروغ آسمان پر تجلّی کرتا ہے۔ اور غرض وغش وُہ چیز ہے کہ اس کا عرُوج آسمان پر بھی ہو مگر سر اس کا پستی میں ہوتا ہے اور اس کی کامیابی ناکامی ہے۔ ذاکر جب خدا کا ذکر بخضوع وخشوع ادا کرے اور اپنا ظاہر وباطن بہ توجّہِ صحیح متوجّہ کرے تو دو باتوں سے خالی نہیں رہتا۔ یا تو اس کا مقصد ومطلب پورا ہو جاتا ہے اور یا ذوق وشوق میں ایسا مشتغل ہوتا ہے کہ دُنیاوی مقاصد کا بُود ونابُود یکساں جانتا ہے اور اس حال وجدان کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ قاعدہ مشہور ہے کہ جو کوئی کسی کے پاس بیٹھے اسی کی رنگ وبُو پکڑتا ہے یعنی ا[illegible] کے فیض وکرم سے خالی نہیں رہتا لیکن اگر کسی کے پاس جانا نصیب ہی نہ ہو تو اس کا رنگ وبُو کیسے پکڑ سکتا ہے۔ اکثر لوگ[illegible] کا خیال ہوتا ہے کہ اُن کا ظاہر باطن سابقہ حال پر بھی قائم رہے اور وظائف واوراد سے فائدے بھی حاصل ہوں۔ ولیکن حق عزّ وجل دلوں کا مالک ہے ظاہر گوئی اور دغابازی سے فریب نہیں دیا جا سکتا۔ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ؕ

ملفوظ ۔ ۱۸۴

حضرت عالی جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عُرس مُبارک کے روز ایک خادم نے حضُور قبلہ عالم قدس سرّہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم مسکینوں کی طرف حضُورؐ کی توجہ دائمی چاہیئے تاکہ ہمارے سب کام درست ہوں۔ جواب میں فرمایا کہ ہر دو فریق کی سلامتیٔ حال اِسی میں ہے کہ ہماری توجہ و تعلق خُداوندکریم کے ساتھ ہو۔ اور تم لوگوں کا تعلق ہمارے ساتھ ہو تاکہ فلاح کی اُمّید واثق ہو۔ اگر ہم اس طرف کو چھوڑ کر تمہاری طرف توجہ اور خیال رکھیں تو پھر کچھ نہ رہے گا نہ تم اور نہ ہم۔

ملفوظ ۔ ۱۸۵

ایک دن مجلس شریف چاشت میں حاضرین کو مخاطب کرکے ایک رُباعی پڑھی جس کا مضمون یہ تھا کہ توحید حق نہ تو سخن سے معلوم ہوسکتی ہے نہ کتابیں پڑھنے سے بلکہ تحریر و تقریر ہر دو اس مقام تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا قیل وقال کو چھوڑ کر اور ہر طرف سے یک سُو ہو کر وجُود موہُوم کی نفی کرے۔ یہ نسخہ فصُوص و لمعات سے نہیں ملتا۔ اِس ملفوظ شریف کے مناسب خواجہ حافظؒ کا یہ شعر ہے

بشو اوراق گرہم درس مائی — کہ علم عشق در دفتر نباشد

(یعنی اگر ہمارا ہم سبق ہے تو اوراقِ کتاب کو دھو ڈال کیونکہ عشق کا علم کتابوں میں نہیں ہوتا)

ملفوظ ۔ ۱۸۶

فرمایا "وُہ اَوراد خوان جو ہر کسی سے وظایف پُوچھتے ہیں۔ اور اپنے شیخ کے فرمُودہ پر اکتفا نہیں کرتے۔ بالضرور نحوست ان کے دامن گیر ہوتی ہے۔ اور آخر رجعت سے نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اور ضرر سے بے کار ہو جاتے ہیں۔ بس نہ وُہ ہوا نہ یہ۔ مگر اپنی اس عادت سے باز نہیں آتے"

ملفوظ ۔ ۱۸۷

ایک دن علاقہ افغانستان سے ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض حاجات کی۔ فرمایا "فجر کی سُنّت و فرض کے درمیان فاتحہ شریف اکتالیس۴۱ بار پڑھنا۔ کلمہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور اٰمین کی تین دفعہ تکرار کرنا۔ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ قضائے حوائج کے لیے کوئی مؤکّل بھیج دے گا اور اسباب بھی حسبِ منشاء مہیّا کردے گا۔ مگر الفاظ وحرُوف کو خراب نہ کرنا۔ توجہ اور حضُورِ دل سے پڑھنا"

بعدہٗ فرمایا کہ بعض لوگوں کا دِل چاہتا ہے کہ ہمارا ظاہر و باطن سابق حال پر بے خشوع و خضوع بھی رہے اور ادعیہ و اوراد بھی محلّ قبوُل تک پہنچیں۔ حق تعالیٰ رازوں کو جاننے والا اور علاّم مافی القلوب ہے۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اُسے ظاہر داری سے ہرگز فریب نہیں دیا جاسکتا۔ اُس کی نظر دلوں پر ہوتی ہے۔ خشوع و خضوع سے کلام پڑھنے والا دو باتوں سے خالی نہیں رہتا۔ یا تو اس کی مُراد بر آتی ہے۔ اور اگر دُنیاوی مطلب حاصل نہ ہو تو بھی حضوُر میں اس کو ذوق شوق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ مشتغل ہو جاتا ہے۔ اور مطالب کے پُورے ہونے یا نہ ہونے سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا اور ذوق

کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔

تاثیر کا منشاء حضورِ قلب اَور توجّہ ہے۔ سوزِ دِل اَور ذوق سے جو کلمہ بھی مُنہ سے نِکلے اثر رکھتا ہے۔ چاہے عربی زبان میں ہو یا غیر عربی میں کِسی نے کیا خُوب فرمایا ہے ؎

حدیثِ عشق مے باید چہ در ہندی چہ در تازی

عِشق کی بات ہونی چاہیئے خواہ ہندی میں ہو خواہ عربی میں حضُور اَور ذوق کے بغیر کلام کیسا ہی کیوں نہ ہو اثر نہیں کرے گا۔

ملفُوظ۔ ۱۸۸

ایک دِن مجلس شریف میں اِس ہندی لطیفہ کو زبانِ مُبارک سے ادا فرمایا ؎

ہتّھاں دی مہندی رانگلی نیناں نوں موڑ

اِس کی تشریح میں فرمایا کہ اِنسان جو ہر موجُودات اَور اکمل مظاہر ہے باقی سب کائنات کے ساتھ ایسی ہی مُناسبت رکھتا ہے جیسا کہ ہاتھ کی مُناسبت حنا (مہندی) سے ہے۔ اَور ایسی سرافت رکھتا ہے کہ سب اسی کے کاروبار اَور خدمت کے لیے مقرر ہیں۔ اَور "رانگلی" میں عالمِ ناپائدار کے نقش و نگار کی طرف اِشارہ ہے جو دِلوں کو فریفتہ کرنے والا ہے۔ اَور الفاظ "نیناں نُوں موڑ" سے یہ مطلب ہے کہ تفرقہ کثرت سے رُوگردانی کر کے جمعیّتِ وحدت کی طرف متوجّہ ہو۔ اَور اللہ تعالیٰ کی طرف آنکھیں پھیر اَور رنگوں کے پیچھے نہ جا۔ بلکہ بے رنگی کو جو رنگوں کی اصل ہے مُلاحظہ کر۔ لیکن یہ مقام بجز سعادتِ ازلی کے نہیں مِلتا سب اسی کے قبول پر موقُوف ہے۔ اَور اس کے فضل و قبول کے مقابلہ میں سب جہان کا اِقبال جَو کے برابر ہے۔

ملفُوظ۔ ۱۸۹

ایک دِن شغل وظائف کے وقت ایک بُوڑھا آدمی دوڑتا ہوا آیا اَور عرض کیا کہ رزق کا غم مجھ پر غالب آیا ہوا ہے۔ فرمایا "پروردگار نے روزی کو روزی خواروں سے پہلے مہیّا کیا ہوا ہے۔ اَور اسباب بھی اُسی تحریر کے موافق ظہُور پذیر ہوتے ہیں۔ تو غم نہ کر تیرے وجُود میں آنے سے پہلے یہ کام سر انجام پا چکا تھا۔ خود کارساز ہماری کارسازی میں ہے۔ بعدہٗ دُعا فرما کر رُخصت کر دیا۔"

ملفُوظ۔ ۱۹۰

حضُور قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو پاسِ آدابِ شرعیہ نہایت درجہ ملحُوظ رہتی تھی۔ ایک روز ایک شخص نے نماز عصر کے بعد حضُورؒ کے سامنے مولُود خوانی شرُوع کی۔ آپ سُنتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد اُس شخص نے راگ کی طرز پر مولُود خوانی شروع کر دی۔ اس پر آپ نے اس کو روک دیا اَور فرمایا کہ ہے تو یہ بھی مولُود شریف، مگر چُونکہ راگ کی طرز پر ہے اِس لیے خلافِ شان بجد ہے۔

ملفُوظ۔ ۱۹۱

ایک دِن شہر گولڑہ میں کسی شادی کی تقریب پر ساز بجانے والے آئے ہوئے تھے۔ حضُورؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہُوئے آپ نے اُن سے دریافت فرمایا۔ کہ تم لوگ کیا کام کرتے ہو۔ عرض کیا کہ باجے بجاتے ہیں۔ قدرے تامّل کے بعد تبسّم کر کے فرمایا

کل حزب بما لدیھم فرحون (ہر گروہ اپنے اپنے ہُنر پر نازاں ہے) ولیکن ؏
گُم آں شد کہ دُنبالِ راعی نرفت
صراطِ مُستقیم بجز اتباع داعی کے نہیں پایا جاسکتا۔ اور یہ اُنہی لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے جو ازل میں سعادت کے فیض سے مشرف ہوتے ہیں پس صراطِ مستقیم اہلِ سعادت ہی کے نصیب میں ہے ؎

در ازل ہر کو بفیضِ دولت ارزانی بود   تا ابد جامِ مُرادش ہمدمِ جانی بود
(ازل میں جس کو فیضِ سعادت مِلا ہو۔ ابد تک اُس کا جامِ مُراد جان کا ہمدم ہوتا ہے)

ملفوظ - ۱۹۲

رجب المرجب ۱۳۳۴ھ عصر کے بعد حضُور مسجد شریف میں مجلس آرا ہُوئے ہجُومِ زائرین سے فُرصت نہ تھی عوام و خواص دُعائے خیر و قدم بوسی سے مستفیض ہو رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ درُود مستغاث شریف میں نبیُ اٰخرِالزمان (باضافت) ہے یا نبیِ اٰخرُالزمان (بضمِ راءِ) ہے۔ حضُورؒ نے مولوی فقیر احمد صاحب پشاوری اور حافظ قاری مولوی غلام محمد وغیرہ عُلماء سے دریافت فرمایا کہ کس طرح ہونا چاہیئے۔ مگر جواب دینے کی کسے مجال تھی۔ حافظ قاری مولوی غلام محمدؐ صاحب نے عرض کیا کہ حضُور نے ہمیں آخرُالزمان بضمِ راءِ بتایا ہُوا ہے۔ اِس لیے ہم تو اسی طرح پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اس کی وجہ بھی معلوم ہونی چاہیئے۔ اور وُہ یہ ہے کہ مضاف و مضاف کے مصداق جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ جیسے غلامِ زید۔ اور صفت موصُوف کا مصداق ایک ہوتا ہے۔ اِس لیے بلحاظ نکتہ پسندی ترکیب توصیفی سے پڑھنا راجح ہے۔ اِس صُورت میں آخرالزّمان بکسرۂ خا منقوطہ بمعنی متاخرالزمان ہے۔ اور فتح سے معنے مختل ہو جاتا ہے"۔ اس کے بعد حضُورؒ نے فرمایا "نئی اور نادر بات بیان کرنے والے پر عام لوگ تو معترض ہوتے ہیں لیکن اہلِ علم و تحقیق، کلمۂ حکمت دستیاب ہونے پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کبریتِ احمر میں تمام نسخوں میں الفاظ فَاغْشَوْشَبَ منہ القفر لکھے ہُوئے تھے۔ اور سب اسی طرح پڑھتے تھے۔ مگر سیال شریف میں جب مجھ سے پُوچھا گیا کہ یہ الفاظ کس طرح سے ہیں۔ تو میں نے جو لفظ بہ ثبوتِ لغت صحیح تھا یعنی عین مہملہ سے فَاعْشَوْشَبَ، وُہ بتایا۔ سب پر یہ امر شاق گذرا کہ خلافِ دستور العمل مشائخ ہے۔ خصُوصاً مولوی صاحب مرولیاں والے جو ہمارے پیر بھائی تھے اُن کو حضرتؒ اعلیٰ اپنے شیخ و مُرشد کی اِتباع میں کمال محبت ہونے کی وجہ سے یہ بات سخت گراں گذری۔ کہ حضُورؒ کے وظائف میں غین معجمہ سے ہے۔ اور عربی زبان میں ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ تو ممکن ہے اغشیشاب کا معنے بھی زمین کا گیاہ در ہونا ہو۔ اِس پر میں نے کہا کہ یہ امکان و عدمِ امکان مفاہیم منطق میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں تو لُغت کا ثبوُت چاہیئے۔ جو سماع پر موقوف ہے نہ اِمکان پر۔ اور یہاں تو یہ معنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزہ سے خشک اور پتھریلی زمین گیاہ در ہوگئی۔ اور یہ معنی اغشیشاب (یعنی منقوط) کا نہیں ہے"۔

مترجم کہتا ہے کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ مجسّم ادب و محبت ہونے کے باوجُود محض مقلّد نہ تھے بلکہ محقق تھے۔ اِس لیے جہاں کوئی ایسی چیز سامنے آئی ادب اور تعظیم سلف کو برقرار رکھتے ہُوئے دامنِ تحقیق کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور سلف کے تسامح کی عمُوماً مؤدّبانہ رنگ میں کوئی تاویل فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تشہد میں رفع سبابہ سے بعض سلف کے انکار کی یہ توجیہ بیان فرمائی کہ اُس زمانہ میں کُتبِ حدیث عام شائع نہیں ہوئی تھیں۔ اِس لیے ان حضرات کو اِس معاملہ میں تحقیق نہ ہو سکی۔

ملفوظ ۔ ۱۹۳

ایک دن مجلس میں دیوان حافظ شیرازیؒ کی پہلی غزل کے اشعارِ ذیل کی اِس طرح تشریح فرمائی :۔

۱۔ اَلَا یَا اَیُّهَا السَّاقِی اَدِرْ کَاسًا وَّ نَاوِلْهَا — کہ عشق آساں نمود اوّل ولے اُفتاد مشکلہا

فرمایا کہ ساقی سے مُراد مُرشدِ کامل ہے اَور مناولت جام سے مُراد التماسِ عشق ذاتی ہے کہ وہاں صفات کا لحاظ نہیں رہتا اَور عشق کے آساں نمودن اوّل سے مُراد جذب واُنس بہ سبب وُرودِ تجلّیات جمالیہ ہے ۔ اَور اُفتادن مشکلات سے مُراد وُرودِ تجلّیاتِ جلالیہ ہے ۔گویا سالک کو وُرودِ تجلّیاتِ گوناگوں از قسمِ لُطف و قہر اَور ایک تجلّی سے دُوسری تجلّی کی طرف آناً فاناً انتقال سے اضطراب پیدا ہوتا ہے ۔مثلاً اگر کوئی شخص زید پر اِس لیے عاشق ہے کہ زید خُوبصُورت مرد ہے ۔جو قسم قسم کے نفیس لباس پہنتا ہے ۔ اَور ہر لباس سے اُس کے حُسن میں کمی بیشی ہوتی ہے ۔پس جو لباس کہ زید پہنتا ہے اُس شخص کا عشق بھی اس لباس کے تابع ہو کر دُوسری صُورت اِختیار کرتا ہے ۔اگر زید ایک دِن میں سو لباس تبدیل کرے تو ہر بار عاشق کے دِل میں نیا اضطراب پیدا ہو گا ۔لیکن جو شخص زید کی ذات (وجُود) پر عاشق ہے وُہ محبُوب کے مختلف قسم کے [illegible] پہننے سے مضطرب نہیں ہوتا ۔کیونکہ اس کی نظر لباس پر نہیں ہوتی ۔ پس خواجہ حافظ صاحبؒ عشقِ ذاتی کی التماس کرتے ہیں کہ وہاں صفات گم ہیں اَور قہر و لُطف یکساں لذیذ معلوم ہوتے ہیں اَور کچھ اضطراب نہیں ہوتا ۔ مُرشد کو بہ لفظِ ساقی اَور عشقِ ذات کو جامِ مستی بخش سے تعبیر کیا ہے ۔

۲۔ بُوئے نافہ کاخر صبا زاں طُرّہ بکشاید — زِ تابِ جعد مشکینش چہ خُون اُفتاد در دِلہا

قولہ بُوئے نافہ الخ کی شرح میں شارحین بُوئے کی بار کو قسمیہ لکھتے ہیں لیکن میرے خیال میں مناسب یہ ہے کہ با کا تعلق قولِ مذکور اُفتاد مشکلہا سے ہو یعنی وہ مشکلات جو بُوئے نافہ کی وجہ سے پڑی ہیں ۔اَور مصرعِ ثانی مصرعہ اوّل پر معطوف بہ حذف حرفِ عطف ہے تقدیرِ کلام اِس طرح ہے کہ مشکلات بُوئے نافۂ زُلفِ محبُوب اَور اس کی جعد مشکیں سے پڑی ہیں ۔ زُلف اَور تاب جعد مشکینش سے مُراد وُرُودِ تجلّیِ جلال و قہر ہے ۔اَور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آسان نمُودن عشق اوّلاً سے وُہ وقت مُراد ہو جب خارج میں انسان کا ذکر بھی نہ تھا ۔اعیانِ ثابتہ علمِ علیمِ حقیقی میں موجُود تو تھے مگر کیفیّاتِ بشریہ سے کوئی کیفیّت مثل غم والم و عداوت و محبّت وغیرہ اعیانِ ثابتہ پر عدمِ تکوین وجُودِ خارجی کے سبب وارد نہ ہُوئی تھی ۔ اس وقت بے حجابیٔ اسباب کے باعث ربطِ عشق لذیذ تھا ۔لیکن اب انہی اعیانِ ثابتہ کے وجُودِ خارجی قبول کرنے پر توارُدِ احوالِ گوناگوں سے عشق میں مشکلات پڑی ہیں ۔

۳۔ بمے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مُغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود زِ راہ و رسمِ منزلہا

یعنی پیرِ کامل اگر تجھے کسی امر کی فرمائش کرے جو بظاہر نامُناسب معلوم ہو تو اُس کی تسلیم اَور تعمیل میں توقّف نہ کر ۔اَور انکار کا راستہ نہ چل ۔کیونکہ وُہ اَمر درحقیقت اچھا ہوتا ہے ۔صرف اِتنا ہے کہ انکشاف واقعہ نہ ہونے کے باعث تمہیں اس کی اچھائی کا علم نہیں ۔مولانا رُومؒ فرماتے ہیں ؎

چُوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو — ہم چو مُوسیٰؑ زیرِ حکمِ خضرؑ رَو

خبردار! جب پیر کا دامن پکڑ لیا پھر حضرت مُوسیٰؑ کی طرح فرمانِ خضرؑ کے ماتحت ہو کر ہمہ تن تسلیم ہو جا

۴۔ مرا در منزلِ جاناں چہ امن وعیش چُوں ہر دم — جرس فریاد مے دارد کہ بر بندید محملہا

منزلِ جاناں سے مُراد تجلّیِ لُطف ہے ۔اَور امن وعیش سے مُراد اس سے اُنس پکڑنا ۔فریادِ جرس سے مُراد ایک تجلّی کے

دُوسری تجلّی کی طرف منتقل ہونے کی آواز یعنی طرفۃ العین میں ایک تجلّی منتقل ہو کر دُوسری تجلّی آتی ہے۔ دکھایا اَور ہٹایا۔ پس ایسی منزل میں امن وعیش کہاں۔ بلکہ دم بدم دردمندانِ عشق کا اضطراب بڑھتا ہے تجلیات کے رنگ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ عالمِ کثیف (جسمانی) میں بھی سب اِس کی تجلّیات کے مظہر ہیں۔ ہر ایک مظہر کا رنگ دُوسرے سے جُدا ہے۔ ایسا ہی عوالمِ لطیفہ (برزخ) میں ہر ایک تجلّی دُوسرے سے مُمتاز ہے۔

۵۔ شبِ تاریک وبیمِ موج گردابے چُنیں حائل کجُا دانند حالِ ماسُبکسارانِ ساحلہا

یعنی ہمارا حال مشاہدۂ تجلّیاتِ لُطف وقہر اَور ورودِ حالاتِ خوف ورجا و تماشائے محلّات وقصُور میں اس شخص کی طرح ہے جو تاریک رات میں گرداب ہائے امواجِ بحرِ محیط میں پڑا ہو۔ اس کا حال کنارے پر رہنے والے کیا جانیں۔ پس ایسا ہی سُبکسارانِ ساحل یعنی مجذُوبانِ محض وزاہدانِ غیر مجذُوب ہمارے حال سے واقف نہیں تفصیل اس سخن کی یہ ہے کہ درویش چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل مجذُوبِ محض کہ یک لخت جاذبۂ غیب سے کھینچے جاویں۔ اَور اس جذب سے مغلوب ہو کر اوامر ونواہی سے بے خبر ہوں جیسا کہ کوئی شخص بادشاہ پر عاشق ہو اَور اس کے جمال پر اپنی نظر بند کی ہو۔ اَور ایسا مستغرق الحال ہو کہ اُس کے دل میں آدابِ سُلطانی بجالانے کا خیال تک نہ آئے۔ اَور چونکہ اس قسم کے درویش انبیاء علیہم السّلام سے متوارث نہیں اس لیے مجذُوبِ محض ناقص ہوتا ہے۔ دوم زاہدِ محض، خشک، بے جذب وبے اثر۔ اس کا زُہد وعبادت میں وقت بسر کرنے کا عشق ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص پاسداریٔ آدابِ شاہانہ ہی میں مشغُول رہے۔ اَور اسی کو مقصُود سمجھ کر جمالِ بادشاہ سے بے حظ وبے نصیب رہے۔ اس قسم کے درویش بھی ناقص ہوتے ہیں۔ قسمِ سوم مجذُوب سالک، جس کا جذب سلوک پر مقدّم ہو قسمِ چہارم سالک مجذُوب کہ اس کا سلوک جذب پر مقدّم ہو۔ یہ دونو طریقے انبیاء علیہم السّلام سے متوارث ہیں۔ اَور مشائخ عظّام اَور وارثانِ انبیاء علیہم السّلام کا نصیب ہیں۔ ان ہر دو طریقہ کا حصُول، قطع نظر دُوسرے اسباب سے۔ اگر بلحاظ سلسلہ دیکھا جائے تو خاندانِ نقشبندیہ میں جذب سُلوک پر مقدّم ہے۔ ان کو بہ توجہ قلب مُرشد اوّل جذب حاصل ہوتا ہے۔ اَور وُہ مُرشد کی کشش سے منازلِ سلوک کو قطع کرتے ہیں لیکن اس جذب کو زوال کا خطرہ ہے۔ کیونکہ اس جذب کا حصول بہ بس توجہ قلب مُرشد ہے۔ توجہ کے علیحدہ ہونے پر وُہ معنی بھی مفقود ہو جاتا ہے۔ اَور خاندانِ چشتیہ قادریہ میں سلوک کے بعد جذب آتا ہے اَور اس کا حصُول اپنی مشقت اَور کسب سے ہوتا ہے پس وُہ جذب گویا بطور ملکہ ومزاج رسُوخ پکڑ لیتا ہے اَور زوال کا خطرہ نہیں رہتا۔

۶۔ ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

یعنی میرے سب کام خود کامی اَور مُراد طلبی کی وجہ سے بدنامی اَور نامُرادی کو پہنچے ہیں۔ میری طاعات اَور سارے کام میری اپنی مُراد اَور مقصُود کے لیے ہیں۔ طائفہ عُشّاق کے مذہب میں طلب مُراد اچھی چیز نہیں۔

شیخ کلیمُ اللہ جہان آبادی نزع کے وقت یہ شعر وردِ زبان فرماتے تھے ؎

غبارِ خاطرِ عُشّاق مُدّعا طلبی است بخلوتے کہ منم یادِ دوست بےادبی است

(ترجمہ:۔ مدّعا طلب کرنے سے عُشّاق کے دل پر غُبار آتا ہے میں جس خلوت میں ہُوں وہاں دوست کی یاد بھی بےادبی ہے۔)

یعنی ذِکر میں تین نسبتیں ہیں۔ اوّل ذِکر، دوم ذاکر، سوم مذکُور۔ میں اس تثلیث سے باہر نکل چُکا ہُوں۔ ذِکر وذاکر ومذکور کو بجُز واحد کے اَور نہیں جانتا۔

قولہ نہاں کے ماند الخ یعنی میرے سینے کے اندر خوف ورجا کی دار وگیر اَور ورُود تجلّیاتِ گوناگوں سے ایک محفل رچی ہُوئی ہے

اُور انجمن بنی ہوئی ہے۔ اُور ظاہر ہے کہ محفلانہ باتوں کا راز مستُور نہیں رہتا۔ اسی کیفیّت کے مُناسب خواجہ حافظ صاحبؒ نے ایک اُور جگہ فرمایا ہے ؎

در اندرُونِ منِ خستہ دِل ندانم کیست　　　کہ من خموشم و او در فغان و در غوغا است

ترجمہ۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھ خستہ دِل کے اندر کون بسا ہُوا ہے کہ مَیں تو خاموش ہُوں اُور وُہ فغان وغوغا میں ہے۔

۷۔ حضُوری گر ہمے خواہی ازو غائب مشو حافظؔ　　　متی ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

یعنی اَے حافظ اگر حضُورِ دوام چاہتا ہے تو کبھی اس سے غائب نہ رہ اُور اپنی کسب وُمشقّت سے دِل کو دوست کے ذِکر میں مشغول رکھ۔ ذِکر کے بھی چند طریقے ہیں۔ دِلؔ غافل وزبان شاغل، یہ ذِکرِ لقلقہ ہے اُور اہلِ دِل کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ زبان محض معبر ہے۔ اُور مدارِ کار محل ورُود معانی پر ہے اُور وُہ قلب ہے۔ دوؔم یہ کہ غفلت وشغل مساوی ہوں یعنی دِل کبھی ذاکر ہو کبھی نہ ہو۔ اس کو ذِکرِ قلبی کہتے ہیں۔ اُور اسی وجہ سے قلب کو قلب کہتے ہیں کہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ انقلاب حالات کی وجہ سے اس پتّہ کے مشابہ ہے جو ہوا سے اُلٹ پلٹ رہا ہو۔ سوؔم یہ کہ قلب کی توجہّ بسُوئے مذکور، غفلت کی نسبت زیادہ ہو اس کو ذِکرِ رُوح بھی کہتے ہیں۔ یہی ذِکر بتدریج ذِکرِ سِرّ وخفی واخفیٰ کو پہنچتا ہے۔

کتبِ سلوک میں ذِکر کے اقسام اُور وقائع، لوائح، لوامع اُور طوالع کی تشریح یہ ہے۔ ذِکرِ لسان اُور ذِکرِ نفس، یہ خیالی ذِکر ہیں ذِکرِ قلب یعنی حضُورِ حق مع حضُور بالخلق بالسویہ۔ ذِکرِ رُوح یعنی حضُورِ حق مع الغلبۃ علی الحضُور بالخلق یعنی ذِکرِ قلب میں حضُورِ حق اُور حضُور بالخلق برابر ہوتا ہے۔ اُور ذِکرِ رُوح میں حضُورِ حق غالب اُور حضُور بہ خلق مغلوب۔ ذِکرِ سِرّ، اس میں حضُورِ حق ہے مع نسیان حضُورِ خلق کے یعنی مخلوق کو بھُلا دینا۔ ذِکرِ خفی وُہ حضُورِ حق ہے جس کے ساتھ حضُور بہ حق کا علم بھی ہوتا ہے۔ ذِکرِ اخفیٰ وُہ حضُورِ حق ہے جس میں حضُور کا بھی علم نہیں ہوتا۔

وقائع، جمع ہے واقعہ کی اُور یہ وُہ احوالِ غیبیہ ہیں جنہیں سالک ذِکر کے وقت نیند اُور بیداری میں مشاہدہ کرتا ہے۔ جو حالتِ نیند میں مشاہدہ ہوں اُنہیں رؤیا کہتے ہیں اُور جو حالتِ بیداری میں مشاہدہ ہوں اُنہیں مکاشفہ۔

لوائح جمع ہے لائحہ کی جو ظہُورِ انوار کا مقدّمہ ہے جیسے طلوعِ آفتاب سے پہلے محلِ طلوع روشن ہو جاتا ہے۔

طوالع اُن ظہُورِ انوار کو کہتے ہیں جو فکر اُور ذِکر کے وقت سالک پر ظاہر ہوں۔ لوائح اگر جلدی چلے جاتے ہیں۔ لوامع کچھ وقت ٹھہرتے ہیں اُور طوالع کچھ زمانہ ٹھہرتے ہیں۔

قلب سے مُرادِ معنوی دِل ہے جو حقیقتِ جامعہ اُور نفسِ ناطقہ ہے، نہ دِلِ صنوبری کہ اس مضغہ کی حرکت حضُورِ دِل معنوی کے بغیر ہیچ ہے اُور اس پر اکتفا کرنا فضُول۔

پہلا مصرع پڑھنے سے بظاہر ایک شبہُ وارد ہوتا ہے جو شارحین نے بھی ذِکر نہیں کیا۔ وُہ یہ ہے کہ حضُوری اُور اس سے غائب نہ ہونا ایک ہی چیز ہے یعنی اگر تُو حضُوری چاہتا ہے تو حضُوری کر اُور قدرے تغائر جو شرط وجزا کے معنے میں ضروری ہے نہیں رہتا۔ اس شُبہ کا دفع اس طرح معنے کرنے سے ہوتا ہے کہ حضُوری سے مُراد ملکۂ دوامِ حضُور ہے۔ اُور ملکہ ایک قوّتِ راسخہ ہوتی ہے جو کسب ومشقت سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اوّلاً مسائلِ جُزئیہ نحو کو نوکِ زبان یاد کرنے کے لیے اُن کا مسلسل ورد کرے رفتہ رفتہ اُسے اس شغل کا ایسا ملکہ ہو جاتا ہے کہ زائل نہیں ہوتا۔ پھر وُہ ان قواعد کا اجرا ہر زمانہ میں کر سکتا ہے۔ ایسا ہی وُہ حضُور ہے جو ریاضات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو حضُورِ دوام، بسببِ حصُولِ صحبتِ نبوتؐ، اُور ان کے دِلوں کا منوّر ہونا

عکس نورِ پاک آں حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وجہ سے تھا۔ اُس زمانِ سعادت نشان کے بعد اِس مقصد کے حصُول کے لیے مشائخ طریقت نے مختلف طریقے اختراع کیے۔ اَور وَلی اگرچہ وارثِ نبی ہوتا ہے اَور اسی شمع سے مقتبس لیکن پھر بھی نبی کا تنزّل ہے۔ ظِلیّت اَور عینیّت میں تفاوت ہے مصرعِ ثانی "متی ما تلق من تھویٰ الخ کا معنی ترید لقاءہ (اگر تو اس کی لقا کا ارادہ کرتا ہے تو دُنیا کو ترک کر دے) گویا لقائے محبُوب کے لیے ترکِ دُنیا و مافیہا شرط ہے جس کا پہلے ہونا ضروری ہے۔ جیسے نماز سے قبل وضو شرط ہے۔

ملفُوظ ۔ ۱۹۴

۵۔رجبُ المرجّب حضرت خواجہ غریبؒ النّواز کے عُرس پر مثنوی شریف کے سبق کا خُلاصہ اس طرح فرمایا "مولٰیناؒ فرماتے ہیں کہ عاشق وطالب ذاتِ حق سُبحانہٗ وتعالےٰ اس وجہ سے کہ وُہ جاذبہ عنایات سے کھینچا جاتا ہے مطلوب ومعشوق بھی ہے پھر مولاناؒ بطور تسکین عاشقین فرماتے ہیں کہ اَے عاشق تو بہت شور و اضطراب میں سرگرداں مت ہو۔ کیونکہ تُو اِس وجہ سے کہ وُہ تجھے اپنا بنانا چاہتا ہے اُس کا معشوق بھی ہے۔" اس کے بعد حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے ابیاتِ لاحقہ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اِن میں مولاناؒ اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ عشق کا جوش جو کہ سیلِ بہار کی طرح امواج زن ہو رہا ہے۔ اس کو روک تاکہ تجھے ویران نہ کر دے یعنی کوئی کلمۂ گستاخی زبان سے نہ نکل جائے یا اسرار فاش نہ ہو جائیں۔ مگر چُونکہ حضرت مولٰیناؒ عاشقِ جانباز ہیں۔ اِس لیے پھر فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے کیا خطرہ کہ میں ویران ہو جاؤں۔ اس لیے کہ اس دریا کا غریق آناً فاناً زیادہ گہرا غریق ہونا چاہتا ہے یعنی اہلِ مشاہدہ و استغراق اپنی ہستی کے مِٹ جانے سے ڈرتے نہیں ہیں بلکہ زیادتی ہی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

خلاص حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد   کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

اِس واسطے کہ وُہ دوست کے تیر کو سپر کے مانند سمجھتے ہیں۔ رنج۔ راحت ان کے یہاں یکساں ہے۔ جیسا کہ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ غریقِ دریا کے لیے تلاطم امواج میں زیر و بالا ہونا لازم ہے۔ تیر سے مُراد تجلّیٔ قہر ہے اَور سپر سے مُراد لطفِ حق ہے کہ مُوجبِ امان ہے اَور زیر و بالا سے بھی یہی مُراد ہے۔

اِس تمام تشریح کے بعد حضُورؒ نے فرمایا کہ جو آدمی ہمیشہ حصُولِ منافعِ دُنیاوی میں لگا رہے اس کی مثال اس شکاری کی سی ہے جو ہمیشہ شکار ہی کی تاک میں لگا رہتا ہے کہ یہ بھی ہو جائے اَور وُہ بھی ہو جائے۔ اَور اسی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ خوشا وُہ لوگ جنھوں نے ہر آفل اَور فانی چیز سے مُنہ موڑ کر اسی ایک باقی ذاتِ احد کو قبلۂ توجّہ بنایا۔

مترجم کہتا ہے کہ آں جنابؒ کے اِس ارشاد کی مناسبت سے حضرت مولٰینا جامیؒ کے حسبِ ذیل اشعار پر اختتام کرتا ہُوں۔

دِلا تا کے دریں کاخِ مجازی   کنی مانندِ طفلاں خاکبازی

خلیل آسا درِ ملکِ یقیں زن   نوائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن زن

اَے دِل تُو کب تک اِس فانی دُنیا کے مجازی محل میں بچّوں کی طرح خاک چھانتا رہے گا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی طرح ملکِ یقین کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہُوئے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں غروب ہونے والوں سے محبّت نہیں رکھتا) کا نعرہ لگا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمّدٍ وآلہ الطاھرین واتباعہ الکاملین والحمد للہ ربّ العٰلمین۔

فائدہ

ذیل میں حضرت قبلۂ عالم گولڑوی قدس سرہٗ کی وُہ معرکۃ الآرا تقریر ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے جو محرم ۱۳۳۱ھ میں آں جناب نے مولانا تاج الدین صاحب دبیر انجمن نعمانیہ لاہور، مفتی غلام مرتضیٰ صاحب میانوی مدرس نعمانیہ، مولوی محرم علی صاحب چشتی وکیل لاہوری اور دیگر عقیدت مندوں کے درخواست کرنے پر انجمن نعمانیہ لاہور کے سالانہ اجلاس میں فرمائی تھی جس میں پنجاب و ہند کے مشاہیر عُلمائے کرام کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ صاحبان، وُکلاء، کالجوں کے طُلبا اور عوام کثیر تعداد میں شریک تھے۔ اور آں جناب کی یہ بیّن کرامت ہے کہ باوجودیکہ آپ کوئی پیشہ ور مقرر یا خطیب نہیں تھے لیکن ایسے مختلف الخیال مجمع میں اِس قدر جامع اور بلیغ تقریر فرمائی کہ سب سامعین عش عش کر اُٹھے۔ اتفاقاً اُن دنوں انگریزی خوان طبقہ میں اسلام کے سب سے بڑے شعار نماز میں ایک قسم کا تساہل بایں خیال رُونما ہو رہا تھا کہ ہم سے کامل طور پر تو نماز ادا ہو نہیں سکتی ناقص نماز پڑھنے سے کیا فائدہ۔ لیکن جب آپ نے اپنی تقریر میں "ایّاک نعبُدُ" میں صیغہ جمع کی حکمت بیان فرمائی تو سب کے سب باقاعدہ نماز کے پابند ہو گئے۔ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی رحمۃ اللہ علیہ جو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کے رفیقِ خاص اور سُنّی عُلماء میں ممتاز شخصیت تھے آپ کی تقریر سُن کر فرمانے لگے کہ سُبحان اللہ! حضرتؒ نے اِس مختصر وقت میں ابتدائی خطبہ میں تصوّف و حقیقت کے وُہ باریک اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں جو خواص اور عُلماء کے فہم سے بھی بالاتر ہیں۔ اور آخر میں فقہ و شریعت کے وُہ عام فہم مسائل بیان کیے ہیں جو عوام کے بھی ذہن نشین ہو گئے ہیں۔ بلا ریب یہ علومِ وہبیہ کی شان ہے جو کاملین اولیائے کرام کو بارگاہِ ایزدی سے عطا ہوتے ہیں۔

(مترجم عفی عنہ)

کلام الملوک ملوک الکلام

یعنی

خُلاصہ تقریر علّامہ زمان آیۃ من آیات الرّحمان شمس ہدایت مہر ولایت سیّدنا و مقتدنا

حضرت خواجہ سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب مسند آرائے گولڑہ شریف

(لازال ینیر قلوبنا بعلومہ و یقرعیوننا بمنطوقہ و مفهومہ و لا زالت اشعۃ علمہ یستنیر منہا کل فاضل نبیل)

جو

حضور ممدوح الشّان نے محرم ۱۳۳۱ھ میں بوقتِ معاودت از زیارت حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ انجمن نعمانیہ لاہور کے پچیسویں ۲۵ سالانہ جلسہ میں منتظمین کی التجا پر مشاہیر عُلمائے کرام کے سامنے فرمائی۔ اور بندۂ حلقہ بگوش بارگاہ نے برائے افادہ و استفادۂ اہلِ علم و عرفان طبع کرا کر حضورؒ کے ملفوظات کے ساتھ شامل کر دی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبحَانَ مَنۡ ھُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالۡبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ اَنزَل

فيه عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ ○ وعلى اهل بيته وعترته المطهرين
بتطهيره واصحابه واحبابه اَلَّذِيْنَ هُمْ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الفازة منه بفضل جسيم وعلم عميم
فاوليته فى اٰخريته واٰخريته فى اوليته كما ان ظهوره فى بطونه وبطونه فى ظهوره بشيئيتنا الثبوتية فى قوله
إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ والوجودية بقوله فَيَكُوْنُ ذواتنا مع مكامن استعدادتها فى الحضرة العلمية بخزائنه
وفيضه الاقدس كما ان وجوداتنا مع لواحقها فى عرصة العين المكتسى كساء وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ
فيضه المقدس مناعلينا لامنه كما ان منه لامنا مالنا واول ظهوراته حين اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
ثانى شيوناته المبشر به مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ كما ان اٰخر رحماته اذ ما يشفع عنده الا باذنه
اول اذناته فهو صلى الله عليه وسلم اول ما خلق الله نوره كما ان اٰخر بخاتم النبيين ظهوره ومن ههنا
امتنع مثله ونظيره فان الاول ليس بثان كما ان الثانى ليس باول فامتناع شريك البارى عز اسمه من
ذاته كما ان عدم امكان نظيره صلى الله عليه وسلم من حيث بعض صفاته وظاهر ان المقدورات
غير محيطة بالمعلومات فاتضح الامر باوضح الدلالات بغير مدخل مسئلة امكان الكذب وامتناعه
اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حقائق الاشياء كما هى[1]۔

---

[1] پاک اور بلند ہے وُہ ذات کہ اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور اُسے ہر چیز کا علم ہے۔ اور درُود اور سلام اُس ہستیؐ پر جس کی شان میں نازل ہوا "عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" الخ (گراں ہے اُس پر وُہ جو تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو اور وُہ نہایت خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا۔ رؤف ورحیم ہے مومنوں کے حق میں) اور حضورؐ کی اہل بیت اور عترت پر جو حضورؐ کی تطہیر سے مطہر ہیں۔ اور آپؐ کے اصحاب اور احباب پر جو آپؐ کی معیّت سے مشرف ہیں سخت ہیں کفّار پر اور مہربان ہیں باہم حضورؐ کے اِستفادہ سے اور حضورؐ کے فضلِ جسیم اور علمِ عمیم کی بدولت حضورؐ کی اوّلیت آپؐ کی آخریّت میں اور آخریّت اوّلیت میں مندرج ہے۔ جس طرح آپؐ کا ظہور بطُون میں اور بطُون ظہُور میں مندمج ہے۔ ہماری ہستی کا ثبُوت حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کے قول "کُن" سے اور وجُود ارشاد "فیکُون" سے ثابت ہے۔ ہماری ہستیاں اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم میں اپنی مخفی اِستعدادوں کے ساتھ اُس کے غیبی خزائن اور فیضِ اقدس میں حاضر ہیں۔ اور ہمارے خارجی وجُود اپنے لوازمات کے ساتھ عالمِ دُنیا کے میدان میں اندازۂ اِلٰہی کے مُطابق وجُود کا لباس پہن کر اُسی کے فیضِ مقدّس سے قائم ہیں پس اُس کے فیضِ مقدّس کا منشاء ہماری اِستعدادیں ہیں جو ہم پر ظہُور پذیر ہوتی ہیں نہ کہ اُس کی ذات پر۔ اُس کا اوّلین ظہُور استویٰ علی العرش ہے اور اُس کی شانِ ثانی وُہ ہے جس کی بشارت اُس کے ارشاد "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" (ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر عالم کے لیے رحمت) میں موجُود ہے اور اُس کی آخری رحمت کا ظہُور اُس وقت ہو گا جب کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضُور میں کوئی سفارش نہیں کرے گا۔ ہمارے حضُور صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نُوری مخلُوق میں سب سے اوّل ہیں اُسی طرح اذنِ شفاعت میں بھی سب سے اوّل ہوں گے۔ باعتبارِ ظہُورِ خارجی آپؐ خاتم النبیّین ہیں اور اسی وجہ سے آپؐ کی مثل اور نظیر ناممکن ہے کیونکہ جس طرح اوّل ثانی نہیں ہو سکتا۔ ثانی بھی اوّل نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا من حیثُ الذّات مُمکن نہیں اسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ثانی ہونا من حیث الصّفات ناممکن ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر معلُومِ الٰہی تحتِ قدرت نہیں جیسے کہ خُود ذات وصفاتِ واجب الوجُود۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مسئلہ امکان وامتناعِ کذب کی مداخلت کے بغیر حضُورؐ کی نظیر کا امتناع واضح دلائل سے ثابت ہوا۔ الٰہی ہمیں حقائقِ اشیاء کما حقّہٗ دکھلا دے۔

حمد بے حد اُس ربِّ کریم و رحمان و رحیم کے لیے کہ جس نے بعد الوجود ہم کو اشرف مطالب اور افضل مراغب (یعنی علم) کی نعمت و ہبات و اظہارِ فضیلت سے بقولہ تعالیٰ قُلْ[۱] هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ وقولہ تعالیٰ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ[۲] وقولہ تعالیٰ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ[۳] مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ وقولہ تعالیٰ فی ایحائہ لابراہیم علیہ السّلام انی عَلِیمٌ[۴] اُحِبُّ کل علیم ممتاز فرمایا۔ اور درُود بے عد اُس رؤف رحیم پر کہ جس نے اپنی محبتِ رحمت و رأفت اور مکمّلہ عنایت و شفقت سے بقولہ علیہ السّلام فضل العالم[۵] علی العابد کفضلی علی ادناکم نوازا۔ اِس میں شک نہیں کہ شرفِ صفت بحسب شرفِ موصُوف ہوا کرتا ہے۔ اور علم مقابل جہل چُونکہ صفاتِ الٰہیہ و اجبیّہ سے ہے لہٰذا فضیلتِ علمی پر کوئی بُرہان قائم کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی حُسن و قبح اشیاء شرعی ہو بہرکیف بیان مذکور بنا بر مسلک ہر دو فریق اہل نقل و عقل علمی فضیلت کے لیے کافی ثبوت ہے۔ چُونکہ جمیع علوُم کا احاطہ خارج از قدرتِ عبد و ناممکن ہے لہٰذا اہم العلوم و مہتم بالشّان علم یعنی علمِ دین کی طرف توجہ اولاً ضرُوریات میں سے سمجھی جاتی ہے۔ چُونکہ اُس اشرف الانواع مہجُور الوطن حضرتِ انسان کا اپنی اصل تک رسائی کا یہی ذریعہ ہوسکتا ہے نہ علومِ عقلیہ محضہ مثلاً مبدار فیّاض حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اس غریب مُسافر سب سے پس ماندہ و مہجُور تر کو وطنِ اصلی میں پہنچنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ خبردار کہاں تُو اور کہاں میں۔ کہاں ہستی اور کُجا نیستی۔ نا بُود کو کیا مجال ہے کہ بذاتِ خود کچھ دکھا سکے یا حق مولا ادا کر سکے وہ خود ناچیز ہے بغیر امداد و توفیق ہماری کیا کر سکتا ہے۔ اگر کچھ توفیق خداداد کے بعد تم سے ہوسکے تو ہر عابد شخص فرداً فرداً صرف اپنی ہی کارائی کو حضرت سُلطان یعنی ہماری عالی جناب میں مت پیش کرے کیونکہ ناقص اور ردّی متاع بذاتِ خود درصُورتِ علیحدگی اس قابل نہیں ہوتی کہ حضرت سُلطان میں پیش کی جائے۔ البتّہ عیب پوشی کا ہم ہی تجھے ایک آسان راستہ بتاتے ہیں۔ اپنی اس معیُوب اور ردّی رخت کو درضمن جیّد و عُمدہ متاعوں اور رختوں کے ہمارے پیش کرو یعنی اپنی ردّی اور ناقصہ عبادت و بندگی کو انبیاء و اولیا و ملائکہ کی عبادات میں شامل کر کے بصیغۂ جمع اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ عرض کرو۔

ہماری شریعتِ منزّلہ کا مسئلہ ہے کہ جب اجناسِ مختلفہ کو ایک عقد میں بیع کیا جائے اور پھر بعض اشیاء کا عیب ظاہر ہو تو اس صُورت میں مُشتری یا تو ساری چیزوں کو واپس کرے یا سب کو رکھ لے نہ یہ کہ ردّی کو واپس کرے اور اچھی کو رکھ لے۔ جب بندے کے حق میں ہماری شریعت صرف ردّی اور معیُوب چیز کے واپس کرنے کا فیصلہ نہیں دیتی تو سُلطان الکل و مولی الکل کی شانِ خداوندی سے زیبا نہیں کہ ردّی عبادت کو واپس کیا جائے۔ بلکہ یہی زیبا ہو گا کہ سب کو منظور کیا جائے۔

حضرات سامعین! یہ ایک تمثیل بطور مشت نمونہ خروار و یکے از ہزار صرف اِس غرض کے لیے پیشِ خدمت کر دی گئی ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ بغیر علمِ دین و تعلیم شارع ایسے راستہ کا معلوم کر لینا کہ جس سے اپنے خالق کی رضا حاصل کی جائے یا وطنِ اصلی تک پہنچا جائے ناممکن ہے بغیر علم کے اِنسان گویا مُردہ ہوتا ہے ولنعم ما قیل[۶]؎

---

[۱] فرما دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور وُہ جو علم نہیں رکھتے [۲] ان کو علم والوں کے بغیر کوئی نہیں جانتا

[۳] بے شک خُدا سے علم والے ڈرتے ہیں [۴] میں علم والا ہُوں اور ہر صاحبِ علم کو دوست رکھتا ہُوں

[۵] عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری تم میں سب سے ادنیٰ پر۔

[۶] جُہل میں موت سے پہلے موت ہے اور جُہلاء کے اجسام قبروں سے قبل قبر میں ہیں۔ اگر کوئی انسان علم سے زندہ نہ ہو تو وُہ مُردہ ہے اور قیامت کے اُٹھنے تک اُس کے لیے کوئی زندگی نہیں۔

وفی الجھل قبل الموت موت لاھلہٖ — فاجسامھم قبل القبور قبور

وان امرء لم یحیی بالعلم میت — فلیس لہ حتی النشور نشور

(یعنی جاہل مرنے سے پہلے مُردہ ہے۔ جہّال کے اجسام گویا قبریں ہیں ظاہری قبور سے پہلے اگر کوئی شخص علمی حیات سے بے بہرہ ہے تو وُہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔ قیامت تک وُہ مُردہ ہی ہے)

دینی علم کی طلب ہر مُسلمان پر فرض ہے۔ قال النّبی صلی اللہ علیہ وسلم طلبُ العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم[1] قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ[2]۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دو مجلس مجلس اہلِ ذکر اور مجلس تعلیم و تعلم کو ملاحظہ فرمانے پر ہر دو مجلس کے اہل پر خوشنودی ظاہر فرمائی۔ اور سلسلۂ تعلیم والے گروہ کو ذاکرین پر ترجیح دی اور فرمایا کہ انما بعثت معلما یں بہ حیثیت و منصب معلمی مبعوث ہوا ہوں۔ اور گروہ اہلِ علم کو شرفِ شمولیت بخشا اور اُن کے پاس جلوس فرمایا۔ یونس بن مُنیرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الخیر عادۃ[3] والشر لجاجۃ ومَن یُرِدِ اللہ بہٖ خیرًا یُفقّھہُ فی الدّین وایضاً خیار امتی علماءھا وخیار علماءھا فقھاءھا۔ بہترین اُمّت علماء ہیں اور علماء سے برگزیدہ اہلِ فقاہت و فہم ہیں۔ آیتِ مذکورہ و حدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ اہلِ قرآن و اہلِ حدیث میں سے برگزیدہ گروہ اہلِ فقاہت و فقہائے کرام کا ہے یعنی جن کو قرآن و حدیث میں سمجھ و فقاہت ہو بخلافِ خیال اہلِ زمانہ موجودہ کہ فقہاء کو مقابل اہلِ قرآن و حدیث ٹھیراتے ہیں۔ بروایت حضرت انسؓ مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ التفقہ[4] فی الدین حق علی کل مسلم الا تعلموا وعلموا وتفقھوا ولا تموتوا جھالاً۔ ابُوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ نبوی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ ماعند[5] اللہ بشیئ افضل من فقہ فی الدین فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شیٔ عماد وعماد الدین الفقہ وایضاً العلماء ورثۃ الانبیاء وایضاً للانبیاء علی العلماء فضل درجتین وللعلماء علی الشھداء فضل درجۃ۔ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ العلم[6] خیر من المال العلم یحرسک وانت تحرس المال العلم حاکم علیک والمال محکوم علیہ۔ مات خزائن المال وبقی خزائن العلم اعیانھم[7] مفقودۃ واشخاصھم فی القلوب موجودۃ۔ طالبِ علم دینی کا شان قولہ[8] علیہ السّلام ان الملئکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما یطلب۔ طلباء کو فنِ کتابت سے کافی حصّہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ قولہ علیہ السّلام قیّدوا[9] العلم بالکتاب وایضاً استعمل یدک۔ کاتب کو اشکالِ حروف

---

۱ ہر مُسلمان پر طلبِ علم فرض ہے ۲ اِن مُسلمانوں کے ہر فرقہ سے ایک گروہ کیوں جہاد پر نہیں نکلا تاکہ (باقی ماندہ) دین حاصل کرتے اور اپنی قوم کو واپس آنے پر ڈراتے تاکہ وُہ احتیاط کریں۔ ۳ خیر عادت ہے اور شر لجاجت اور جو شر کو خیر سے بدل ڈالے اُسے فقاہت فی الدین حاصل ہوتی ہے۔ میری اُمّت کے خیار عُلماء ہیں اور عُلماء کے خیار فُقہاء ہیں۔ ۴ فقاہت فی الدین ہر مُسلمان پر واجب ہے۔ خبردار علم پڑھو اور پڑھاؤ اور فقہ حاصل کرو اور جاہل ہو کر مت مرو۔ ۵ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقاہت فی الدین سے افضل کوئی چیز نہیں۔ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہر چیز کا ایک ستُون ہے اور دین کا ستُون فقہ ہے۔ عُلماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء کے لیے عُلماء پر دو درجے ہیں اور عُلماء کے لیے شہداء پر ایک درجہ۔ ۶ علم مال سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم تجھ پر حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال کے خزانے مٹ گئے اور علم کے خزانے باقی رہ گئے۔ ۷ اہلِ علم کے اجسام مفقود ہیں لیکن اُن کے ذوات دلوں میں موجود ہیں۔ ۸ ملائکہ طالبِ علم کی راہ میں پَر بچھاتے ہیں۔ ۹ علم کو کتابت میں مقیّد کرو اپنے ہاتھ سے لکھو۔

کی درستی اور ضبط بالنقطہ محلّ اشتباہ میں ضروری ہے بروایاتِ مختلفہ ثابت ہے کہ عربی زبان میں پہلے کاتب آدم علیہ السلام اور بعد طوفان اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے۔ عُروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے کاتب متقدّمین سے وُہ لوگ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔ ابجد۔ ہَوّز۔ حطّی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ یہ لوگ مدین کے بادشاہ تھے۔ اشکالِ حرُوف کو معمُولی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ یہی اشکال الفاظ پر اور الفاظ معانی پر اور معانی امر مجمل بسیط باطن پر دال ہے۔ اور وُہی امر بسیط باطنی معانی بعد ازاں الفاظ بعد ازاں اشکال ونقوش سے ظاہر ہو رہا ہے۔ گویا عالمِ نقوش والفاظ ومعانی متکثرہ میں اسی کا ظہُور ہے۔ جس کی جلوہ گاہ باقی عوالم ہیں بنظرِ اعتبار وتدبّر جس عالم کو دیکھا جائے هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ کا درس ہو رہا ہے۔ عارفے فرمُودہ ؎

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ‏ ‏ ‏ ‏ مز اجش عکسِ آں گلفام کردند

اس پر از جانبِ فقیر ؎

بہر آں کہ غیرش نیست موجُود ‏ ‏ ‏ ‏ بخود آغاز وہم انجام کردند

حضراتِ طلبا! آپ صاحبان میں سے کسی صاحب کو اگر جذبۂ ازلی نے یہاں تک رسائی نصیب فرمائی تو پھر طبعاً خود بخود ہی نیازمند کے پہلے سوال منجملہ سوالات رسالہ فتوحات الصّمدیہ متعلق لمیت ترتیب حرُوفِ تہجّی الف۔ ب۔ ت۔ ث الخ کا جواب منکشف ہو جائے گا۔ جُملہ اہلِ اسلام پر بدلیل قولہ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طلباءِ علمِ دینی بمایتعلق بہ کی خدمت حسبِ توفیق واجب ہے۔

آخری معرُوض بحضرتِ طُلبا

آپ صاحبان نے حدیث شریف انّما الاعمال بالنیّات کو بخوبی سمجھا ہوا ہے۔ اس کی تعمیل نہایت ضروری سمجھیں۔ مبادا کہ خُدانخواستہ فسادِ نیّت (جدل مراء منہی فی الاحادیث کی وجہ سے اس عروۂ قصویٰ وربوۂ علیا سے گر جائیں اور بجائے حصُولِ مرضاۃِ خُدا ورسُولؐ موردِ سخط وغضب ہو جائیں۔ والسّلام۔

حضرت قبلۂ عالم سیدنا خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ

کی

تصنیفات

۱۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق } یہ کتاب کلمۂ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو حضرتؒ نے لکھنؤ کے مشہور صوفی مولانا سید عبدالرحمن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کے جواب میں تحریر فرمائی۔ شاہ صاحب لکھنوی نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمۂ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمتِ محمدیہ کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف فرما دیا تھا۔ حضرت پیر صاحبؒ نے اپنی خُداداد علمی و عرفانی قابلیت سے نہ صرف شاہ صاحب کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی بلکہ صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی مدلل تشریح فرمائی جو اربابِ علم و ذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقۂ سلوک و توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سرکارِ دوعالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مختصر سیرت طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔ ۲۱۱ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن جس میں عربی اور فارسی کی عبارات کا اُردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ شمس الہدایہ } یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و سُنت کی روشنی میں تحریر فرمائی گئی اور اس میں ختم نبوت جیسے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شُبہات کی مدلل تردید تحریر ہے۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل تیسرا ایڈیشن

۳۔ سیفِ چشتیائی } ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت کے موضوع پر اس سے بہتر اور مستند کتاب کبھی نہیں لکھی گئی۔ قوت استدلال اور طرز بیان بے نظیر ہے علم دوست اصحاب میں بے حد مقبول ہے۔ ۲۳۰ صفحات پانچواں ایڈیشن

۴۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ } یہ کتاب وما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں حضرتؒ نے مسائل نذر و نیاز، سماع موتٰی، استمداد اولیائے کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے اور ان مسائل میں اہل اسلام میں جو اختلافات مدت سے چلے آرہے ہیں اُنہیں اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرانے کی کوشش فرمائی ہے۔ ۱۴۷ صفحات، پانچواں ایڈیشن

۵۔ مکتوباتِ طیبات } یہ کتاب آنجنابؒ کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے ان میں بہت سے مسائل شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

۶۔ الفتوحات الصمدیہ } اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے حضرت پر کئے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا۔ کتاب کے آخر میں حضرتؒ کی طرف سے پُوچھے گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جن کے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

۷۔ تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ } اپنی اس تصنیف لطیف میں حضرت نے خلافتِ راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کرام کے فضائل کو از روئے کتاب و سنّت انتہائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ یہ کتاب توازن و استدلال مسلک کا شاہکار ہے۔

۸۔ ہدیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم } فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب حضرت قبلۂ عالم کی طرف سے مرزائیت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔ اسکے مندرجات کی تفصیل پہلے شمس الہدایہ اور سیفِ چشتیائی کے عنوان سے شائع شدہ کتابوں کی صورت اُردو زبان میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اب اصل کتاب فارسی بھی فارسی دان حضرات کیلئے شائع ہو چکی ہے اور دستیاب ہے۔

۹۔ مہرِ منیر } آنجناب کی شہرۂ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالاتِ زندگی، علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ، تصنیفات کا مختصر خلاصہ۔ قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان نیز آپ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالاتِ وصال ساتواں ایڈیشن، ۶۳۰ صفحات، بہترین کاغذ، آفسٹ طباعت، خوبصورت جلد

۱۰۔ ملفوظاتِ طیبات } آپ کے علمی ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ، بارِ چہارم، آفسٹ طباعت، مجلّد نیا ایڈیشن

۱۱۔ مرآۃ العرفان } آپ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام۔ مرصّع ایڈیشن۔ دو رنگوں میں آفسٹ طباعت۔

ملنے کا پتہ:۔ آستانہ عالیہ غوثیہ۔ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد